حسب ضابطہ رجسٹری ہوگئی ہے

قسطنطنیہ

[illegible] ۱۲۶۶ [illegible]

یعنی

دارالخلافت عثمانیہ کی دلچسپ کیفیت

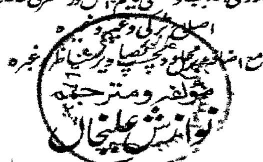
مع مضامین متعلقہ سلطنت ٹرکی کی اجمالی حالت اعلیٰ حضرت

امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین خادم الحرمین الشریفین سلطان

محمد عبد الحمید خان الغازی ید اللہ الدین

خلد اللہ ملکہ

کے عہد سعادت مہد کی ترقیات ٹرکو نکی تہذیب و شائستگی تعلیم اخلاق اور معاشرتی حالت عیسائی اسلام کی پولیٹکل حالت



اصلاح ملکی و غیرہ

مع اضافہ مجمل و دلچسپ قصص و دیر نشانات و غیرہ

مؤلفہ و مترجمہ

نوازش علیخان

جسکو

بعد خرید حقوق جملہ منشی فضل الدین تاجر کتب قومی مالک اخبار اشاعت

کشمیری بازار لاہور نے شائع کیا

۱۳۱۲ھ

مطبوعہ مصطفائی پریس لاہور

قیمت ۸/

مختصر فہرست کتب قومی دکان بازار کشمیری لاہور

تہذیب الاخلاق جلد اول

یعنی عالیجناب نواب محسن الدولہ محسن الملک سید مہدی علی صاحب منیر نواز جنگ مصنف کتاب آیات بینات وغیرہ کے کل مضامین مندرجہ تہذیب الاخلاق گذشتہ ہفت سالہ از ابتدائے ۱۲۸۷ھ ہجری لغایت ۱۲۹۳ھ ہجری یہ وہی مضامین ہیں جنہوں نے مسلمانوں میں اپنی صداقت سے ایک غیر معمولی ترقی کا جوش پھیلایا اور یہ وہی مضامین ہیں جنکی تلاش ایک مدت سے خیر خواہان قوم و ملک کو تھی مگر افسوس کہ اُن کو میسر نہ آئے۔ اب ہم نے نہایت کوشش سے بہم پہنچا کر شائع کر دیئے ہیں بہت عمدہ ڈمی کاغذ پر چھپی ہوئی کتاب ہے اور اس میں ۷۳ نہایت دلچسپ مضامین ہیں اگر کوئی شخص اسلام سے واقفیت حاصل کرنی چاہے یا اردو انشاپردازی اور معلومات کا ذخیرہ جمع کرنا چاہے تو اس سے بہتر اور کوئی کتاب اسکو نہ ملیگی۔

ضخامت ۴۰۰ صفحے قیمت عا

تہذیب الاخلاق جلد دوم

عالیجناب آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر بالقابہ کے گذشتہ ہفت سالہ تہذیب الاخلاق کے مضامین [illegible] قوم کو اشد ضرورت تھی از ابتدائے ۱۲۸۷ ہجری لغایت [illegible] ہجری چھپکر تیار ہو گئے ہیں اس میں سر سید کے ۹۰ مضامین ہیں جن سے ایک قسم کی روشنی پیدا ہوتی ہے تعداد میں یہ مضامین ایکسو میں اخلاقی اور تمدنی مضامین کا مخزن ہیں اسلامی مسائل سے واقفیت حاصل کرنے والے کے لئے ایک کورس مضامین نگاری کے لئے اتالیق۔ اردو لٹریچر کی جان۔ یہی دلچسپ مضامین ہیں جنکی مقبولیت سے سر سید کو کامیابی ہوئی یہ ہی سچے اور بے لوث آرٹیکل ہیں جنہوں نے سر سید کا بول بالا کیا مسلمانو کو خواب غفلت سے جگایا۔ اسلام اور ہمدردی کا سبق دیا۔ ان مضامین کے پڑھنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اصلاح قوم میں سر سید کو کس قدر کاوشیں اور تکلیفیں پیش آئیں ہیں مفصل حالات کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہونگے اہل ملک کو عموماً اور اہل اسلام کو خصوصاً اس کتاب کے مطالعہ کی کہاں تک ضرورت ہے یہ امر کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہو جائیگا۔ کتاب بہت بڑی ۶۳۲ صفحے پر قیمت ۳

تہذیب الاخلاق جلد سوم

یعنی عالیجناب نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی صاحب بہادر مرحوم کے جملہ مضامین مندرجہ تہذیب الاخلاق ہفت سالہ ابتدائے ۱۲۸۷ لغایت ۱۲۹۳ ہجری المقدس مضامین کیا ہیں ایک گوہر بے بہا ہیں نواب صاحب مرحوم کی لیاقت اور تحریر کو کون نہیں جانتا۔ تمام ہندوستان کے بڑے بڑے فلسفہ دان لوہا مان گئے ہیں۔ آپ صرف عربی و انگریزی کے فاضل نہ تھے بلکہ فرنچ۔ لیٹن۔ عبرانی اور سنسکرت سے کما حقہٗ واقف تھے۔ آپ نے اپنے مضامین میں یہ سب جگہ ظاہر کر دیا ہے کہ مسلمانوں میں ایسے شخص موجود ہیں۔ جو زبان کے اشخاص کو اسلام سے واقف کر سکتے ہیں اور نہ واقف کر سکتے ہیں۔ بلکہ سیدھے رستے پر لا سکتے ہیں۔ ان مضامین میں اکثر جگہ مصنف مرحوم نے عربی اور انگریزی حروف میں حاشیہ لکھے ہیں۔ جو جیسے ہم نے چھاپ دیئے ہیں نہایت اعلےٰ درجہ کی قابل قدر کتاب چھپ گئی ہے اور مقبول عام ہوئی ہے۔ ناظرین بانمکین ضرور حظ اُٹھائینگے۔ قیمت عہ



عثمانی دار السلطنت قسطنطنیہ کو جو وقعت اور منزلت آج دنیا میں حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ پولیٹیکل لحاظ سے اس کو "ایشیا کی طلائی کلید" کہا گیا ہے اور بجا کہا گیا ہے۔ آئے دن جو شورشیں اور ہنگامے صرف اس چند ایکڑ زمین کی بدولت۔ ایشیا اور یورپ۔ مشرق و مغرب کے اتصال پر ہوتے رہتے ہیں۔ وہ صرف اسی شہر کی بدولت ہیں۔ مغرب کے پولیٹیکل تھیٹر میں آئے دن نت نئے تماشوں کی ریہرسل (قبل از تماشہ ایکٹروں کو اس کی مشق کرانا) ہوتی رہتی ہے۔ وہ اسی کے دم کی خاطر ہے۔ اور ٹرکش گورنمنٹ کی نسبت جو کہا گیا ہے کہ ؎

اس طرح یورپ میں ہے ترکی کی جان — جیسے ہو بتیس دانتوں میں زبان

اس کا باعث بھی یہی شہر قسطنطنیہ ہے۔

غرض قسطنطنیہ جسکو "دنیا کے جھگڑے کی ہڈی" بالکل بجا کہا گیا ہے۔ ایک سیب ہے جس کے تصرف کے لئے چاروں طرف سے ہاتھ بڑھ رہے ہیں اور ایک دائمی جدوجہد اقوام یورپ میں جاری ہے۔ اور ترکوں کی صرف اسی وجہ سے وہ مثل ہے کہ ع

اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی

محمد فاتح کی دلاوری اور شجاعت کا انعام آج ان کے واسطے سرطان بنا ہوا ہے لیکن اس کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ باوجود اس کے یہی قسطنطنیہ ہے جس کی بدولت آج تک اس حرص و طمع۔ مہذب قزاقی۔ اور شائستہ ڈاکہ زنی کے زمانہ میں جو یورپین اقوام کا خاصہ ہے۔ اور جس میں ان کو اعلےٰ درجہ کی مشق حاصل ہے۔ ٹرکش گورنمنٹ کا علم یورپ میں بلند رہا ہے۔ اور "مرد بیمار"ؔ مع "بوریئے بدھنے"ؔ کے بغداد نہیں بھیجا گیا۔

دول یورپ نے اب تک عرصہ گذرا ہوتا کہ باہم اتحاد کر کے سلطنت روم کو تہ و بالا کر دیا ہوتا۔ سینٹ صوفیہ پر بجائے ہلال کے صلیب کا معرکہ دکھلائی دیتا۔ مگر اس "ایشیا کی طلائی کلید" کا کون مالک ہوگا؟ یہ سوال ہے جو آج تک حرص و طمع ظلم و تعدی حقوق کشی اور زبردستی کی تعمیل میں مزاحم رہا ہے! سلطنت ٹرکی اب تک ایک سے زاید مرتبہ عالم خیال میں تقسیم ہو چکی۔ اس کے حصے بخرے ہو گئے۔ النیچریت دنیا میں معراج پر پہنچ گئی۔ اور مشہور شیخ چلی کی اولاد نے باپ کی وصیت کی اچھی طرح تعمیل کی "گر بلی کی میاؤں" نے چوہوں کی ہمتیں ہر موقع پر پست کر دیں۔ اس سوال۔ اور بڑے بھاری لاحل سوال نے کچھ پیش نہ جانے دی ؎

دل میں سو سو ستو دے تھے دے — ایک پیش اس کے سامنے نہ گئی

موجودہ ارمنی شورش بھی اس قسطنطنیہ کی حرص حسد کا ایک معمولی کرشمہ ہے۔

پولیٹیکل لحاظ سے قطع نظر کر کے بلحاظ سیر کے بھی جو وقعت اور درجہ اس شہر کو دنیا میں حاصل ہے۔ گنجائش کلام نہیں رکھتا۔ اس کے خوشنما منظر۔ اس کی سیرگاہیں۔ اسکی قدرتی نعمتیں ایسی ہیں کہ سیاح دور دور سے سفر کی زحمتیں اور صرف کثیر اٹھا کر آتے ہیں

۱؎ قبل از جنگ روم و روس۔ زار روس ایک دن اثناء گفتگو میں انگریزی سفیر سے ٹرکی کی نسبت "مرد بیمار" کا لفظ استعمال کر بیٹھے تھے۔ انگریزی سفیر نے اپنی رپورٹ میں بھی یہی لفظ انگلستان تک پہنچا دیا۔ اور اس وقت سے آج تک عام محاورہ ہو گیا ہے کہ ٹرکی گورنمنٹ کو "مرد بیمار" کہتے ہیں۔

۲؎ محاربہ روم و روس کے متعلق خبث مجسم گلیڈسٹون نے ایک تقریر میں ترکوں کی نسبت کہا تھا کہ "Send them with bag & baggage to Bagdad"

"انکو بوریا بدھنا سمیت بغداد میں نکال باہر کرو"

اوران کو ایک نظر دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ اُن کی محنت و تکلیف کا کافی صلہ مل گیا ہے۔ اور در حقیقت یہ سمجھنا بجا ہے ؎

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ مے نگرم
کرشمہ دامن دل مے کشد کہ جا اینجاست ✤

قسطنطنیہ بحالت مجموعی تو ایک طرف۔ اس کا ایک بندرگاہ گولڈن ہارن ہی صرف ایسا مجموعہ دلفریبی ہے کہ دنیا اسی کی تعریف میں رطب اللساں ہے۔ لفظی معنی گولڈن ہارن کے "طلائی سینگ" ہیں۔ اور یہ باسفورس کا وہ حصہ ہے۔ جو قسطنطنیہ کے گذرگاہ کا کام دیتا ہے۔ اور خشکی میں شہر کے بیچ میں میلوں تک چلا گیا ہے۔ اس کی وسعت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ ایک ہی وقت میں ایک ہزار سے زائد جہاز اس میں سما سکتے ہیں۔ حفاظت کے لحاظ سے بھی بڑا اچھی وقعت رکھتا ہے۔ اس کی شکل سینگ کی طرح ہے۔ اور تجارت کے لحاظ سے اس کی نسبت کہا گیا ہے کہ سونے سے ہر وقت بھرا رہتا ہے ✤

جو سرور اور فرحت سیاح کو صرف اس کے قدرتی نظارہ سے حاصل ہوتا ہے وہ نہ قلم سے معرض تحریر میں آسکتا ہے اور نہ زبان سے بیان ہو سکتا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے پُرزور اہل قلم نے اس کی تعریف میں حق انصاف ادا کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے ✤

اردو میں علم سیر کی کتابیں بالکل نہیں ہیں۔ مگر ایسی کتابوں سے علاوہ دلچسپی کے حظ و لطف کے ساتھ ساتھ جو وسعت دائرہ واقفیت کو حاصل ہوتی ہے۔ وہ ظاہر ہے۔ سیر کی کتابیں ہر مقام کے متعلق انگریزی میں بیشمار ہیں اور دنیا کی تمام مہذب زبانوں میں اُن کی کمی نہیں ✤

موجودہ پیچیدگی جو معاملات مشرق میں حائل ہو رہی ہے اور آرمینیوں کے مفروضہ مظالم پر جو شورش برپا ہے۔ اُس نے عام طور پر اردو خوان دنیا میں ٹرکی اور اُس کے متعلق ہر ایک معاملہ پر واقفیت حاصل کرنے کا قدرتی طور پر جیسا کہ دستور ہوتا ہے بعض بعض طبیعتوں میں ایک شوق پیدا کر دیا ہے ✤

غرض یہی امور تھے جن کو مدنظر رکھ کر اس کتاب کی تالیف کا ارادہ کیا گیا

اور اُس کو جامع بنانے کے واسطے مختلف مضامین اس میں ایزاد کر دیئے گئے علاوہ ان مضامین کے مولنٰنا مولوی شبلی صاحب نعمانی کے سفرنامہ سے بہت کچھ مدد لی گئی ہے۔ کیونکہ مولوی صاحب موصوف نے جس بے لاگی اور تحقیق سے جو کچھ لکھا ہے وہ ہر طرح سند ہونے کے قابل ہے ۔

کتاب انقلابات روم سے اس میں کافی مدد لی ہے جس سے وہ تمام ترقیاں ظاہر ہوئی ہیں۔ جو

اعلیٰحضرت سلطان المعظم خلیفہ المسلمین

حضرت عبدالحمید خان

کے

عہد سعادت مہد میں بالخصوص قسطنطنیہ میں اور بالعموم تمام ٹرکش گورنمنٹ میں بایہ تکمیل کو پہنچی ہیں ۔

امید ہے کہ ازدیاد مضامین سے کتاب کے مطالعہ میں زیادہ دلچسپی پڑھنے والے کو حاصل ہوگی۔ اور اردو دنیا کو اس سے وہی فائدہ پہنچیگا۔ جس کی غرض سے یہ صفحے جمع کئے گئے ہیں ۔

موچی دروازہ
یکم فروری ۱۸۹۷ء

محمد اکمل



اَوَّلُ جَیْشٍ مِّنْ اُمَّتِیْ یَغْزُوْنَ مَدِیْنَةَ قَیْصَرَ مَغْفُوْرٌ لَّهُمْ[1]

قسطنطنیہ - استنبول یا اسلامبول کی ابتدائی تاریخ نہایت ہی قدیم ہے۔ ابتدا میں یہ بزنطائن کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ لیکن ۳۲۶ء میں سلطنت روما کے زبردست بادشاہ قسطنطین اعظم نے اس کی بنیاد ڈالی۔ اور اس وقت سے محمد فاتح کے زمانہ تک یہ شہر قیصران روم کا پایۂ تخت رہا۔ اور جس کے آگے تقریباً نصف دنیا کا سر جھکتا رہا۔ سب سے پہلے اس شہر کے چشم دید حالات جس سیاح نے لکھے وہ ابن بطوطہ ہے اس نے ۷۲۵ ہجری میں اس شہر کو دیکھا تھا اس زمانہ میں عیسائی حکومت کا دور دورہ تھا۔ اور صلیب کا پھریرا لہراتا تھا۔ چنانچہ ابن بطوطہ لکھتا ہے :-

یہ شہر نہایت عظیم الشان شہر ہے اور ایک نہر کے حائل ہونے کی وجہ سے دو حصوں میں تقسیم ہے اس کا ایک حصہ واقع لب شرقی استنبول کہلاتا ہے۔ اور قیصر روم ارکان دولت

---

[1] بخاری مسلم امام احمد بن حنبل نے۔ ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ "اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم"۔

واعیانِ مملکت اور دیگر امراء و اہل منزلت اسی حصہ میں رہتے ہیں۔ دوسرا حصہ غلطہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور اس میں یورپ کے بڑے بڑے مالدار اور متمول سوداگر رہتے ہیں۔ مگر جن کو قیصر بزورِ شمشیر اپنی اطاعت میں رکھتا ہے" ؏

ابن بطوطہ نے اس شہر کی تجارتی حالت کی بہت تعریف کی ہے۔ مگر ساتھ ہی اسکے باشندوں کی غلاظت اور ان کی کثیف مزاجی کی مذمت کی ہے چنانچہ لکھتا ہے کہ جب میں اس شہر میں داخل ہوا۔ تو چھوٹی چھوٹی کشتیوں کے علاوہ قریبًا ایک سو بڑے بڑے جہاز موجود تھے۔ مگر تمام بازار کثافت اور نجاست سے لبریز۔ حتےٰ کہ گرجا تک اس سے مستثنےٰ نہ تھے۔ جو انقلاب اس شہر کی قسمت میں کاتبِ قدرت نے لکھے تھے۔ وہ اس نے زمانۂ تعمیر سے اب تک دیکھے۔ اور تاریخ کو ایسے کارنامے نصیب ہوئے جو زمانہ کی یادگاروں میں خود اپنی ہی نظیر ہیں۔ آل عثمان کے ترکوں کی سلطنت کو قائم ہوئے آج ۶۳۶ سال گذرے ہیں اور اس خاندان کے مبارک بانی کی نسل سے آج تک ۳۵ فرمانروا سریر سلطنت عثمانی پر جلوہ افروز ہو چکے۔ اور فرمانروائی کرتے رہے۔ تاریخ اس کی گواہ ہے۔ کہ اس قدر طویل خاندانی سلطنت کی مثال یورپ کے کسی ملک کی تاریخ میں موجود نہیں۔ نیز جس قدر جلیل الشان۔ اولوالعزم عالی حوصلہ اور کامیاب۔ جری شجاع بادشاہ اس خاندان کو آج تک نصیب ہوئے کسی خاندان کے حصہ میں نہیں آئے۔ صرف تین صدیوں یعنی چودھویں[۱۴]۔ پندرھویں[۱۵]۔ سولھویں[۱۶] میں ہی جیسے بہادر اور نامور اور بلند حوصلہ حکمران اس نسل سے نکلے۔ کوئی فرمانرواؤں کی نسل اُن کا جواب نہیں۔ ینگ چریوں[۱] کے مہیب اور مشہور عالم فوج کا بانی۔ اورخان فاتح نکاٗیا۔ کسووا کے فاتح سلطان مراد اول۔ بایزید اول فاتح نکوپولس (ایلدرم برق۔ کا دنیا کا دیا ہوا خطاب جس کو زیب ہو سکتا تھا) محمد اول جسنے تیمور جیسے شخص کے برباد کن ہاتھ کی لرزاں سلطنت کو جو قریبًا تہ و بالا ہو چکی تھی سنبھالا۔ اور جس کا سنبھلنا واقعات تاریخی کے سامنے ایک تعجب انگیز قدرتی کرشمہ تھا۔ مرحوم۔

---

۱ ترکی اصطلاح۔ ایک فوج کا نام تھا جو معدوم۔ ینگ کے معنی نئے۔ اور چری سپاہی کو کہتے ہیں۔ معنی نئے سپاہی آگے چلکر ان کا مفصل ذکر آئے گا ؏

ایشیا کے بانکے مشہور جوان ہنیڈس[1] - اور سکندر بیگ کا مدمقابل محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ وارث سلطنت روم - سلیم اول کردستان اور سرویا کا زیر کرنے والا - اور سلیمان عالیشان ویانا کا محاصرہ کرنے والا - غرض ایسے فرمانروا دنیا کے کسی ملک یا کسی قوم کو یکے بعد دیگرے نصیب نہیں ہوئے - مگر اس تمام فہرست میں گو یہ مختصر ہے - سب سے زیادہ نام اور اس فخر کا مستحق ہے - کہ زمانہ اس کے کارناموں کو تا ابد یاد رکھیگا - اور جس کی عظمت و وقعت اب تک اسی طرح ہو رہی ہے - اور خود تاریخ کے واسطے باعث ناز ہے وہ محمد غازی سلطان محمد ثانی شہر قسطنطنیہ کو تسخیر کرنے والا - اور مورخوں کی طرف سے فاتح کا سچا خطاب پانے والا ہے ÷

محمد ثانی اپنے زمانہ میں بہت سی لڑائیاں لڑا - اس نے بہت سے شہر[2] فتح کئے - اور اکثر شہروں کے محاصرے کئے - مگر جس ایک فتح سے اس کے نام کے ساتھ لفظ فاتح لگایا جاتا ہے - وہ اسی شہر قسطنطنیہ کی فتح ہے - اور وہ مبارک فتح ہے جو ۱۴۵۳ء میں مسلمانوں کو عیسائی دنیا پر حاصل ہوئی تھی ÷

قسطنطنیہ کی فتح کا خیال اور اس کی آرزو ایک مدت مدید سے مسلمانوں کے دل میں تھی - ان کی فتوحات نے تمام دنیا کو آماجگاہ بنایا تھا - اکثر اوقات تسخیر قسطنطنیہ کی خواہش کا مسلمانوں کی طرف سے ظہور ہوتا رہا - مگر اکثر تاجداران اسلام نے اس خواہش کو دل و دماغ تک ہی محدود رکھا - کیونکہ کاتب تقدیر نے اس فتح کی نمایاں عزت اور شہرت کو سلطان محمد ثانی ہی کی ضرب شمشیر اور اٹل عزم کے واسطے قلمبند رکھا تھا ÷

سب سے پہلے ہجرت کے چھیالیسویں[3] سال یعنی خلیفہ معاویہ بن ابی سفیان کی خلافت کے

[1] جان ہنیڈس ہنگری کے فرمانروا کا حرامی بیٹا تھا - یہ نہایت عقلمند شجاع اور ہوشیار سپہ سالار تھا اور اپنے زمانہ کا بے عدیل سپاہی - اس سے بڑھ کر جنرل ترکوں کے مقابلہ میں عیسائیوں کو کبھی نصیب نہیں ہوا ان کی کئی لڑائیوں میں اس کو بہت ناموری حاصل ہوئی - یورپ میں اس کی تلوار کی دھاک [illegible] تھی اٹلی کی لڑائیوں کے بعد یہ اپنے ملک کو واپس آیا اور جب تک جیا یعنی بیس سال تک ترکوں کی مخالفت میں اپنی تمام کوشش صرف کرتا رہا - اور مرتے دم تک ان کا جانی دشمن اور خون کا پیاسا رہا

[2] لکھا گیا ہے کہ اس شجاع نے دو شہنشاہیاں - بارہ بادشاہیاں اور دو سو شہر فتح کئے ÷

[3] اس میں اختلاف ہے گبن نے چھیالیسواں سال لکھا ہے - مسلمان مورخ ۴۸ ہجری بتلاتے ہیں - اور مسٹر گلمین

زمانہ میں مسلمانوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا۔ سفیان ان جری مجاہدین کے علم بردار تھے۔ یہ محاصرہ ایک اور خصوصیت رکھتا تھا۔ وارثِ خلافتِ اسلام یزید بن معاویہ فوج کے ہمراہ تھے۔ اور خاندان نبوت کی یادگار اور پیغمبر کے جگر گوشہ حضرت الشہدا امام حسین علیہ السلام کی مشائعت کا فخر بھی ان مجاہدین کو حاصل تھا۔ حضرت رسول مقبول کے اکثر معاون۔ اصحاب اور یار بھی اس فوج کے ہمراہ تھے اور صرف بنظر ثواب۔ کیونکہ وہ حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے یہ مبارک الفاظ سُن چکے تھے۔ کہ میری امت کی سب سے پہلی فوج جو قیصر کے شہر پر چڑھائی کریگی اس کے لوگ مغفور رہیں[۵۱]۔ مگر شہر فتح نہ ہوا۔ اور آخر کار ۶۷۸ء میں خلیفہ معاویہ نے تنگ آکر صلح کر لی ✣

۷۱۶ء میں جب خلیفہ ولید کے بھائی سلیمان سریر آرائے خلافت ہوئے قسطنطنیہ کی تسخیر کے لئے انہوں نے ایک زبردست فوج روانہ کی۔ مگر چونکہ کامیابی میں عرصہ ہوا۔ خود خلیفہ بنفس نفیس محاصرہ میں شریک ہونے کو تیار ہوئے۔ مگر سفر کے آغاز سے پہلے ہی پیام اجل آگیا۔ اور یہ حوصلہ بھری آرزو دل میں لئے ہوئے۔ سوئے آخرت پر روانہ ہوئے ✣

سلیمان کے بعد ان کا بھائی عمر بن عبد العزیز ۷۱۷ء میں خلیفہ ہوئے۔ یہ اپنی نیکوکاری۔ دینداری۔ اور اتقا کے باعث بہت مشہور تھے۔ اور اس قدر بلند حوصلہ اور قوی دل تھے کہ آخر عمر میں عمر ثانی کے خطاب سے یاد کئے جاتے تھے۔ اسلامی فوج برابر قسطنطنیہ پر تلی ہوئی تھی۔ مگر موسم کی ناموافقت کی وجہ سے عبد العزیز فوراً کمک نہ بھیج سکے۔ موسم کے انقضا پر ایک جرار فوج روانہ کی گئی۔ مگر قسطنطنیہ فتح نہ ہوا۔ اور یہ فوج بھی بے نیل مرام واپس ہوئی ✣

---

۵۱ فوجکشی کا لفظ اس واسطے لکھا گیا ہے کہ انگریزی مورخوں نے صاف الفاظ میں لکھ دیا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "وہ مبارک ہو گا جو قسطنطنیہ فتح کریگا" (دیکھو کتاب قسطنطنیہ۔ رقیمہ میرین کرافورڈ) لیکن دراصل فوجکشی کا لفظ آنحضرت نے فرمایا تھا جیسا کہ سرخی میں لکھا گیا ہے۔ اصحاب یاران رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر ایمان تھا۔ حضرت کو معلوم تھا کہ پہلی فوج نہ کر سکیگی۔ کیونکہ اس کی فتح عزت کسی دوسرے ہی شخص کی قسمت میں ہی تھی ✣

۵۲ اس معرکہ میں پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں سے حضرت ابوب کام آئے تھے۔ اور اس سے مسلمان مجاہدین کی ہمتیں بہت کچھ پست ہو گئیں تھیں ✣

انگریزی مؤرخ مسلمانوں کی اس ناکامی پر بہت کچھ اظہار مسرت کرتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر فری مین اپنی تاریخ میں اس واقعہ پر لکھتے ہیں :-

"رومیوں کے ہاتھ سے مشرقین (مسلمان) کا شکست کھانا دنیا کی تاریخ میں ایک زبردست واقعہ ہے - اس لئے کہ اگر یورپ کی قوموں کی ترقی سے پہلے مسلمان قسطنطنیہ فتح کر لیتے تو کچھ شک نہیں کہ دین عیسوی اور یورپین تہذیب شائستگی دونوں دنیا سے اُٹھ جاتے"۔ ڈاکٹر فری مین یہ لکھتے ہیں۔ مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ جنوبی اقوام کی بدقسمتی کہ وہ اس نامبارک واقعہ کے باعث دین الٰہی کی برکتوں سے تھوڑے عرصہ کیلئے محروم رہ گئی۔ اور ان کی دوسری نسل کے حصہ میں یہ برکت آئی +

یزید ثانی کے جانشین ہشام نے بھی قسطنطنیہ پر فوج کشی کی۔ مگر مثل سابق ناکامی ہوئی خلفاء عباسیہ نے بھی قسطنطنیہ پر فوج کشی کی۔ مہدی نے ۱۸۲ھ میں ایک زبردست اور جرار فوج ہارون الرشید کے ماتحت قسطنطنیہ پر بھیجی۔ ابتداءً اس جنگ میں کامیابی ہوئی جو لڑائیاں شہر کے پہنچنے تک مسلمان فوج نے لڑیں اُن سب میں فتح نے ان کا ساتھ دیا۔ بلکہ خاص شہر قسطنطنیہ پر جو محاربہ ہوا۔ اس میں بھی میدان مسلمانوں کے ہاتھ تھا۔ لیکن ہارون الرشید کی رحمدلی نے خود بھی اس ناموری سے اس کو دست بردار ہونے پر آمادہ کر دیا۔ یعنی رتیوین لیو چہارم کی جورو نے خوشامد درآمد اور منت سماجت اور عاجزی کر کے باجگذاری کا وعدہ کیا۔ اور اس طرح مسلمانوں کے تصرف سے اپنے شہر کو بچا لیا خلیفہ کی مہربانی و شفقت اور حلیم المزاجی نے ابھی یہ مرحلہ اس طرح مسلمان مجاہدین کے واسطے باقی رہنے دیا +

۱۸۷ھ میں خود خلیفہ ہارون الرشید تخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ اور اس مرتبہ بھی قسطنطنیہ پر ہلال کا پھریرا نظر آتا۔ اگر شاہنشاہ حملہ سے پہلے ہی صلح کی درخواست کر کے اپنی سلطنت تہ و بالا ہوتے رہنے سے نہ بچا لیتا +

دراصل عثمان خاں بانئے سلطنت ترک کے عجیب غریب خواب نے فتح قسطنطنیہ کی آرزو ان فرمانرواؤں کے دلوں غیر معمولی طور پر بھڑکا دی تھی۔ اس خواب میں اس شہر کی فتح کی بشارت تھی۔ اور اس واسطے ہر ایک الوالعزم اور حوصلہ مند فرمانروا نے اپنی کوشش اس کی تسخیر میں صرف کی۔ اور باوجود اگلوں کی ناکامیوں کے پچھلوں

کی ہمتیں ویسی ہی تازہ اور اٹل رہیں +

بایزید ایلدرم جیسے پُرجوش اور قوی الارادہ اور حوصلہ مند شخص نے اس کا محاصرہ کیا تھا۔ موسیٰ نے اس پر نہایت سختی سے چڑھائی کی۔ مراد ثانی نے بھی نہایت جرأت اور شجاعت سے اُس پر حملہ کیا یہاں تک کہ کُل گرد نواح کے اضلاع تسخیر ہو گئے صرف شہر باقی رہگیا۔ سوائے شہر کے دیگر اضلاع گرد و نواح کی فتح کو ترک کچھ خیال میں نہ لاتے تھے۔ جس قدر یہ شہر دولتمند اور خوشنما اور خوبصورت تھا۔ اور جیسے عمدہ موقع پر اور عجیب منظر کے ساتھ واقع تھا۔ اور نیز جس قدر طاقتور تھا۔ ترک اس کی فتح کو اپنی ترقیوں کا معراج سمجھتے تھے +

فاتح قسطنطنیہ سلطان محمدؔ ثانی مراد دوم کا بیٹا اور بایزید اول ییلدرم کا پڑپوتا تھا۔ اور عثمان خاں بانئے سلطنت سے ساتویں پشت میں تھا۔ اس کی ولادت کا فخر شہر اَدرنہ یعنی اڈریانوپل کو حاصل ہے۔ جس کے سواد میں ۱۴۳۰ء میں یہ نامور جوانمرد اور جواں ہمت شاہزادہ تولد ہوا تھا +

سلطان اپنے حریف ہنیڈس کے مقابلہ پر اڑا ہوا تھا۔ اور اس کو نیچا دکھا رہا تھا مگر جوان بیٹے کی قبل از وقت وفات نے اس کو ایسا صدمہ دیا کہ ۱۴۴۴ء میں اس نے تخت سے کنارہ کشی کرنی چاہی۔ اس کی افسردہ دلی اور دنیا سے طبیعت کی بیزاری نے ایسا وفور کیا کہ اس نے اپنے حریف ہنیڈس سے دس سال کے واسطے صلح کر لی۔ اور اپنے دوسرے جوان بیٹے محمدؔ کے ہاتھ میں جس کا سن ہنوز چودہ ہی سال کا تھا زمام سلطنت سونپ کر خود گوشہ نشینی اور عزلت گزینی اختیار کر لی۔ محمدؔ ابھی بہت ہی کمسن تھا۔ عیسائیوں نے اس موقع کو اپنے واسطے غنیمت سمجھا۔ فوراً علم بغاوت بلند کیا۔ اور غدر برپا ہوا۔ کارڈینل جولین (ایک شریر پادری) کے بہکانے سے ایک مہینہ تک بھی صلحناموں اور دستاویزوں کی پابندی نہ برقرار رکھ سکے۔ تمام قسمیں توڑ کر جھگڑوں اور سرکشی پر آمادہ ہو گئے۔ جوش میں آ کر بہت سے مضبوط مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اور جس ظلم و تعدی سے جہاں کہیں ترکی فوج یا کسی مسلمان کو پایا تہ تیغ بے دریغ کیا وہ نہایت افسوسناک ہے۔ مگر ابھی عیسائی وارنا ہی تک بڑھنے پائے تھے کہ سلطان مراد آخر کار گویا نیند سے چونکا۔ شیر ببر کی طرح بھبکا۔ اور چالیس ہزار جری جوان لے کر

دشمنوں پر جا پڑا۔ دس نومبر ۱۴۴۴ء کو میدان کارزار گرم ہوا۔ مسلمانوں نے عیسائیوں کا عہدنامہ اس موقع پر ایک نیزہ کے ساتھ باندھ کر بلند کیا کہ اس کو دیکھ کر شرمائیں اور اگر کچھ انسانیت کی بو باقی رہ گئی اور شرافت کا مادہ بچا ہو تو خود ہی اپنے گریبان میں سر ڈالیں۔ مگر عیسائی جوانمرد کب یہ باتیں خاطر میں لانے والے تھے۔ سر ایڈورڈ کریسی (مصنف کتاب "تاریخ عثمانیہ") لکھتے ہیں کہ جس وقت دونو فوجیں میدان جنگ میں صف آرا تھیں اور لڑائی شروع ہونے والی تھی ایک ایسی بدشگونی نمایاں ہوئی کہ جس نے عیسائیوں کی ہمتیں پست کر دیں۔ اور پریشان خاطر ہو گئے یعنی باد تند کا ایک ایسا جھونکا اس زناٹے کا آیا کہ سوا بادشاہ ہنگری کے اور سب جھنڈے زمین پر آپڑے ہنیڈس نے خوب داد شجاعت دی۔ اور وہ وقت قریب آگیا تھا کہ ترکوں کے پاؤں میدان سے اکھڑ جائیں کہ یکایک ع

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

ایک ینگ چری سپاہی رن میں گھس گیا۔ اور درحقیقت جان پر کھیل کر شاہ ہنگری کا سر تن سے جدا کر لایا۔ مسلمانوں نے جس نیزہ پر عہدنامہ عیسایوں کا بلند کیا تھا۔ اب اسی پر بادشاہ کا سر چڑھایا۔ جس کو دیکھ کر فوج کے حواس باختہ ہو گئے۔ سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے اور ہنیڈس نے بھی گو لاکھ کوششیں اُن کی جمعیت کے واسطے کیں۔ مگر ایک کارگر نہ ہوئی۔ اور جب کچھ چارہ نہ دیکھا۔ خود بھی پیٹھ دکھلائی اور جان سلامت لے کر بھاگ نکلا ❊

مگر اس نمایاں فتح نے سلطان مراد کی طبیعت میں کچھ تغیر نہ پیدا کیا۔ اس کی وہ افسردہ دلی اب تک برقرار رہی۔ اور یہ فتح سرانجام کر کے پھر مگنیشیا کے گوشۂ عافیت میں آ بیٹھا ❊

جانشین بیٹا اب بھی کم عمر تھا۔ ینگ چری کی بغاوت نے پھر مراد کو چونکایا اور اپنی ضرورت دیکھ کر یہ نکلا۔ فارغ البالی کی نیند سے بیدار ہو کر اور اس قدر غضب میں آ کر گوشہ نشینی چھوڑی کہ بغاوت رفع کرنے کے بعد بھی عزلت نشینی کا لطف نہ اُٹھا سکا۔ جان ہنیڈس کو اُس نے اس اثنا میں ایک اور مُنہ توڑ شکست کسوا کی میدان میں دی اور پھر فرشتۂ اجل کے پیغام پر ۱۴۵۱ء میں سفر آخرت اختیار کیا۔ سلطان مراد کے

انتقال کے وقت محمد ثانی کو اکیسواں[1] سال تھا اور اس لحاظ سے ابھی اس کو پختگی عمر جو فرماں روائی اور سلطنت رانی کے واسطے ضروری ہے نصیب نہ ہوئی تھی۔ سفیران سلطنت ہائے خارجیہ مبارکباد دینے اور رعقد مودّت مضبوط کرنے کو حاضر ہوئے۔ سلطان سب سے بہ لطف و مدارات پیش آیا اور سب کو صلح و آشتی کے بارہ میں اطمینان دلایا +

اس وقت فرمانروائے یونان کے ہوش و حواس بجا ہوئے۔ کیونکہ اس کو سلطنت ترک کی طرف سے خوف تھا اور جانتا تھا کہ ایک دن یورش ہوگی۔ اور تباہی اور بربادی کا سامنا کرنا ہوگا۔ لیکن سلطان نے اس کے عہدنامہ کو بھی تسلیم کر لیا۔ لیکن باوجود ان سب باتوں اور عہدناموں اور نیز اظہار دوستی کے سلطان محمد ڈرنے کی چیز تھا۔ اور مسیحی فرمانرواؤں کے دل میں اس کی طرف سے بہت کھٹکا تھا۔ نوجوان سلطان تخت پر قدم رکھتے ہی گویا بالکل بدل گیا۔ جوانی کا آغاز اور اقتضائے جذبات ایک عام بات ہے۔ مگر اس دلاور نے خود تو درکنار باپ کے عہد کے تمام سامان عیش و عشرت کو بھی تخفیف میں ڈالدیا۔ اور اس طرح جو روپیہ بچا وہ تمام و کمال فوج کی آراستگی سپاہ کی فراہمی اور نیز سلطنت کی درستی میں صرف کیا۔ اور سامان جنگ مہیا ہونے شروع ہوئے۔ ابھی تخت پر جلوہ افروز ہوئے پہلا ہی سال تھا کہ سلطان فوج کو ہمراہ لے کر ایشیائی صوبجات عثمانیہ کے دورے کو روانہ ہوا۔ بظاہر تو سلطان دورہ پر تھا۔ مگر انجام یہ ہوا۔ کہ والئے قرمان پر یکایک چڑھائی کر دی۔ شاہ قرمان نے دفعتاً یورش سے گھبرا کر اور خوف زدہ ہو کر صلح کر لی۔ اس فتح سے سلطنت کی ہمت بہت کچھ بڑھ گئی اور شادماں اور کامراں دارالسلطنت کو واپس ہوا +

اس فتح کے بعد سلطان کے دل میں سوائے قسطنطنیہ کی تسخیر کے اور کوئی حوصلہ نہ تھا۔ چنانچہ اسی مہم کے لئے اُس نے اپنا سامان جنگ جمع کرنے شروع کئے۔ اڈریانوپل میں سلح سازی کا ایک کارخانہ قائم کیا۔ اور اُس میں توپیں اور دیگر آلات حرب ڈھلنے لگے۔ اس موقع پر یہ بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یونان کی شاہنشاہی جس کا مستقر قسطنطنیہ تھا خود اپنے ہاتھوں ہی اس روز بد کو پہنچی۔ جس پر تمام عیسائی دنیا متاسف ہے

[1] اس میں عیسائی اور مسلمان مورخوں کا اختلاف ہے۔ مسلمان انیسواں سال اور انگریز اکیسواں لکھتے ہیں +

اور خون کے آنسو بہا رہی ہے۔ یہ نتیجہ اس کے فرمانرواؤں کی اپنی بے عنوانی اور سرسر غفلت کا تھا۔

تیمور نے جس وقت سلطنت روم پر چڑھائی کی اور انگورہ میں قیامت خیز اور تباہی انگیز ہنگامہ دنیا کی دو مسلمان سلطنتوں یا دنیا کے دو حصہ داروں۔ تیمور اور بایزید میں برپا ہوا۔ جو تا قیامت تاریخ عالم کو یاد رہیگا۔ اس وقت عیسائیوں کو بایزید کی شکست کا ایسا عمدہ موقع ہاتھ آیا تھا کہ اگر یہ بنتے اور متفقہ کوشش کرتے تو مسلمانوں کو پھر کبھی سرزمین یورپ میں قدم جمانا نصیب نہ ہوتا۔ اس وقت عثمانی ترکوں کی سلطنت قریباً معدوم ہو گئی تھی۔ اور کوئی آثار اس کے آئندہ استحکام اور برقراری کے نظر نہ آتے تھے۔ مگر قدرت کا فیصلہ کچھ اور ہی صادر ہو چکا تھا۔ ویانا کا محاصرہ کون کرتا۔ اور آج قسطنطنیہ کا مالک کون کہلاتا؟

غرض یہ نازک وقت بخیر و خوبی گذر گیا۔ ترک گو گرے تھے مگر جھٹ سنبھلے اور ایسے سنبھلے کہ اگر پہلے سے زیادہ نہیں تو اس کے برابر کم از کم قوت اُن میں پیدا ہو گئی۔ اب ایک طرف تو مسیحی سلطنتوں کی یہ غفلتیں اور دوسری طرف اُن کی حماقت ملاحظہ ہو کہ مراد دوم جس وقت تخت نشین ہوا۔ شہنشاہ مینوئل نے کیا حماقت کی۔ کہ بایزید کے بیٹے مصطفےٰ کو تخت عثمانی کا امیدوار بنا کر پیش کر دیا۔ اس وقت سے جو جوش اسلامی بھڑکا تھا وہ قسطنطنیہ کی فتح کا رنگ لاتا۔ مگر ایشیائی صوبجات میں عام بدنظمی پھیلی ہوئی تھی۔ ورنہ مراد اسی زمانہ میں قسطنطنیہ کا فیصلہ کر دیتا۔ تاہم ایسا نہ ہوا۔ کیونکہ ابھی عیسائیوں کی اس سسکتی سلطنت کی زیست میں جو جان توڑ رہی تھی۔ تیس سال اور باقی تھے۔

ان تیس برس میں ترکوں کی روزافزوں ترقی کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ اِن کی فوجی قوت دونی بڑھتی رہی۔ اُدھر ترکوں میں یہ ترقی برابر جاری تھی۔ اور اِدھر قسطنطین پیلولوگس جو عیسائی فرمانروا خاندان کا آخری بادشاہ تھا۔ یہ خبر ہی نہ تھی کہ اُس کی تباہی اور بربادی کا کیا سامان جمع ہو رہا ہے شہنشاہ مینوئل کو جو سبق اس سے پہلے اپنی حماقت کا مل چکا تھا۔ اُس کو اس سے عبرت اور سبق حاصل کرنا چاہیے تھا۔ مگر شامت اعمال وہ اِس کو فراموش ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس نے بھی اسی حماقت میں

سلطنت کو پھر پلیٹ دیا ✢

اصل یہ ہے کہ قسطنطین اپنے زعم میں سلطان محمد کو وہی لڑکا سمجھتا تھا۔ سلطان مراد کی گوشہ نشینی کے زمانہ میں سلطنت ترک کو سنبھال نہ سکا تھا۔ اور اس وسیع سلطنت کا انتظام جس کے حسبطہ اختیار اور قابلیت سے باہر معلوم ہوا تھا۔ اس کو کیا خبر تھی کہ ان چھ سات برسوں نے اس میں کیا کیا عجیب انقلاب پیدا کر دئیے ہیں۔ محمد کا بھائی اور خان عثمان شہزادہ سلطان محمد کی تخت نشینی کے زمانہ میں قسطنطنیہ میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔ اور جس کی پنشن کے واسطے شاہ یونان کی تحریک پر بموجب عہدنامہ کے سلطان نے تین لاکھ لیرا عثمانی مقرر کر دئیے تھے۔ قسطنطین کی جو شامت آئی۔ اس نے اپنی بربادی اور تباہی کی تحریک کی کہ سلطان کو اس عثمانی شاہزادہ کی پنشن بڑھانے پر اب مجبور کرنا شروع کیا یہ مجنونانہ حرکت اور ایک ایسے زبردست شاہنشاہ کے سامنے اور اس پر طرہ یہ کہ اس طرح زور دیا گیا۔ کہ اپنا کوئی یقینی حق طلب کیا جا رہا ہے۔ یا امانت واپس مانگی جا رہی ہے۔ جب اس حماقت نے سختی اختیار کی۔ تو سلطان محمد کو تاب نہ رہی۔ اُس نے جھنجلا کر جو پنشن مقرر تھی وہ بھی موقوف کر دی ✢

سلطان محمد کی اس کارروائی پر قسطنطین کا جنون اور بھی بڑھ گیا۔ آپ نے دھمکی دی کہ "میں آخرکار مجبور ہو کر شاہزادہ سلیمان کو ایڈریانوپل میں تخت نشین کر دونگا" اس حماقت سے صاف ظاہر ہے کہ قسطنطین نے خود ہی سوتے ہوئے فتنہ کو جگایا۔ اور خود اپنی تباہی اور بربادی کا سامان اپنے ہاتھوں جمع کیا ✢

محمد ثانی کو یہ موقع خدا نے دیا۔ آتش غضب بھڑکی۔ آگ ہو گیا۔ اور فی الفور فوج لے کر شامت زدہ اور بیوقوف شاہنشاہ کے سر پر قضا کی طرح جا موجود ہوا۔ عثمانی اصول جنگ کے مطابق قسطنطنیہ کے باہر سلطان نے ایک قلعہ تعمیر کرانا شروع کر دیا۔ اور گویا یہی از فتح کا مقدمہ[1] تھا

[1] اس کے علاوہ مشہور ہے کہ چیناق قلعہ بھی اسی غرض سے تعمیر کرایا گیا تھا۔ یہ نہایت مضبوط ہے۔ کہتے ہیں کہ چونکہ محمد ثانی کے وقت میں توپ اور گولہ کا عام رواج نہ تھا۔ اس نے خود اپنی توپیں ڈھالیں اور مٹی کا گولہ بنوایا جن میں سے چند گولے یادگار کے طور پر اب بھی محفوظ ہیں۔ یہ گولے پختہ اور نہایت مضبوط ہیں اور بیان کیا جاتا ہے کہ لوہے کے گولوں سے کم نہیں۔ اس کے علاوہ قسطنطنیہ کے راستہ میں جا بجا دمدمے اور محفوظ قلعے تیار کئے گئے تھے اور جا بجا چھاؤنیاں بنائی گئی تھیں ✢

ایک ہزار مزدور اور دو ہزار سے زائد معمار اس کام پر مقرر ہوئے عیسائی کنیسوں کے ستون اور پتھر اس قلعہ کی فصیل کے کام میں لائے گئے۔ اور یہ آثار چاروں طرف دس دس گز رکھا گیا۔

یہ قلعہ نہایت پھرتی کے ساتھ صرف تین مہینے میں بنکر طیار ہو گیا۔ توپیں چڑھا دی گئیں۔ اور آتش فشانی کے آلات کافی طور پر مہیا کئے گئے۔ بڑے برج پر ایک ایسی زبردست اور بزرگ توپ لگائی گئی جس کے ذریعے سے آٹھ نو من وزن کے گولے (پتھر کے) بسہولت پھینکے جا سکتے تھے۔ علاوہ ازیں سلطان نے ۴ سو سپاہی خاص اس غرض سے قلعہ میں تعینات کئے کہ جو جہاز ادھر سے گذرے۔ اُس سے راہداری محصول کریں یہ قلعہ آج بھی اسی شان و شوکت سے باسفورس کے پُر شوکت کنارہ پر کھڑا ہے۔ اور پہرہ دے رہا ہے۔ اور **رومیلی حصار** کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے مقابل ایشیائی ساحل پر جو قلعہ ہے **اناطولیا حصار** کے نام سے مشہور ہے۔ اور وہ محمد ثانی کے دادا محمد اول کا تعمیر کرایا ہوا ہے۔

"الغرض اس تدبیر اور جنگی فراست سے سلطان نے سمندر کو ایسا گھیر لیا۔ کہ اس کے اختیار میں تھا کہ جب چاہتا فوراً راستہ روک دیتا۔ اور پھر کسی کی مجال نہ تھی کہ ایک قدم اس راستے سے گذر سکتا چنانچہ بحر اسود سے گذر کر قسطنطنیہ اور بحر روم میں جانے کی کوئی طاقت نہ رکھ سکتا تھا"۔

تمام یورپ میں قسطنطنیہ نہایت ہی عجیب شہر ہے۔ اس کی دلچسپی بے نظیر ہے۔ علاوہ اور باتوں کے صرف تاریخی لحاظ سے ایسے واقعات کا معرکہ گاہ اور دنگل رہا ہے جو انسانی قسمتوں کو پلٹ دینے والے تھے۔ بائزنٹیم کا زیادہ حصہ جس کو میگارا کے ایک ڈیوک کالونی نے قبل از مسیح ۶۶۷ء میں قائم کیا تھا۔ موجودہ آبادی شہر میں داخل ہے دارا (۱۰۰) ہسٹیپس کے زمانہ میں ایرانیوں نے اس کو فتح کر لیا تھا لیکن پلاٹیا کی لڑائی کے بعد وہ پھر یونانیوں کے قبضہ میں آ گیا۔ جنہوں نے اس کو ایتھنین لیسیڈیمونین کی ملی جلی آبادی سے بسایا۔ تغیرات زمانہ کے بہت کچھ تھپیڑ کھا کر یہ شہر مقدونیہ کے فیلقوس (سکندر اعظم کے باپ) کا مرجع ہوا۔ جس نے اس پر فوج لے کر حملہ کیا فیلقوس کے مقدونیہ والے سپاہی ایک مرتبہ اندھیری رات میں اسی شہر کے قریب آ رہے تھے

کہ دفعتاً شمال کی جانب ایک روشنی نمودار ہوئی۔ (اور جس کی نسبت کہا گیا ہے کہ ہلال کی صورت میں تھی) اور باشندگان شہر اس طرح اس خطرہ سے مطلع ہو گئے +

اہل شہر کے اعتقاد کے بموجب یہ روشنی باعث سرغ رسی ڈایانا دیوی کا ایک معجزہ سمجھی گئی۔ اور اہل شہر نے نہایت اظہار مسرت و عقیدتمندی کے ساتھ شکریہ کے طور پر اس دیوی کے نام کا ایک مندر اس میں تعمیر کیا۔ اور اس وقت سے ہلال کو اپنے شہر کا معرکہ قرار دیا جس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ ہلال اسلام سے پہلے بھی اور نیز بعد غلبہ اسلام قسطنطنیہ کا معرکہ حکمرانی تھا۔ بائزنیشیم کو سکندر اعظم نے فتح کیا تھا۔ پھر اس کے بعد کے زمانہ میں تعرشین سیتھن اور دوسری وحشی قوموں نے تاخت و تاراج اور تباہ و برباد کیا تھا +

بائزنطائن دراصل تاجر لوگ تھے۔ اور ایک زمانہ میں بڑے متمول اور صاحب ثروت تھے۔ یہ لوگ دوسری صدی عیسوی میں تین برس تک شاہنشاہ سرویس سے لڑتے بھڑتے رہے تھے۔ مگر آخر کار تنگ آ کر اور قحط سے زیادہ تر مجبور ہو کر انہوں نے اطاعت قبول کر لی۔ بائزنیشیم کا قلعہ عین اسی مقام پر تھا۔ جہاں اب آج کل قصر سلطانی واقع ہے۔ اور ہپانی اس زمانہ میں اس جگہ تھا جہاں اب سلطانی باغات کی پشت ہے +

قسطنطین اول نے جب اپنے حریف سینیس پر فتح پائی۔ تو اس کو یہ شہر اس قدر بھایا کہ اس نے اس کے قریب ایک نیا شہر بنانے کا قصد کیا۔ اور اس جدید شہر کو اپنا دار السلطنت قرار دیا۔ قسطنطین اول نے اس شہر کا نام پہلے تو **نیا روما** رکھا تھا مگر تھوڑا ہی زمانہ گذرنے پر وہ اس کے نام قسطنطنیہ مشہور ہو گیا۔ قسطنطین نیا نیا عیسائی ہوا تھا۔ اور پہلے پہل دین مسیحی اختیار کرنے کی وجہ سے جیسا کہ قدرتی قاعدہ ہے۔ اس کے دل میں جوشش مذہبی بہت کچھ بھرا ہوا تھا۔ یہ شہر تین سال سے تعمیر ہو رہا تھا چنانچہ اس نے مئی ۳۳۰ء میں چالیس دن کے جشن کے بعد اس شہر کو **"ورجن میری** (کنواری مریم) کے مقدس نام کے ساتھ مخصوص کر دیا" +

اس کے بعد اس زمانہ میں جب سلطنت روم شرقی اور مغربی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی

بعض مشاہیر تاریخ میں لکھتے ہیں کہ ہلال اب ترکوں کا معرکہ ہے اور ایسا خیال کیا گیا ہے کہ انہوں نے بعد فتح قسطنطنیہ یہ معرکہ اختیار کیا مگر یقین کرنے کی وجہ موجود ہے کہ ہلال مدت سے بیشتر دین اسلام کا نشان تھا۔

تو قسطنطنیہ مشرقی حصہ سلطنت کا پایۂ تخت قرار پایا۔ مشرقی سلطنت آرکیڈیس کے عہد یعنی ۳۹۵ء سے شروع ہوئی اور اس زمانہ تک قائم رہی جس وقت سلطان محمد ثانی نے قسطنطنیہ پر چڑھائی کی۔ اِس سلطنت کا سب سے بڑھ کر سرسبزی اور شان و شوکت کا وہ زمانہ تھا۔ جب جسٹینین اعظم تخت نشین تھا۔ اس نے ۵۲۷ء سے ۵۶۵ء تک فرمانروائی کی۔ اِس شاہنشاہ نے خود شہر کا زیادہ تر حصہ از سر نو تعمیر کرایا۔ شہر قسطنطنیہ کو درحقیقت بیشمار مصائب جھیلنے پڑے۔ سب سے بڑھ کر تو اندرونی فساد اور بغاوتیں۔ پھر عربوں۔ ایرانیوں۔ روسیوں اور وینشین وغیرہ کے بیرونی حملے متواتر برداشت کرنے پڑے ان سے شہر کو سخت نقصان پہنچا۔ اور متواتر صدمے اُٹھانے پڑے۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ساتویں اور آٹھویں صدی کے حملوں میں اہل عرب اس شہر کو فتح کر لیتے اور اس میں کچھ کسر نہ باقی رہی تھی۔ مگر اتفاق کہ شہر بچ گیا۔ اور یہی اتفاق اس کے بعد اکثر یورشوں کے ساتھ ہوتا رہا۔ البتہ ۱۲۰۳ء اور ۱۲۰۴ء میں وینشین شجاع ہیرو ڈانڈالو اور بالڈون کونٹ آف فلینڈرس نے اس شہر کا سخت محاصرہ کیا۔ اور ان کے طول طویل محاصروں اور سخت جانکاہیوں اور خونریزیوں کے بعد آخرکار یہ فتح بھی ہوگیا۔ فتح کے ساتھ ہی شہر نہایت بُری طرح تاخت و تاراج ہوا۔ اور اس کے بعد لاطینی سلطنت کا پایۂ تخت بنگیا۔ جو بالڈون اس شہر کے فاتح کے زمانہ سے شروع ہوکر ۱۲۶۱ء تک قائم اور سرسبز رہی۔ یہاں تک کہ اس کے زوال پر یونانیوں نے اس کو فتح کر لیا۔ اور اپنی قدیم مشرقی شاہنشاہی کا مرکز پھر اُس قدیم مقام پر ایک دفعہ لے آئے۔ لیکن باوجود اس کوشش اور اس کی کامیابی کے اس قدیم سلطنت کی وہ عظمت اور ہیبت اور وہ شان و شوکت سب رخصت ہو چکی تھی۔ اور اسی کا نتیجہ ہوا کہ دو صدیوں سے کم ہی زمانہ گذرا تھا۔ کہ مسلمان فاتحوں کے واسطے نصرت نے اس کے پھاٹک کھول دئیے۔

شہر قسطنطنیہ ایک مثلث قطع کی پہاڑی پر واقع ہے۔ جو خلیج مارمورا کی جانب نکلی ہوئی ہے۔ اس پہاڑی کے ہر دو پہلو پر سمندر ٹکریں مارتا ہے۔ اور اس طرح وہ متواتر دھلتے رہتے ہیں۔ تیسرا پہلو اس مثلث کا تھریس سے ملا ہوا ہے۔ اور اس پہلو کے مشرقی کونہ پر شہر آباد ہے۔ موجودہ صورت شہر کی بہت ہی بدلی ہوئی ہے۔ پندرھویں صدی کے وسط میں اس شہر کے چاروں طرف فصیل تھی۔ اور نہایت مضبوط

اور مستحکم تھی۔ البتہ صرف گولڈن ہارن (طلائی سینگ) کی طرف کسی قدر کمزور تھی اور وہ بھی مقابلتاً +

اس فصیل کی تعمیر اس قدر احتیاط اور محنت سے کی گئی تھی کہ اس کے زیریں حصے پر یقین ہوتا تھا کہ بڑی بڑی تراشی ہوئی چٹانیں باہم جوڑ دی گئی ہیں۔ اور اس وجہ سے جو لوگ باہر سے دیکھتے تھے۔ اُن کو عمودی قطع کی پہاڑیوں کا دھوکا اُن پر ہوتا تھا۔ یعنی ایسی متواتر پہاڑیاں معلوم ہوتی تھیں۔ جو بخط مستقیم بلند ہوتی چلی گئی ہیں۔ اور جس طرح عموماً پہاڑوں کی سطح ڈھلوان ہوتی ہے وہ بالکل مفقود ہے +

ابن بطوطہ نے سب سے پہلے (جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں) سلطان محمد سے قریباً سوا سو برس پہلے اس عالیشان شہر کو دیکھا تھا۔ وہ بھی اس کی مضبوطی کی تعریف کرتے ہے اور لکھتا ہے:۔

"ہر بازار کے پھاٹک الگ الگ ہیں۔ جو رات کو بند کر دئیے جاتے ہیں۔ شہر ایک پہاڑ پر واقع ہے جو ۹ میل تک سمندر کے اندر سیدھا چلا گیا ہے۔ اور عرض بھی جس پہاڑ کا قریباً اتنا ہی یا اس سے کسی قدر زیادہ ہے۔ اس پہاڑ کی بلندی پر قلعہ اور شاہی محل ہے فصیل تمام پہاڑ کو گھیرے ہوئے ہے۔ حفاظت اس شہر کی غضب کی ہے خصوصاً سمندر کی طرف سے جدھر سے کوئی شخص ممکن نہیں کہ گذر سکے" +

جن دنوں کا یہ ذکر ہے۔ ان دنوں میں گولڈن ہارن کا راستہ دو لوہے کی زنجیروں اور کشتیوں سے بالکل بند کر دیا گیا تھا۔ اور غلطہ جو گولڈن ہارن کی دوسری جانب واقع ہے۔ اس کی قلعہ بندی بھی نہایت ہی احتیاط اور مضبوطی سے کی گئی تھی۔ چنانچہ یہ وہ مستحکم اور قریباً ناقابل تسخیر شہر تھا۔ جس کی فتح کی سلطان محمد ثانی تیاریاں کر رہا تھا +

غرض ان تیاریوں میں ۱۴۵۳ء کا موسم سرما آگیا۔ یونانی اور ترک دونوں اپنی اپنی جگہ نہایت بےچین اور مضطرب تھے۔ اور جنگ کی تیاریاں اور فتح و شکست کی امید و بیم تھی۔ یونانیوں کو اپنی جگہ مارے تشویش اور بےچینی کے نیند نہ آتی تھی۔ اور ڈر ڈر کر چونک پڑتے تھے۔ ترکوں کی یورش کا خطرہ دلوں کو سہما رہا تھا۔ اور اس کا خوف دامنگیر تھا۔ سوتے میں بھی اس کی تصویر اور خواب میں بھی یہی خیالات

چھایا ہوا۔ اور سب سے بڑھ کر دوسری طرف جو قومی جوش و اضطراب موجزن تھا۔ اس کا اثر دونوں جانب کی حرکات و سکنات سے بخوبی نمایاں تھا ✣

ادھر سلطان محمد کے دل میں اس کی شعلہ مزاجی۔ جوانی کے ولولوں۔ اور امنگوں نے شوق و تمنا کی ایک آگ لگا رکھی تھی۔ اپنی بیکاری سے اباء بر ابد مر بالفوں ب ایک محل کی تعمیر پر صرف کرتا تھا جس کا نام اس نے جہاں نما رکھا تھا۔ لیکن وہ اس بے وقت وقع الوقتی ورطہ جولانی کا شغل تھا۔ اس کے اندرونی خیالات کا مرکز تو قسطنطنیہ اور صرف قسطنطنیہ ہی تھا۔ جس کی فتح کی شوق کی بیتابی اس کو کسی پہلو پر آرام نہیں لینے دیتی تھی ✣

ایڈورڈ گبن نے ایک مرتبہ کا واقعہ لکھا ہے جس سے سلطان کی بیقراری و اس بات کا کافی ثبوت ملتا ہے کہ اس کو اس کی فتح کی کس قدر دھن تھی اور اس کے خیال میں کس قدر محو اور بے چین تھا۔ چنانچہ یہ لکھتا ہے:-

"ایک بار آدھی رات کے وقت سلطان نے اپنے وزیر خلیل کو طلب کیا۔ خلاف وقت حاضری کی طلبی سنکر وزیر کے دل میں طرح طرح کے خیالات اور اندیشے موجزن ہونے لگے۔ مگر بمصداق حکم حاکم مرگ مفاجات چار و ناچار خوف کھاتا اور سہمتا کی بارگاہ سلطانی میں حاضر ہوا۔ جیسے ہی آداب شاہی بجا لایا۔ سلطان نے فرمایا" ✣

"خلیل میں تجھ سے ایک بہت ہی قیمتی اور ضروری شے بطور نذر مانگتا ہوں تو جانتا ہے کہ وہ کیا چیز ہے؟ وہ شہر قسطنطنیہ ہے"! اتنا سن کر وزیر کی جان میں جان آئی۔ اور دست بستہ بمنت عرض کیا:-

"جس خدائے لایزال نے حضور کو سلطنت روم کا اتنا بڑا حصہ دیدیا ہے۔ باقی حصۂ روم اور اس کے دار السلطنت دینے میں بھی دریغ نہ فرمائیگا۔ اس کی قدرت کاملہ مہربانی۔ اور حضور کی ہیبت و قوت سے یقین ہے کہ انشاء اللہ تعالے ضرور فتح حاصل ہوگی۔ اور میں وعدہ کرتا ہوں۔ کہ خود مع تمام وفادار غلاموں کے اپنا جان و مال تصدق کر دینے میں کوتاہی نہ کرونگا" ✣

سلطان نے فرمایا:-

لامحالہ تو اس تکیہ کو دیکھتا ہے۔ ساری رات عالم انتظار میں اسے اس پہلو سے اس

پہلو پر اور اُس پہلو سے اِس پہلو پر بار بار بدلتا رہا ہوں۔ منو اتر میرا یہ عالم رہا ہے۔ کہ بچھونے سے اُٹھا ہوں اور پھر لیٹ رہا ہوں۔ اور اس پر اس بیداری سے تھکی ہوئی آنکھوں میں نیند نہیں آئی ہے۔ رومیوں کے سونے و چاندی اور مال و دولت کا خیال کرو۔ اسلحہ میں ہم البتہ اُن سے بڑھے ہوئے ہیں۔ انشاء اللہ خدا کی مدد اور پیغمبر کی دعا سے ہم بہت جلد قسطنطنیہ کے مالک ہو نگے" ✤

غرض سلطان کے یہی مشاغل تھے۔ کہ یا تو اپنے سپاہیوں کے خیالات دریافت کرنے کی غرض سے بھیس بدل کر تن تنہا نکل کھڑا ہوتا۔ اور گلی کوچوں میں رات کا خواہ کوئی وقت ہوا اور کیسا ہی ہو۔ مارا مارا پھرتا۔ یہ نہیں تو اپنے خاص محل میں بیٹھ کر حریف کے شہر کا نقشہ کھینچتا۔ اور اپنے جنرلوں اور انجنیروں کو کسی وقت اور کسی گھڑی۔ شام یا صبح۔ رات یا دن بلاتا اور اُن سے مشورہ کرتا۔ کہ کس مقام پر توپخانہ لگانا چاہیئے۔ کدھر سے دیواروں پر حملہ ہو۔ کہاں پر سرنگ لگائی جائے۔ کس جگہ سیڑھیاں کام آسکتی ہیں۔ وغیرہ وغیرہ ✤

غرض یہی دھن تھی۔ رات کو مشورے ہوتے۔ اور دن کو جن معاملات پر رات کو بحث ہوتی اُن کی مشق ہوا کرتی۔ چنانچہ ان طریقوں سے سلطان محمد اپنی شب و روز کی بیتابی اور بے چینی کا علاج کرتا ✤

ادھر دوسری طرف حریف بھی خالی نہ تھا۔ اس پر ایک قسم کی بیتابی اور بیقراری سوار تھی۔ اس کا اضطراب سلطان کے اضطراب سے بالکل جدا تھا۔ کبھی یہ رو کر خدا سے اور نادیدہ فرشتوں سے اپنے تصور میں اُن کی منت کرکے دعائیں مانگتا۔ اور امداد کا طالب ہوتا۔ کبھی عالم ارض کے رہنے والوں کی طرف رجوع کرتا۔ اس نے تمام عیسائی دنیا سے اپیل کی۔ مگر عالم سماوی اور ارضی دونو جگہ اس کی دعا نے کچھ اثر نہ کیا۔ آسمان والوں نے تو بالکل کان ہی بند کر لئے۔ اور زمین والوں نے صاف ٹال دیا اور سچ بھی یہ ہے۔ کہ کس کی شامت آئی تھی۔ اور کس کے سر پر قضا کھیل رہی تھی جو اپنے سر پر آفت لاتا۔ اور کس کو غرض پڑی تھی کہ تباہ ہونے والے شہر کی حمایت میں اپنی فوجیں کٹواتا ✤

الغرض قسطنطنیہ کی تباہی کا تماشا تمام عیسائی دنیا نے مزے سے دیکھا اور دم نہ مارا۔

ورنہ کسی کو اتنی جرأت ہی تھی۔ خود شاہنشاہ کی عیسائی رعایا اس سے ناراض تھی۔ بعض نے اس سے خفیہ عہد و پیمان کر لئے قسطنطین پر اس بلا کی گھبراہٹ اور سہم چھایا ہوا تھا۔ کہ اس نے بے ہواس ہو کر اپنے مذہبی حریف پوپ۔ روم تک سے امداد کی درخواست کی اور یہاں تک اس سے وعدہ کیا کہ اس کمک کے معاوضہ میں کنیسہ رومیہ شرقیہ کو کنیسہ رومیہ غربی میں شامل کر دونگا"

پوپ کو تو اس کی مدتوں سے آرزو اور خواہش تھی۔ اس اقرار پر وہ بہت ہی خوش ہوا۔ مدد کے لئے فوج روانہ کی۔ مگر اس سے بھی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اس وجہ سے کہ رومی دونو کنیسوں کے مل جانے کو بالکل وہ مکروہ سمجھتے تھے۔ اور اسی خیال نے ان کے دل میں شہنشاہ کی طرف سے بغض پیدا کر دیا۔ اور آخر کار انہوں نے حفاظت شہر میں بالکل اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر یعنی بعض امرا اور صاحب ثروت لوگوں نے صاف صاف کہدیا۔ کہ پوپ کے تاج سے تو بڑھ کر ہم کو یہ پسند ہے کہ قسطنطنیہ میں سلطان کا تاج ہو۔

ایڈورڈ گبن کہتا ہے کہ قسطنطنیہ اس گئی گذری حالت میں بھی ایک لاکھ سے زیادہ ابنائے روزگار اپنی گود میں لئے تھا۔ لیکن ان میں سے صرف ۴ ہزار ۹ سو ستر رومیوں ہی نے حفاظت شہر کا وعدہ کیا تھا۔ اور قول دیا تھا۔ **جان جسٹینین** نے جو جنوا کا ایک مشہور اور بڑا زبردست امیر تھا۔ دو ہزار آدمیوں سے مدد کی۔ شاہنشاہ فقط سات آٹھ ہزار آدمیوں سے محمد ثانی کی قوت کا مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہوا تھا۔ مگر انگریزی مورخوں کا یہ بیان مبالغہ سے خالی نہیں۔ اس کے علاوہ شاہنشاہ کے پاس اور بھی بہت سی قوت تھی۔ یہ بالکل غلط ہے کہ قسطنطنیہ کی حفاظت کرنے والی صرف اتنی ہی فوج تھی۔ یونان اور ٹرکی کی جنگی اور نیز تجارتی کشتیاں سمندر میں موجود تھیں۔ اور اس سے بھی قطع نظر کیجائے تو صرف اسی طریق سے قسطنطنیہ میں بہت قوت فراہم کر لی گئی تھی کہ جس عیسائی مملکت اور قوم کے جہاز ادھر سے گذرتے اور کریٹ اور بحر اسود سے آجاتے وہ سب لڑائی کے واسطے روک لئے جاتے۔ دینی جوش کی بدولت شاہنشاہ نے اس طریق سے اپنا پایۂ تخت بہت مضبوط اور قوی کر لیا تھا۔

لیکن اگر اس سے بھی قطع نظر کیا جائے۔ تو یہ تھوڑی فوج بھی وہاں کم نہ تھی قسطنطنیہ

کا موقع اور اس کی حالت ہم واضح کر چکے ہیں - اِس شہر کے استحکام اور مضبوطی میں کچھ شک نہ تھا - سمندر اس کی چاروں طرف لہریں مارتا ہے - سوائے مغربی جانب کے جدھر بھی بہت ہی تھوڑی زمین کھلی ہوئی ہے - جو یکے بعد دیگرے تین فصیلوں اور شہر پناہوں اور گہری خندقوں سے جن میں سمندر کا پانی ہر وقت جاری رہتا ہے - مضبوط کی گئی ہے اس کے استحکام میں صرف اسی پر کفایت نہیں کی گئی ہے - بلکہ حریف کے روکنے - اور اُس کے پسپا کرنے کے لئے اور بھی مختلف سامان مہیا کئے گئے ہیں - ایسے مقام پر بیس حملہ آوروں پر ایک آدمی بھی بھاری ہے - البتہ اگر کمی تھی تو صرف اتنی کہ حفاظت کرنے کے واسطے دل بھی چاہئے - اور قابلیت بھی درکار ہے - اور یہی قیصر میں موجود نہ تھی - اور اسی کا یہ محتاج تھا - گو اس کی ہمت اس وقت ویسی ہی کیوں نہ ہو جیسی ہمت ڈوبنے والے شخص کو ہاتھ پاؤں مارنے پر مجبور کرتی ہے - لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا - کہ اس نے اپنے امکان بھر تمام قوت صرف کر دی تھی - اور شہر کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا تھا - غرض اسی طرح جاڑوں کا موسم گذر گیا جو اب تک سلطان محمد کو برسی زبردستیوں سے ایڈریانوپل میں روکے ہوئے تھا - موسم بہار کا ابتدائی زمانہ تھا - کہ بہادری کے ولولے ترکوں کے دل میں جوش مارنے لگے - فوراً ترکی سردار اپنی فوجیں لے کر بڑی بڑی حوصلہ مندیوں کے ساتھ چل کھڑے ہوئے +

بہار کی نازک کلیاں ابھی اچھی طرح مسکرانے بھی نہ پائی تھیں - کہ ترکی فوج کے طلیعہ نے خاص قسطنطنیہ کے پھاٹک تک تمام شہروں اور گاؤں کو صاف کر دیا - جن شہروں نے اطاعت قبول کر لی وہ بچ گئے - اور اُن کی حفاظت بھی کی گئی - باقی جس نے ذرا مخالفت کی اُس نے سزا بی کا مزہ چکھا - سواحل بحر اسود پر جو یونانی شہر مسمبریا - اکوکیم اور بیزن کے نام سے مشہور تھے - سب نے بلا عذر فتحمند تاجدار کے آگے سر اطاعت جھکا دیا - صرف بلربا محاصرہ کا منتظر رہا - اور اس کے باشندوں نے کسی قدر جرأت بھی دکھلائی تھی لیکن جس وقت خود سلطان محمد پہنچا - یہاں کے لوگ بھی سر بزمین تھے +

سلطان محمد سنہ ۱۴۵۳ء کے موسم بہار میں اپنی فوجیں لے کر ایڈریانوپل سے روانہ ہوا - اس کی فوجوں کی تعداد میں اختلاف ہے - کوئی تین لاکھ بتاتا ہے - کوئی ۴ لاکھ

مگر گبن اور سید احمد دحلان کے بیان میں تھوڑی ہی کمی بیشی ہے۔ اور قرین قیاس بھی ۲ لاکھ ۸۰ ۵ ہزار ہے +

گر اس تعداد میں یہ خیال رہے کہ زیادہ تر خدمتی اور جلوسی لوگ تھے۔ بھیڑ و بنگاہ بہت تھا۔ کام کی فوج جو قسطنطنیہ کی دھن میں آئی تھی۔ اس میں ساٹھ ہزار سوار اور بیس ہزار پیادے تھے۔ سلطان کی بحری فوج چنداں قوی نہ تھی۔ اگرچہ تین سو سے زائد کشتیاں اس فوج ظفر موج کے ساتھ آئی تھیں۔ مگر ان میں فقط اٹھارہ جنگی تھیں۔ باقی رسد اور سامان جنگ لانے کے لئے تھیں +

سلطان نے پہلے قسطنطنیہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر خیمہ ڈالا۔ یہاں قیام کرکے اس نے اپنی فوج کا معائنہ کیا۔ اپنے منچلے ہمراہیوں کا جائزہ لیا۔ تو بہادران اسلام کی مردانہ صورتیں۔ ان کے فوجی لباس کی آب و تاب ان کے اسلحہ کی چمک اور ہیبت دیکھ کر خوش ہو گیا۔ اس نے جوش مسرت میں خدا کی حمد و ثنا کے بعد اپنے پرجوش سپاہیوں کی طرف خطاب کر کے کہا:۔

"قرآن مجید میں خدا تعالی جل شانہ فرماتا ہے کہ خدا کی راہ میں لڑنا ہر شخص پر فرض ہے۔ اور اس کی اتباع سب مسلمانوں پر فرض ہے" +

اس نے وہ مبارک آیتیں جن میں کفار پر فوجکشی کا حکم ہے جوش و خروش سے پڑھیں۔ جہاد اور جنگجوئی کی آگ ہر سپاہی کے دل میں بھڑکا دی۔ اور نہایت ہی رقت کے لہجہ میں بیان کیا:۔

"پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے[1] کہ میری اُمت کے لوگ قیصر کا ملک فتح کرینگے" اس اسلامی فوج کے پیچھے پیچھے علما، مشائخ اور سادات کا ایک گروہ تھا۔ جو سلطان کی فتح و نصرت کی دعا مانگتے تھے۔ ان مشہور بزرگوں میں سے جو اس فوج کے ہمراہ تھے۔ عارف باللہ شیخ آق شمس الدین اور شیخ آق بیق زیادہ تر قابل توجہ ہیں۔ ان دونو حضرات کی خدمت میں خود سلطان نے اپنے وزیر احمد پاشا بن

[1] امام احمد نے بسناد حسن سے اپنی مسند میں اور حاکم نے بشر غنوی سے روایت کی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے "لتفتحن القسطنطنیۃ ولنعم الامیر امیرھا ولنعم الجیش جیشھا" قسطنطنیہ فتح کیا جائیگا اور کیا اچھا ہے وہ امیر جو اس کی فتح کا امیر ہو۔ اور کیا اچھی ہے وہ فوج جو اس فتح کی حاصل کرنے والی ہو +

ولی الدین پاشا کے توسط سے کہلا بھیجا تھا۔ کہ "آپ بھی تشریف لاکے ثواب جہاد میں یک ہو جئے۔ اور قسطنطنیہ کی فتح کے وقت میرے ہمراہ تشریف رکھئے۔ اس لئے کہ آپ کی موجودگی موجب برکت ہوگی"۔ پس دونو آئے اور شیخ شمس الدین نے یہ درخواست قبول کی تھی۔ اور خود بہ نفس نفیس شریک جہاد ہوئے تھے۔ بلکہ شیخ شمس الدین نے یہ پیام سُن کے اِن الفاظ میں وزیر مذکور کو فتح کی خوشخبری دی تھی۔ کہ "انشاء اللہ قسطنطنیہ اسی سال مسلمانوں کے ہاتھ سے فتح ہوگا۔ اہل اسلام فلاں طرف سے فلاں تاریخ پہر دن چڑھے شہر قسطنطنیہ میں داخل ہونگے۔ تو اُس وقت خود بادشاہ کے پاس کھڑا ہوگا"۔ وزیر نے خوشی خوشی جاکے یہ مژدہ سلطان کو بھی سنا دیا تھا۔ الغرض اس طرح قوی دل اور قوی بازو ہوکے اُس نے قسطنطنیہ کے سامنے صفوف جنگ آراستہ کیں اور فوجی قاعدہ سے بڑھا ✤

سلطان سلیمان عالیشان کے عہد کا نزکی مورخ سعدالدین آفندی اپنی تاج التواریخ میں سلطان محمد کی آمد اِن باشان وشوکت الفاظ میں بیان کرتا ہے "ایک صبح کو جو کسی اچھے طالع کی طرح روشن اور با صفا تھی۔ جیسے ہی شاہ خاور کا پیش خیمہ شعاعوں کی فوجوں کے ساتھ پردۂ مشرق سے اور بُرج افق پر سے نمودار ہوا۔ عالیجاہ و بلند پائگاہ سلطان کے لشکر فیروزی اثر کا طلیعہ فصیل شہر کے نیچے پُہنچ گیا۔ اور اس کے بعد سلطانی فوج ظفر موج ایک ناپیدا کنار سمندر یا پُرجوش دریا کی مانند بڑھی۔ اور خشکی کی طرف سے شہر کا محاصرہ کرلیا۔ اور ایسی مضبوطی اور استحکام سے کارروائی کی کہ قلعہ بند شہر جو سب شہروں سے زیادہ عظیم الشان شہر ہے۔ اس کے حامیوں کے پائے استقلال کو لغزش ہوگئی۔ اور محافظوں کے ہوش و حواس فنا ہوگئے۔ الغرض ۶۔ اپریل کو آفتاب افق مشرق سے طلوع ہی ہو رہا تھا کہ یہ مسلح فوج قسطنطنیہ کے سامنے نظر آئی ✤

شہر قیصر کے تمام مینار اور رقبہ جو اپنے اُن پہاڑوں کے تحت پر جن کے گرد گولڈن ہارن باسفورس اور سی آف مارمورا لہریں لیتے رہے تھے۔ بصد شان اور بڑی آن بان سے متمکن تھے صبح کی ہلکی اور نازک کرنوں میں سے دور سے جگمگاتے نظر آئے۔ پس یہی طلوع شاہنشاہی شرقی کا غروب تھا۔ سلطان نے سینٹ رمانس کے پھاٹک کے سامنے اپنا شاہی جھنڈا نصب کیا۔ اور اسی وقت سے وہ محاصرہ شروع ہوگیا جو یادگار زمانہ ہے

اور کبھی نہ ہو ئیگا۔ ترکی خیمے خلیج مارمورا سے گولڈن ہارن تک پھیلے ہوئے تھے۔ وسط میں خود سلطان کا عالیشان خیمہ تھا۔ اور اُس کے آگے ینگ چری خیمہ زن تھے۔ یہ ہم بتا چکے ہیں کہ قسطنطنیہ مثلث قطع کی پہاڑی پر واقع ہے۔ اِس کے دو رخ جدھر سمندر موج زن ہے۔ اُدھر تو حملہ آور کی رسائی مشکل تھی۔ اُدھر قدرت اور انسانی کاریگری دو نو اس کے محافظ تھے۔ خشکی کی طرف جدھر دیواریں اور سو فیٹ کی عمیق خندق تھی اسی طرف سے ترکوں نے اپنی پوری طاقت سے حملہ کیا۔ شاہنشاہ نے تمام خدمات جنگ اپنے ہمدردوں اور معاونوں پر تقسیم کرکے بیرونی دیوار کی حفاظت کا چارج اپنے ذمہ لیا۔ محاصرہ کی ابتدائی صف آرائیوں میں تو یونانی کبھی کبھی باہر نکلنے کی جرأت کرتے تھے۔ مگر جب اس میں زیادہ نقصان نظر آیا۔ تو بالکل قلعہ بند ہو گئے اور فیصلہ کر لیا۔ کہ اب فصیل شہر کے اوپر ہی سے لڑینگے۔ جس بہادری اور استقلال سے قسطنطین نے اپنے شہر کی حفاظت کی ہے اِس پر ہم مسلمان ہو کر اس کی حمیت وشجاعت کی داد دیتے ہیں۔ اور اس دشمن کے نام کو تعریف کا مستحق سمجھتے ہیں۔ کاش ابو عبداللہ غرناطہ میں بھی ایسا ہی کرتا۔ اور اُس میں اپنے سالار فوج موسےٰ کی سی حیا دکھائی دیتی تو آج اس عیسائی فرمانروا کی بہادری کو یاد کرکے ہمیں شرمانا نہ پڑتا۔ شہر کی فصیلوں پر سے تیر اور نیزے کے بعد برابر بندوق اور توپ کے فیر ہوتے تھے۔ عیسائیوں کو چھوٹے چھوٹے اسلحہ ایک ایک وقت میں دس دس اور پانچ پانچ گولیاں پھینکتے تھے۔ یہ سب مزاحمتیں تھیں۔ مگر ترکوں کا قدم کسی طرح پیچھے نہیں ہٹتا تھا۔ وہ برابر آگے ہی بڑھتے چلے جاتے تھے۔ اور سیلے ہی پڑتے تھے۔ عیسائیوں کا توپخانہ بہت قوی نہ تھا۔ اور اُن کے پاس جو چند بڑی بڑی توپیں تھیں بھی تو انہیں شہر کی کہنہ دیواروں پر لگاتے ہوئے ڈرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو یہ پُرانی دیواریں توپوں کو ساتھ لے کے نیچے آرہیں۔ اِن کا یہ راز ابتداً مخفی رہا۔ مگر جب یہ حال مسلمان سپہگروں پر کُھل گیا۔ تو انھوں نے اس سے بہت نفع اُٹھایا۔ محمد ثانی کی وہ بڑی بھاری توپ جو اُس زمانہ کے لئے ایک عجیب وغریب چیز تھی اِس کے برابر اتنی ہی بڑی دو اور توپیں قائم کر دی گئیں اب ترکوں کی طرف سے چودہ توپ خانے قسطنطنیہ کی دیواروں پر ایک ساتھ گولہ باری کرتے تھے۔

ابتداءً تو توپوں سے کوئی محسوس فائدہ نہیں ظاہر ہوتا تھا۔ مگر رفتہ رفتہ دیوار و پر اُن کے صدمات کا اثر محسوس ہونے لگا۔ اور زنرک دیواروں کے نیچے پہنچکر اور اس فصیل عمیق کر جو درمیان میں حائل تھا۔ پاٹ پاٹ کے حملہ کے لئے سڑک تیار کرنے لگے اُن تغروں میں بالالتزام صد ہا پیپے اور بڑے بڑے درختوں کے تنے ڈالدئیے گئے۔ اور بڑے زور و شور سے حملہ ہوا۔ حملہ آوروں کا کام تھا کہ جس طرح بنے خندق کو پاٹ کے برابر کردیں۔ لیکن ان کے مقابل میں محصورین کا فرض تھا کہ اُن خندقوں کو اسی طرح خالی رکھیں۔ اس لئے کہ انہیں خندقوں کے باقی رہنے تک ان کی حفاظت منصور تھی۔ حملہ آوروں کا قاعدہ تھا۔ کہ دن بھر ان خندقوں کو پاٹتے تھے۔ لیکن محصورین۔ روز رات کو اُسے بالکل صاف کر ڈالتے تھے۔ اس حملہ آوری میں سلطان محمد ثانی کی دوسری تدبیر یہ تھی کہ فصیل شہر میں برابر سرنگیں لگائی جائیں۔ لیکن یہ امر بہت ہی دشوار تھا۔ اس لئے کہ وہاں کی زمین سنگستانی تھی۔ اور اُس وقت تک اِس فن کو اتنی ترقی نہیں ہوئی تھی جتنی اس دور میں ہے کہ پہاڑ کے پہاڑ بارود کی قوت سے آناً فاناً اُڑا دئیے جاتے ہیں۔ وہاں تو صرف اتنی کارروائی تھی کہ توپوں کے پہلو بہ پہلو بڑی بڑی پتھر پھینکنے کی کلیں لگی ہوئی تھیں۔ وہ مشہور قدیم یونانی آگ[1] بھی دشمنوں کے تباہ و برباد کر دینے میں ایک معقول حصہ لیتی تھی۔ سلطان محمد ثانی نے اپنی سپاہیانہ طبیعت داری سے ایک اور نئی چیز ایجاد کی تھی۔ وہ یہ کہ ایک بہت ہی اونچا اور بلند لکڑی کا مینار بنوایا تھا۔ جو رولوں کے ذریعہ کھسکایا جاسکتا تھا۔ اس پر ٹھری ٹھری بیل کی کھالیں چڑھائی گئیں تھیں۔ جس کی آڑ پکڑ کر کے حملہ آور نہایت ہی حفاظت اور اطمینان سے حریف پر فیر کرسکتے تھے۔ اُس کے سامنے تین دروازے تھے۔ جن سے نکل کے سپاہی حملہ کرکے فوراً پناہ میں آسکتے تھے۔ اِس کے اندر ہی اندر سیڑھیاں تھیں۔ جن کے ذریعے

---

[1] روغن نفت وغیرہ کو شیشوں میں بھر کے پچکاری کی طرح مارتے تھے جو جلتا ہوا جا کے گرتا اور لوگوں کو جھلسا دیتا تھا۔ اِس کی ایجاد یونانیوں کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ معاویہ کے زمانہ میں جو عربوں کا حملہ قسطنطنیہ پر ہوا تھا اُس وقت اسی آگ نے اس شہر کو مسلمانوں کے ہاتھ سے بچا دیا تھا لیکن آخر میں اس کا استعمال مسلمان حملہ آوروں اور خصوصاً ترکوں میں بھی تھا اور کثرت سے تھا۔ اس روغن کا اب رواج نہیں رہا۔ اِس لئے کہ لڑائی کے اُس سے عمدہ آلات ایجاد ہو گئے۔

سے لوگ اوپر جا سکتے تھے۔ چوٹی پر ایک اور سیڑھی لگی ہوئی تھی۔ جو کراریوں کے ذریعہ اٹھائی جاتی تھی اور اُس سیڑھی کو اگر حریف کی قلعہ کی دیواروں پر قائم کر دیں تو ایک پل تیار ہو سکتا تھا۔ اِن تمام ہی تدبیروں کی بدولت آخر ایک دن سینٹ رُمانس کا بُرج خراب ہو گیا۔ لیکن اُس کے بعد ہی فوراً اندھیرے کے خوف سے ترکوں کو واپس آنا پڑا۔ لیکن امید پیدا ہو گئی تھی کہ صبح ہوتے ہی سخت حملہ آور یورش کر کے شہر میں داخل ہو جائینگے۔ دوسرے دن سلطان کو بہت ہی افسوس ہوا جب اس نے دیکھا کہ دشمن نے اُس ایجادی مینار کو جلا کے خاک کر دیا ہے اور رات بھر میں منہدم برج بھی خوب مضبوطی سے از سرِ نو تعمیر کر دئیے گئے اور خندق جوان مصیبتوں سے بھری گئی تھی۔ پھر صاف کر دی۔ حریف کے تو دل سے لگی تھی۔ اِس کا وطن۔ اِس کی حکومت۔ اِس کا مذہب غرض کل چیزیں خطرہ میں تھیں۔ شاہنشاہ اور اُس کے مددگار جسٹینیانی نے ساری رات اُسی مقام پر کھائیوں کے کنارہ ہی کاٹے اور شکست و ریخت کی مرمت کراتے رہے۔ سلطان محمد کو اپنی اِس ناکامی اور کھائیوں کے صاف ہو جانے کا نہایت ہی صدمہ ہوا۔ اور اس پر طرّہ یہ ہوا کہ جنوا کے چار جہاز رسد کے لئے خلیج میں داخل ہو گئے اور محصورین کو رسد بھی پہنچ گئی ◆

اِس رسد کے پہنچتے ہی یونانیوں کی امیدیں از سرِ نو زندہ ہو گئیں۔ اُن کا شہر واقع کچھ ایسے مناسب موقع پر ہوا تھا کہ دوستوں کا وہاں تک پہنچنا جس قدر آسان تھا اُسی قدر دشمن اور غنیم کی رسائی دشوار تھی۔ وہ تو کہئے کہ خدا ہی کو منظور نہ تھا کہ سلطنتِ عثمانیہ کے درمیان میں ایک ایسا مضبوط قلعہ عیسائیوں کے ہاتھ میں باقی رہ جائے۔ اب شہر کی فتح اِس وقت تک محال معلوم ہونے لگی تھی۔ جب تک کہ خشکی اور سمندر دونوں طرف سے حملہ نہ کیا جائے خلیج کا راستہ ایک بہت ہی مضبوط زنجیر سے رُکا ہوا تھا۔ جسکی حفاظت کے لئے آٹھ بڑے اور بیس سے زیادہ چھوٹے جنگی جہاز اور کثرت سے جنگی کشتیاں ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ اِس طرف سے کوشش کرنے میں لامحالہ بحری لڑائی بھی لڑنا پڑتی ◆

اِس وقت سلطان محمد خاں کے ذہن میں ایک اور تدبیر آئی۔ وہ تدبیر اُس خدا ترس بادشاہ کی کوئی کشف و کرامات تھی یا اُس مشہور پیشین گوئی پر عمل کر کے وقوع میں آئی تھی جو ممالک عثمانیہ میں مشہور تھی کہ قسطنطنیہ اُس وقت تک نہیں فتح ہو سکتا جب تک

حملہ آور بادشاہ کھلے ہوئے بادبانوں سے خشکی میں کشتیاں نہ چلائے۔ بہرصورت جو کچھ ہو مگر محقق یہ ہے کہ سلطان محمد ثانی نے اس غیر ممکن امر کو ممکن کر دکھایا۔ اور سچ مچ خشکی پر کشتیاں چلا دیں۔ اس نے رات بھر میں اسی جنگی کشتیاں جنگلوں اور ناہموار زمین کی دس میل مسافت طے کرکے باسفورس کے کنارہ پر لاکے ڈالدیں یہ تدبیر یوں عمل میں لائی گئی۔ کہ ہموار زمین پر تختے برابر برابر بچھا دئیے گئے۔ پھر چربی ڈال کے وہ خوب چکنے کئے گئے۔ کشتیوں کے پال کھول دیئے گئے۔ اور اس طرح وہ ان کے چکنے پیڑوں پر دوڑائی گئیں۔ ہر کشتی پر دو ناخدا معین تھے جن میں سے ایک آگے اور ایک پیچھے تھا۔ مشعلوں کی روشنی میں ہوا کے زور سے اور انسانوں کی طاقت سے جہازوں کا یہ بیڑا خشکی پر دوڑتا ہوا چلا۔ جہاں کہیں بلندی پر چڑھانا ہوتا وہاں رولروں اور گراریوں سے کام لیا جاتا تھا۔ اس طرح سے ۱۰ میل طے کرکے یہ بیڑہ غلطہ کے عیسائیوں کے سر پر ہوتا ہوا ناہموار زمین کو طے کرکے اور پہاڑوں پر چڑھتا ہوا خلیج کے پایاب کناروں پر جا پہنچا۔ سپاہیوں کی خوشی کے نعرے۔ مردانہ رجز خوانیوں کی آواز اور مشعلوں کی روشنی میں خشکی پر اتنے بڑے بڑے جہازوں کو چلتے دیکھ کر دشمن پر خوف ناامیدی اور ہراس کی کیفیت طاری ہوگئی۔ یہ بیڑہ جب خلیج کی بلندی پر پہنچ گیا۔ تو اولوالعزم سلطان نے ایک بہت ہی مضبوط پل (یا بایذ) پچاس ہاتھ چوڑا اور سو ہاتھ لمبا تیار کرایا۔ اور اس پر ایک بڑی توپ قائم کی کشتیاں بھی فوج اور سیڑھیاں لئے ہوئے شہر کی دیوار کے نیچے جا لگیں مسیحی حامیان شہر نے بھی اندھیرے اجالے ان سب محنتوں کے برباد کرنے کی کوشش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ مگر ترکی توپوں نے انہیں زک پر زک دی کشتیوں اور پل میں آگ لگانے کی بھی کوشش کی گئی مگر مسلمان ہوشیار تھے۔ اس میں بھی ناکامی ہوئی۔ بلکہ الٹے خود مسیحیوں کی کشتیاں چھن گئیں۔ اور ان بے احتیاطی کی حفاظتوں میں قسطنطنیہ کے بڑے بڑے بہادر نامور سپاہی ترکوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوگئے۔ خلاصہ یہ کہ چالیس دن تک لڑائی رہی۔ جس کے بعد محصورین کا حال ابتر ہونے لگا۔ آخر ثابت ہوگیا کہ ان کی فوج اور نیز شہر کی دیواریں خشکی اور سمندر دونو طرف کے حملوں کی تاب نہیں لاسکتیں۔ ان کے ہاتھ تھک تھک کے رہ گئے۔ ان کی توپوں کے منہ بند ہوگئے اور ترکوں کی توپوں نے

اس حصن حصین کو جو مدت مدید سے دشمنوں کی قوت سے بے پروا کھڑا اپنی مضبوطی پر غرور کر رہا تھا مارے گولوں کے چھلنی کر دیا۔ دیواروں میں جابجا رخنے پڑ گئے۔ اور سینٹ رومانس کے پھاٹک کے پاس والے چار برج گر کر سطح زمین کے برابر ہو گئے۔ ادھر شاہنشاہ کے سر پر ایک اور مصیبت آپڑی۔ فوج نے اپنی تنخواہ کے واسطے دق کرنا شروع کیا۔ اور یہاں تک مجبور کیا کہ آخر اُسے گرجوں سے مال و اسباب لینا پڑا۔ اگرچہ اِس نے جتنا لیا اُس سے چوگنا دینے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر وہ لوگ جو دونو کنیسوں کا اتحاد بُرا جانتے تھے اس کو غضب سمجھے اور اُنہیں اور بھی فتنہ آرائیوں اور شکایتوں کا موقع مل گیا۔ اگرچہ تباہی اپنے منحوس پروبال سایہ ڈال رہی تھی مگر باہمی نااتفاقی کسی طرح کم نہیں ہوتی تھی۔ جونیز اور وینیشین مددگار رئیس اپنے خدمات کو ایک دوسرے پر ترجیح دیتے تھے۔ اور ایک دوسرے کو نمک حرامی کا الزام دیتے تھے۔ مسیحوں کی یہ حالت ہو رہی تھی اگرچہ اب اس ہراس کے عالم میں اُن کو اپنی بداعمالیوں پر رونے نہیں بن پڑتا تھا۔ آخر حضرت مریم علیہا السلام کی صورت دینی جوش و خروش اور مذہبی شان و شوکت کے ساتھ کھولی گئی۔ مگر آہ! اُس مقدس ربہ نے ان کی خوشامد کی درد بھری آوازوں سے اپنے کان بند کر لئے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر کسی کے دل میں اِس آفت کا صدمہ تھا۔ تو شاہنشاہ کے دل میں۔ لیکن بدنصیبی کا اِس سے زیادہ کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ عوام الناس اُلٹے اس کو الزام دیتے تھے۔ کہ ناحق اور محض بیکار لڑائی میں تضییع اوقات کرتا ہے۔ آخر اطاعت کیوں نہیں قبول کر لیتا۔ الغرض اپنی قسمتوں کے آئندہ خوفناک سین اُن کی آنکھوں کے سامنے پھر رہے تھے۔ اور وہ سب ترکوں کی غلامی کی راحت پر جان دئے دیتے تھے۔

۲۸- کی شام کو یونانی امرا و شرفا اور بہادر جن پر بھروسہ تھا قصر شاہنشاہی میں طلب ہوئے۔ اُن سب کو اطلاع دیگئی کہ علی الصباح سلطان کا قصد ہے۔ کہ قلعہ حملہ کر دیا جائے اور اسی جانبازی پر مستعد رہنے کی اُن سے درخواست کی گئی۔ گبن نے اپنے خون چکاں قلم سے بہت صحیح لکھا ہے کہ "یہ آخری تاریخ مشرقی سلطنت شاہنشاہی کا فیونرل اورٹیشن تھا۔ شاہنشاہ نے سب سے وعدے لئے

سب کو قسمیں دلائیں۔ اور ان لوگوں کے دلوں میں ایک ممتنع الوقوع امید کا نور چمکانے کی بیفائدہ کوشش کی۔ مگر کیا ہو سکتا تھا۔ دوسروں کے دلوں پر کیا اثر ہو سکتا تھا۔ جب خود اسی کے دل کی ساری اُمیدیں مُردہ ہو چکی تھیں۔ اِس نازک حالت میں اس غریب کے لئے نہ اس دنیا میں کوئی امید باقی رہی تھی۔ اور نہ اُس آنے والی دوسری دنیا میں۔ لیکن جو کچھ ہو۔ اس میں شک نہیں۔ کہ خود شاہنشاہ کی مثال اور مدت تک کے سخت محاصرے نے عیسایوں کے دلوں میں مایوسی کی سخت ہمت پیدا کر دی تھی۔ اور جس طور سے چتوڑ کے راجپوت اپنی بہادر اور نازنین رانی کو خاک کر کے پھاٹک کھول کے نکلے تھے اُسی طرح اُس وقت قسطنطنیہ کا ہر بچہ مرنے اور جان دینے پر تیار ہو گیا تھا۔ وہ سب ایک دوسرے سے مل مل کے روتے تھے۔ قیامت کی ملاقات کے وعدہ پر باہم رخصت ہوتے تھے۔ نہ اپنے بال بچوں کی پروا تھی نہ جان و مال کی۔ الغرض ہر شخص اپنے وطن پر جان دینے کو مستعد ہو گیا تھا۔ اِن باہمی قول و قسم کے اقراروں سے فراغت کر کے ہر ہر افسر نے اپنے اپنے مقررہ مقام کی راہ لی۔ اور اس جوش و خروش سے مرنے پر آمادہ ہو گیا کہ سبھوں نے وہ منحوس رات آنکھوں ہی میں کاٹی۔ بیقراری اور اضطراب نے رات بھر سب کو شہر کی فصیلوں ہی پر کھڑا رکھا۔ خود شاہنشاہ مع اپنے چند رفقا کے پہلے سینٹ صوفیہ کے گرجا میں گیا۔ جو تھوڑی ہی دیر میں خدائے وحدہٗ لاشریک کا مشہور عبادت گاہ ہونے والا تھا۔ وہاں جا کے اپنے مذہب کے آخری فرائض جوشش دل اور رقت قلب سے ادا کئے۔ وہاں سے پلٹا تو مایوسانہ خیالات نے ایسا تھکا دیا تھا کہ چند لمحہ آرام کرنے کی غرض سے وہ قصر شاہنشاہی میں گیا۔ مگر ہر سمت سے گریہ و بکا کی ایسی بے چین کرنیوالی آوازیں آ رہی تھیں کہ اس کا دل خود بخود بے قابو ہو گیا۔ وہ آرام کرنے کی غرض سے یہاں ٹھیرا تھا۔ مگر آہ! آرام کہاں۔ آخر پریشان ہو کے اُٹھ بیٹھا۔ ہر شخص سے اپنا کہا سُنا معاف کرایا۔ اور گھوڑے پر سوار ہو کر محافظین شہر کی ہوشیاری اور مستعدی دیکھنے اُن کا دل بڑھانے اور غنیم کی کارروائیاں دریافت کرنے کو روانہ ہوا۔

۲۹ مئی ۱۴۵۳ء کی صبح کو سلطان نے عام حملہ کا حکم دیدیا۔ یہ ایسا مضبوط

اور عجیب شمر تھا کہ ترکوں کو بھی رات بھر حملہ کی تیاری اور خدا سے مدد مانگتے ہی کٹی
سپاہ اور توپیں شب ہی کو خندق کے کنارہ پر جا لگی تھیں۔ جن کو جا بجا سے پاٹ
کے اکثر مقامات پر اب مسطح راستہ بنائے گئے تھے اس کے جہاز قلعہ کی دیواروں
سے لگے ہوئے کھڑے تھے۔ اور ہر شخص کو خاموش رہنے کا حکم تھا۔ ایک سکوت
و خموشی کا عالم تھا۔ جس نے پچھلی رات کے سناٹے کو کسی قدر اور بڑھا دیا تھا
صبح ہوتے ہی وہ سناٹا یوں ٹوٹا گیا کہ دونو طرف سے حملہ شروع ہو گیا۔ ترکوں
کی طرف سب سے آگے مجاہدین کا گروہ تھا۔ جو جام شہادت کی تمنا میں اطراف و
اکناف عالم سے دوڑ دوڑ کے آئے تھے۔ ان کے بعد اناطولیا اور رومیلیا کی جانباز
فوجیں اپنے اپنے پاشاؤں اور جنرلوں کی ماتحتی میں تھیں۔ اس کے بعد ینگ چریوں
کی پُر ہیبت فوج تھی۔ اور سب کے پیچھے خود سلطان کی سواری تھی۔ دس ہزار جنگی
فوج اس کے گرد حلقہ کئے ہوئے تھی۔ خود سلطان اس وضع سے گھوڑے پر سوار تھا
کہ ایک بڑا سا عمامہ سر پر تھا۔ گرز گرانبار ہاتھ میں تھا۔ اور اس سے اشارہ کر کے حملہ
کی ہدایتیں کرتا تھا۔ اور سپاہیوں کے دل بڑھاتا تھا۔ ہر طرف سے توپوں کے
فیر ہونے لگے جنکی گرج نے کانوں کے پردے پھاڑ ڈالے۔ اور جن کے دھوئیں
نے ہر طرف کی چیزوں اور سامنے کے تمام منظروں کو چھپا لیا تھا۔ شہر کے گرد کی دو
دوہری دیواریں تھوڑی ہی دیر میں منہدم ہو کے مٹی کے ڈھیر بن گئیں۔ ہر طرف
سے حملہ آوروں نے یورش کی اور گھمسان لڑائی ہونے لگی۔ اس وقت جان جسٹینانی
کو ایک گولی یا ایک تیر نے زخمی کر دیا۔ اس کا خون دیکھتے ہی عیسائیوں کے چھکے چھوٹ
گئے۔ جان جسٹینانی خود بھاگ نکلا۔ اگرچہ شاہنشاہ نے بہت سمجھایا جتنے کہ اس کی
خوشامد تک کی۔ مگر اس ستم رسیدہ نے ایک نہ سنی۔ پہلا شخص جو سلطان کے انعام
کا مستحق قرار پایا۔ اور جس نے سب سے پہلے فصیل شہر پر قدم رکھا وہ ایک ینگ چری
تھا "حسن" نام۔ جو ایک بڑے تن و توش کا سپاہی تھا۔ اس کے پہنچتے ہی اور
بارہ ینگ چری پہنچ گئے۔ اگرچہ حسن کو رومیوں نے دھکیل دیا۔ مگر وہ اپنے مضبوط
دل کے ساتھ پھر گھٹنوں کے بل اٹھا۔ اگرچہ اس پر برابر پتھروں کا مینہ برسنے لگا۔
لیکن اس نے اپنی جرأت و ہمت سے ثابت کر دیا کہ ایسے قلعہ پر چڑھ جانا کسی

انتہا درجہ کی دلیری قوت سے ممکن ہے۔ اس کے بعد کیا تھا۔ ہر چہار طرف دیواروں اور برجوں پر جرجھہ چڑھتے کے ترک سب جگہ پھیل گئے۔ اور جوق جوق جمع ہو گئے۔ اور یونانیوں کو مجبوراً بھاگتے ہی بن پڑی۔ قسطنطنیہ کے وہ بہادر لوگ جو اس وقت تیز جنرلوں کا اور تیز سپاہی کا کام دے رہے تھے۔ انہیں میں خود شہنشاہ بھی تھا۔ جو امرا اس کے ساتھ تھے اُنہوں نے بھی جان نثاری اور وفاداری کا حق ادا کیا۔ اور آخر دم تک اُس پر پروانہ رہے۔ کسی جگہ ساتھ نہ چھوڑا۔ ایسے نازک اور بیکسی کے وقت میں اپنی جان سے تنگ آکر جو حسرت بھرا جملہ شاہنشاہ نے اپنی زبان سے نکالا تھا۔ وہ اس وقت تک ہمارے کانوں میں گونج رہا ہے *

"کیا کوئی ایسا عیسائی نہیں مل سکتا جو میرا سر تن سے جدا کر ڈالے" ؟

اُس غیر تمند کو سب سے زیادہ ڈر ترکوں کے ہاتھ میں زندہ گرفتار ہو جانے کا تھا۔ اُس نے اب اپنا شاہنشاہی لباس اُتار ڈالا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ آخری ہراس کی گھبراہٹ میں وہ کسی نامعلوم شخص کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس کے مارے جاتے ہی پھر عیسائیوں میں نہ کوئی ضابطہ تھا۔ اور نہ کسی کی مزاحمت تھی۔ وہ بے سر وپا اور بدحواس شہر کی طرف بھاگے اور اُن میں سے اکثر سینٹ رومانس کے پھاٹک کے نیچے دب کے رہگئے۔ فتحمند ترک اندرونی حصار میں رخنہ کرکے شہر میں گھُسے اور جب شہر کی کشادہ سڑکوں پر پہنچے تو اپنے ان بہادر حملہ آوروں سے لے جنہوں نے خلیج کی طرف سے فینار کے دروازہ پر حملہ کیا تھا۔ اور اس جانب سے لڑتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے تھے *

ایک ترکی مصنف[1] نے اپنی ایشیائی انشاپردازی کے پر زور قلم سے اس یادگار فتح کی سرگذشت اِن شاندار الفاظ میں لکھی ہے:-

"جبکہ وقت موعود آگیا۔ اور قلعہ کسی طرح نہ فتح ہوا تو وزیر کو سلطان کی طرف سے بہت خوف ہوا۔ وہ ڈرتا ہوا اور سہما ہوا شیخ شمس الدین کے پاس گیا مگر لوگوں نے اُسے روکا۔ اس لئے کہ شیخ نے اپنے معتقدین کو تاکید کر دی تھی کہ کسی کو اُن کے پاس نہ آنے دیں لیکن اضطراب میں وزیر نے خیمہ کی چوبیں اُٹھائیں تو کیا

[1] صاحب شقائق النعمانیہ *

دیکھتا ہے کہ شیخ زمین پر سجدہ میں پڑے ہیں۔ سر کھلا ہوا ہے اور رو رو کے دعا کر رہے ہیں۔ وزیر نے خیمہ کی طنابوں سے اپنا سر نکالا ہی تھا کہ یکایک شیخ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ زور و شور سے تکبیر کہی اور فرمایا الحمد للّٰہ الذی فتحنا ھذہ المدینۃ (اُس اللہ کا شکر جس نے اس شہر کی فتح ہمیں مرحمت فرمائی۔ وزیر کہتا ہے اُن کی زبان سے یہ جملہ سُنا تھا کہ میں نے شہر کی طرف مُنہ پھیر کے دیکھا۔ وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ لشکر اسلام شہر میں داخل ہو چکا ہے اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے انہیں کی دُعا کی برکت سے اُسی وقت جب کہ اُنہوں نے فرمایا تھا شہر کو فتح کیا۔ اور قریب قریب شاہان ترک کا عموماً اسی پر عقیدہ ہے۔ خیر جب سلطان محمد خود قسطنطنیہ میں داخل ہُوا تو اُس نے اپنے پہلو کی طرف پھر کے دیکھا وزیر ابن ولی الدین کو اپنے برابر پا کے بولا۔ یہ وہی شخص ہے جو شیخ نے فرمایا تھا"

عیسائیوں کو جب یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ مجاہدین اسلام شہر میں داخل ہو گئے تو وہ مکانات و معابد چھوڑ چھوڑ کے بدحواس سڑکوں پر نکل کھڑے ہوئے۔ گویا ان کے خیال میں تھا کہ اس فعل سے غنیم ڈر کے بھاگ جائیگا۔ شہر کے ہر حصہ سے لوگ سینٹ صوفیہ کی طرف دوڑے۔ اس کثرت سے زن و مرد۔ بوڑھے بچے۔ پادری۔ گوشہ نشین۔ راہب۔ مذہبی اچھوتیاں غرضیکہ ہر عمر ہر درجہ ہر پیشہ کے لوگ اس میں آ کے جمع ہو گئے۔ کہ تھوڑی ہی دیر میں اُس عمارت کے اندر تل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ ان سب لوگوں نے اندر سے دروازے بند کر لئے اور خدا کے گھر میں بیٹھ کے اُس فرشتہ کی مدد کا انتظار کرنے لگے جس کی بابت اُن کے کسی مقتدا نے پیشین[1] گوئی کی تھی

---

[1] ایک صاحب نے پیشین گوئی کی تھی کہ ایک دن ترک قسطنطنیہ میں داخل ہو جائینگے اور رومیوں یا صوفیہ کے سامنے جو میدان ہے اور جس میں قسطنطین کا ستون ہے وہاں تک تعاقب کرینگے بس یہاں پر ان کے مصائب کا خاتمہ ہو جائیگا۔ ایک فرشتہ آسمان سے اُتریگا تلوار اس کے ہاتھ میں ہوگی اور سلطنت مع اس آسمانی ہتھیار کے ایک غریب آدمی کو جو ستون کے نیچے بیٹھا ہوگا دیدیگا۔ وہ کہیگا یہ تلوار لو اور خدا کے بندوں کا بدلہ لو۔ یہ جان ڈالنے والے الفاظ سنتے ہی ترک فوراً بھاگ کھڑے ہونگے اور یونانی انکو مغرب سے نکالینگے اور اناطولیہ سے ایران کی سرحد تک نکال دینگے۔

جب کہ وہ مجہول فرشتہ کے اُترنے کا انتظار کر رہے تھے سینٹ صوفیہ کے دروازے کلہاڑیوں سے چیر ڈالے گئے۔ اور چونکہ ترکوں کو کوئی مزاحمت پیش نہیں آئی تھی۔ لہذا اُن کے وہ ہاتھ جو خون سے بالکل پاک تھے غلاموں کی تعداد کثیر چھننے اور باندھنے میں مصروف ہو گئے ✤

جوانی۔ حسن۔ آثارِ دولت و شرافت انتخاب میں اُن کی رہنمائی کرتے تھے جس ملک کا تصفیہ اُن لوگوں میں بچے گرفتار کرنے ذاتی قوت اور وقتی حکومت سے ہوتا تھا۔ غلام رسیوں سے باندھے جاتے تھے۔ لونڈیاں خود اپنی ہی نقابوں اور کمر بندوں سے جکڑی جا رہی تھیں۔ اعیانِ سلطنت خود اپنے غلاموں کے ساتھ ایک ہی رسی میں بندھے ہوئے تھے۔ کنیسہ کے اعلےٰ عہدہ دار اپنے گرجوں کے درباتوں کے ساتھ تھے۔ اور ذلیل ہیچ قوم کے نوجوان اعلےٰ طبقہ کی شریف زادیوں کے ساتھ جن کے چہروں تک کبھی آفتاب کی شعاع نہ پہنچ سکتی تھی۔ اور اُن کے عزیز و اقارب تک اُن کے دیکھنے کی عزت حاصل کر سکتے تھے۔ اس عالم فیدبندی سوسائٹی کے مراتب اور درجہ ٹوٹ کے بے ربط ہو گئے تھے۔ فطرت کے تمام رشتے منقطع ہو گئے تھے۔ اور بے رحم سپاہی باپ کی آہ آہ ماں کے آنسو اور اولاد کی گریہ و زاری سے بے پروا تھے۔ سب سے زیادہ گریہ و بکا کرنے والی وہ اچھوتیاں تھیں جو معبدوں سے کھینچ کھینچ کے نکالی گئی تھیں۔ اور اس بیکسی و مظلومی سے کہ سینہ کھلا۔ ہاتھ پھیلے ہوئے اور بال پریشان۔ ہمیں حسن عقیدت سے اُن کی نسبت یقین کر لینا چاہئے کہ معبد کی شب بیداری پر حرم کی عشرت کی راتوں کو ترجیح دینے کی طرف وہ کبھی شاذ و نادر ہی پھسلائی جا سکی ہو گی۔ ان بدنصیب یونانیوں۔ ان خانگی حیوانوں کے پورے پورے گلہ بڑی بے رحمی کے ساتھ سڑکوں پر کھینچے گئے۔ اور چونکہ فاتح کا دل اور زیادہ شکار کے واسطے واپس آنے پر لگا ہوا تھا۔ لہذا ان بیکسوں کے تھرتھراتے ہوئے پاؤں (ڈگمگاتے ہوئے قدم) دھمکیوں اور گھونسوں سے تیز کئے جاتے تھے ✤

اس قسم کی لوٹ مار اسی وقت کل گرجوں اور خانقاہوں تمام محلوں اور دارالسلطنت کے سب مکانوں میں کی جا رہی تھی۔ کوئی مقام گو وہ کیسا ہی متبرک ہو۔

یا کیسے ہی کوشش میں ہو یونانیوں کے جان و مال کی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔ ان مظلوموں کو ساٹھ ہزار سے زیادہ گروہ شہر سے نکال کے خیمہ یا جہازوں پر لایا گیا اور پھر اپنے مالکوں کے نفع یا تلون مزاجی کے مطابق بدلے یا بیچ ڈالے گئے۔ اور سلطنت عثمانیہ کے دور دراز صوبوں میں پھیلا دیئے گئے" یہ وہ دل چوٹ دینے والے الفاظ ہیں جن سے اڈورڈ گبن نے عیسائیوں کی بیکسی کا سین دکھایا ہے اور انکے مصائب کا نوحہ لکھ کر اپنے مسیحی دل کی بھڑاس نکالی ہے۔

ـ1 جن لوگوں کے خیال مسلمانوں کے سب سے زیادہ ظالم ہونے کی نسبت قائل ہوں ان کو چاہیئے کہ اُن اوقات کو یاد کریں۔ جب مسلمانوں کی حالت عیسائیوں کے ہاتھوں اِس سے زیادہ تباہ و برباد ہو رہی تھی۔ جب فوج کے تھکے ماندے بیکار سپاہی غلامی کی رسیوں میں جکڑے جاتے تھے اور باقی باشندوں کو حکم تھا کہ اپنا کل مال و اسباب اپنی آزادی کی قیمت (فدیہ) کے ایک جزو کے طور پر ظالم عیسائی بادشاہ کے نذر کریں اور آٹھ مہینہ کے اندر باقی روپیہ ادا کریں۔ ورنہ ہمیشہ کے لیئے غلام بنائے جائینگے۔ اُن کا شمار ہوتا۔ تلاشی لیجاتی اور بدر کئے جاتے تھے۔ اس وقت غریب بوڑھے۔ بیکس عورتیں اور شریف خاندانوں کی پری جمال نازک اندام اور دوشیزہ لڑکیاں بڑے بڑے بوجھ سر پر لادے ملاغہ سے نکلکر القصبہ کی طرف جاتی ہوئی سڑکوں پر دکھائی دیتی تھیں۔ یہ لوگ خانماں بربادی کی مصیبت یاد کر کے گھر چھوڑتے وقت اپنا سینہ پیٹتے تھے۔ ہاتھ ملتے تھے اور بیتابی سے وہ خاں نگر پرنم آنکھیں آسمان کی طرف اُٹھا کے فریاد کرتے تھے۔ کہ "اے ملاغہ! مشہور خوبصورت شہر! اب تیرے قلعہ کی وہ قوت کیا ہوئی؟ تیرے میناروں کی شان و شوکت کدھر گئی؟ تیری مضبوط دیواریں تیری اولاد کی حفاظت کے کیا کام آئیں! آہ! وہ غربت میں ایک دوسرے کو یاد کر کے روئینگے اور اُن کی گریہ و زاری پر بیدرد لوگ تمسخر کرینگے۔ غربا جبل میں بھیجے گئے تھے۔ جہاں آٹھ مہینہ غلامی کی حالت میں کاٹنا پڑے اور جب باقی روپیہ نہ ادا کر سکے تو قریب ۱۵ ہزار جانوں کے ہمیشگی کی غلامی میں ڈالے گئے یہ حالت تھی کہ مشرقی حصہ غرناطہ کا عیسائیوں کے ہاتھ میں آیا۔

تھوڑے ہی دنوں بعد خود الحمرا کے برجوں پر ایک صلیب کے پاس سینٹ جیمس کا جھنڈا اڑ رہا تھا۔ اور آخیر بادشاہ غرناطہ کا ابو عبداللہ الفشار اس پر سے یہ سین دیکھ کر بصد حسرت اسپین سے رخصت ہو رہا تھا۔ اور افریقہ جانے کا عازم تھا۔ جہاں اس کی اولاد کی قسمت میں نان شبینہ کا محتاج

بہت سا مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ سونا۔ جواہرات قیمتی کپڑے اور بیش بہا اسباب انہوں نے اتنا لوٹا کہ اُس کے پہلے شاید کبھی نہیں لوٹا ہوگا۔ اس زیادہ تاراج کی وجہ یہ تھی کہ سلطان نے اپنے سپاہیوں سے وعدہ کیا تھا۔ کہ اگر تم اپنی تلوار کے زور سے شہر کو فتح کر دو گے تو تم کو تین دن تک لوٹنے کی اجازت دیجائیگی۔ اور وہ سب مال و اسباب تمہارا ہی ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ اس امر کی سخت تاکید تھی کہ کسی عمارت میں آگ نہ لگائیں قدیم دستور کے مطابق انہوں نے بہت سے لونڈی غلام بھی گرفتار کئے تھے۔ قصہ مختصر ان "نیم وحشی" سپاہیوں نے ہر قسم کی زیادتیاں کیں اور بیکسوں کے غلام بنانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی۔

بقیہ حاشیہ۔ ہائے مارے پھرنا لکھا تھا۔ اُس وقت عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا؟ کون سا معاہدہ ہسپانیوں نے پورا کیا؟ اُن کے معابد کیسے گئے۔ اُن کے کتب خانوں میں جن میں ہزار مسودے عمرہائے دراز کی دماغی محنتوں کے نتائج جمع تھے آگ لگا دی گئی۔ اُن کو عیسائی بنانے کے واسطے جو کچھ اُن پر مظالم کئے گئے اس کے بیان سے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ اُسی "کرسچین چیریٹی" کا نتیجہ ہے کہ آج ایک فرد بھی خدائے وحدہٗ لا شریک کا نام لینے والا پورے جزیرہ نما اسپین میں نہ ملیگا ✦

"سب سے بڑھکر اسپین جو ایک زمانہ میں معدن تھا علوم و فنون کا ایسا صحرا خرابات، دماغی و ذہنی قابلیت کا صدیوں کی شان و شوکت سے معرا ایسا کہ وہ اب سے ہرگز نہ ہونا۔ کون نہیں رو رہا ہے اس نامور قوم کی قسمت پر جسے اسکیوریل کے ایک جابر کے جنون انگیز تعصب نے اسے وطن سے بدر کر دیا۔ جسے اِس نے قوموں کے درمیان مشہور کر دیا تھا؟ بہت صحیح ہے یہ مقولہ "ایک بڑی منحوس ساعت میں غرناطہ کے برجوں پر ہلال اکھاڑ کے صلیب قائم کی گئی" روحیں نامور مردوں کی ابو رشید اور ابو عاص کی ولید اور عائشہ کی اپنے لوگوں کے مسمار رہگزروں پر چیختی پھر رہی ہیں۔ کون رہگزر جن میں اب سنتا ہے نہ وہاں شعر و شاعری کے چرچے ہیں۔ نہ بانکپن کی باتیں نہ علم کی درس و تدریس ہے اور نہ فنون کی ترقیاں۔ اب وہاں صرف بعض اوقات مذہبی جھگڑا کرنے والوں کی مجنونانہ آوازیں گونجتی ہیں۔ بعض اوقات ہولناک صدائیں پولیٹکل معاملات پر لڑنے والوں کی سُنائی دیتی ہیں۔ دینِ مسیحی نے ان مسلمان اندلوسیوں کی اولاد کو بیابان میں جلا وطن کر کے نکالدیا۔ خوبصورت اسپین کے ہر مادۂ حیات کو چوس لیا اور اس کو ذہنی و اخلاقی خرابات

افسوس فتحمندی بھی کیسی بری چیز ہے کہ اس کے ظلم بہت جلد بھول جاتے ہیں۔ اگرچہ خدا کی بیگناہ مخلوق پر وہ نہایت ہی ناگوار تھے۔ وہ تو نیم وحشی تھے۔ لیکن آج چھ سو برس کے بعد مہذب اور تربیت یافتہ قوموں کے سپاہیوں کو بھی فتح کے بعد ویسا ہی ظالم۔ ویسا ہی جابر۔ ویسا ہی ناخدا ترس پاتے ہیں۔ تین دن کے بعد سلطان محمد ثانی نے امن و امان قائم کیا حصار شہر اور دیگر عمارات کی شکست وریخت کی مرمت کا حکم دیا۔ اور کنیسا ایا صوفیہ کو تمام "کفر کی خباثتوں" سے پاک وصاف کر کے جامع مسجد قرار دیا جس میں پیغمبر علیہ السلام کی ہدایت کے بموجب ساری دنیا کے مسلمان دن بھر میں پانچ مرتبہ آواز بلند پکارا کرتے ہیں۔ اس مسجد

بقیہ حاشیہ کا مرادف بنا دیا۔" سید امیر علی لائف آف محمد صفحہ ۴۴۳ +

ڈراپر کا انٹلکچوئل ڈولپمنٹ آف یورپ (جلد ۲ صفحہ ۲۲) دیکھو مسلمانوں سے صلیبی لڑائیوں میں عیسائی مجاہدین کے برتاؤ کا مقابلہ کرو۔ وہ لکھتا ہے جب خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ نے ۶۳۷ء میں یروشلم کو لیا تو وہ گھوڑے پر اسقف سفرونیس کے ہمراہ اس کی قدیم عمارت کے متعلق باتیں کرتے ہوئے شہر میں گئے۔ نماز کے وقت رستر کشن کے گرجا میں جہاں وہ اتفاقاً اس وقت تھے عبادت کرنے سے اُنھوں نے انکار کیا۔ بلکہ قسطنطین کے گرجا کے زینہ پر نماز پڑھی۔ انھوں نے اسقف سے کہا "اسی لئے کہ اگر میں نے ایسا کیا ہوتا تو شاید مسلمان آیندہ زمانہ میں اس معاہدہ کو میری مثال کی پیروی کے حیلہ سے توڑ ڈالتے" لیکن جب عیسائی مجاہدین نے اس پر قبضہ کیا تو خوردسال بچوں کے بھیجے دیواروں سے ٹکرا کے پھاڑ ڈالے گئے۔ دودھ پیتے بچے فصیلوں پر پھینکے گئے۔ جوان آگ میں بھون ڈالے گئے بعض کے پیٹ پھاڑ ڈالے گئے یہ دیکھنے کو کہ کہیں سونا تو نہیں نگل گئے ہیں۔ یہودی اپنے معبدوں میں بند کر کے جلا دئے گئے۔ تقریباً ستر ہزار آدمی قتل ہوئے اور یورپ کا نائب اپنی نواب کے کاموں میں شریک دکھائی دیتا تھا +

لنڈن میں جب مظالم آرمینیا کے متعلق ہائیڈ پارک میں مسلمانوں اور ترکوں کے برخلاف جلسہ ہوا اور اس میں اُن پر قاتل و ظالم کے خطابوں کی بوچھاڑ کی گئی اس کے متعلق ذیل کا واقع بھی نہایت مزیدار اور قابل یادگار ہے:-

لنڈن کے ہائیڈ پارک میں ۱۱۔ اکتوبر کو شورش آرمینیا کے متعلق جب ترکوں کے برخلاف جلسہ ہوا۔ تو اس موقع پر لنڈن کی کلب سے (جو مشہور ملحد اور ممبر پارلیمنٹ مسٹر بریڈلا کی یادگار ہے)

کی شان و شوکت دوبالا کی اور اس پر جاگیریں وقف کیں *

اُسی دن یا آئندہ جمعہ کو موذن نے بلندی پر کھڑے ہو کر حسب اصول اسلام "اللّٰہُ اکبر اللہ اکبر اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ" کی صدا بلند کی۔ امام نے حضور فلت سے خطبہ پڑھا اور محمد ثانی نے اس کے پیچھے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کی۔ دعا مانگی اور اس خدائے ذوالجلال والاکرام کی حمد و ثنا کی۔ جس نے اسے اتنی بڑی فتح عنایت فرمائی تھی۔ ایا صوفیہ سے روانہ ہو کر سلطان محل شاہی کی طرف گیا۔ وہی عالیشان محل جس میں قسطنطین اعظم سے

بقیہ حاشیہ ولایت میں قائم ہے) ہزاروں اشتہارات ایسے تقسیم کئے گئے تھے جن میں آرمینیوں کے بیجا اور راند حاد صند حامی مخبوط الحواس عیسائیوں کے ناگوار طبع مضامین درج تھے چنانچہ ہم ذیل کا مضمون اسی اشتہار سے ترجمہ کرتے ہیں :-

"برطانیہ ان ہولناک کہانیوں پر بھڑک رہا ہے جو آرمینیا سے آتی ہیں۔ اور عیسائی مسلمانوں پر انتقام کے پیاسے ہو رہے ہیں جو ان کے ہم مذہبوں کو مشرق میں تہ تیغ کرتے ہیں۔ مگر عیسائی اس وقت کیوں نہیں تھرتھراتے اور کانپ اٹھتے۔ جب وہ انجیل مقدس میں اس کُشت و خون اور قتل و غارت کے حالات پڑھتے ہیں جو یہودیوں نے فلسطین کے لوگوں پر روا رکھا تھا ؟ کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہودی خدا کے مقبول بندے تھے اور جن پر ظلم و تعدی روا رکھتے تھے کافر تھے *

ترکوں کی سہماک کارروائیوں کے جو حالات اخباروں میں چھپے ہیں سب ان کو جانتے ہیں مگر کتنے آدمیوں کو یاد ہے کہ یہ خونریزی اسی طرح کی اس خونریزی کی صدائے گنبد ہے جو اس سے زیادہ وسعت کے ساتھ بنی اسرائیل سے حضرت موسیٰ اور یشعا کے زیر تحت (اگر وہ ہولناک حالات سچے ہیں) عمل میں آئی تھی اور جو ابھی چند صدیاں ہی گزرے ہیں عیسائی مجاہدوں نے مسلمانوں پر روا رکھی تھیں *

یہودیوں کے سرگروہوں نے کنعان کی پُرامن و امان زمین پر ہزاروں نیم وحشت کے کام کئے۔ شہر تباہ کر دئے۔ خلقت خدا کو نیست و نابود کر دیا۔ اور اپنے دیوانہ جوش غضب میں مواشی تک تہ تیغ کر دئے اور تمام کارروائی اس قدر صحت اور استقامت سے کی گئی تھی کہ جس پر سلطان روم کو بھی رشک آتا ہوگا۔ خدا کا حکم تھا کہ "جو چیز سانس لیتی ہے اسکو

نے کہ اس وقت تک ایک سو باجبروت وسطوت عیسائی تاجدار فرمانروائی کر چکے تھے۔ اور جو تکلفات اور شان وشوکت کے اعتبار سے اپنا آپ ہی نظیر تھا لیکن اب اس وقت اِس میں نہ وہ ساز تھا نہ وہ سامان ہر چہار طرف سناٹا تھا۔ اور بالکل سنسان پڑا تھا سلطان کے دل میں تغیرات وحوادث عالم کے حسرت انگیز خیال نے ایک درد پیدا کر دیا۔ اور اس وقت اِس نے نہایت عبرت کے لہجہ یا بصد اندوہ یہ فارسی شعر پڑھا ؎

پردہ داری می کند بر قصر قیصر عنکبوت
چند نوبت می زند بر گنبد افراسیاب

یہ قصر دیکھ کے فتحمند سلطان کو شاہنشاہ قسطنطین کے پچھلے وارث روم کا خیال آیا اُس نے دریافت کیا کہ وہ کہاں ہے اور اُس پر کیا گزری آیا وہ بھاگ کھڑا ہوا گرفتار ہو گیا۔ یا لڑائی میں مارا گیا۔ مگر دو ینگچریوں نے بہت ہی جلد سلطان کے تعلق خاطر کو

بقیہ حاشیہ جیتا نہ چھوڑو ۱۸ البتہ عورتوں کی جان چھوڑ دی گئی۔ مگر وہ بھی موت سے زیادہ سخت ظلم کے واسطے +

کتاب پیتیں۔ تعداد۔ انصاف سے خون ٹپکتا ہے۔ دیسی اقوام پر یکے بعد دیگرے حملہ کیا گیا۔ نہایت بیرحمی سے قتل کی گئیں اور اُن کی زمین غصب کر لی گئی فلسطین میں جو ہولناک کارروائیاں ظہور میں آئی تھیں اُن کے سامنے آرمینیا کے مظالم کی تو کچھ حقیقت ہی نہیں +

کتاب سمعیل باب ۱۵ آیت ۳ میں خدا اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ "جاؤ اور عمالیق کو تو چھا اور جو کچھ اس کے پاس ہے تباہ کر دو۔ کچھ باقی نہ رکھو۔ عورت۔ اور مرد۔ بچے اور شیر خوار۔ بیل اور بھیڑ۔ اونٹ۔ گدھے سب یک قلم تہ تیغ کر دو +

خدا کے مقبول بندوں نے جو نفرت خیز اور حقارت انگیز ظلم وتعدی روا رکھی تھی ان کی طول طویل حکایات میں سے نمونتاً صرف یہی ایک کافی ہے کہ:۔

کتاب تعداد آیت ۳۱ میں خدا موسیٰ کو حکم دیتا ہے کہ جاؤ اور مدیانتاؤں پر حملہ کرو۔ اور اُس نے ایک ایسی فوج بھیجی۔ جس نے نہایت بیرحمی سے ایک لاکھ آدمی قتل کر دئے یہ جنگ نہیں تھی کیونکہ ایک یہودی بھی نہ مارا گیا تھا۔ بلکہ یہ ایک بے گناہ اور بے قصور قوم

رفع کر دیا اور اُس کے مذکورہ خیالوں کا فیصلہ کر دیا۔ اُنہیں دو نو نے شاہنشاہ کو قتل کیا تھا۔ اور اب اِس کارگزاری کی عزت اور انعام و اکرام کے مستدعی ہوئے نعشوں کے انبار ہٹائے گئے تو اُن کے نیچے سے اُس مقتول کی لاش برآمد ہوئی۔ اس کے جوتے پر جو سُنہرہ عقاب بنا تھا اُس سے لوگوں نے اِس کو پہچانا۔ اور عیسایوں نے اس کی تصدیق کی بیشک یہ صحیح قیاس ہے کہ سلطان کو اُس کی لاش دیکھ کے بڑا افسوس معلوم ہوا۔ اسی لئے کہ اُس نے اپنے حریف کی لاش کو باعزاز تمام دفن کرایا۔ خصوصاً اس بنا پر کہ شاہنشاہ کے قتل کے بعد جب سے بڑے مرتبہ کا شخص ڈیوک لیوکس نوٹاراس مرحوم دولت روم کا وزیر اعظم سلطان کے

بقیہ حاشیہ کا قتل عام تھا۔ جب ان بوچڑوں اور قصاب قاتلوں کی فوج واپس آئی تو موسٰے نے دیکھا کہ ان کے پاس کئی ایک قیدی بھی ہیں۔ موسٰے کی خون پیاس ابھی نہیں بجھی تھی۔ چنانچہ انہوں نے کہا "کیا تم اِن بچوں اور عورتوں کو سلامت لائے ہو"؟ اور اس کے بعد ایک ایسی زبان میں جو انجیل کے صفحوں کے باہر بالکل استعمال ہونے کے قابل نہیں۔ موسٰے نے ہیبت اور سہم پیدا کر دینے والا حکم اِن بچوں اور اِن کی ماؤں کی قتل کا دیا اور جوان لڑکیاں اپنے ماں باپ کے قاتلوں کو خراب کرنے کے واسطے دیدی گئیں اور اس طرح پادری "خدا کے حصہ" میں شریک ہوئے۔ اب آرمینیا کدھر گیا۔؟ وہ متقدس جو ترکوں کی تردید کرتے ہیں جب اس کے بعد انجیل میں یہ کارروائیاں پڑھیں تو ذرا خدا کے مقبول بندوں کی بھی تردید کریں +

اِن لوگوں سے جو جرائم سرزد ہوئے وہ خدا کے براہ راست حکم کی تعمیل تھے۔ اور اگر یہ نہیں تو انجیل جھوٹی ہے اور وہ خدا جس نے سماریا کے لوگوں کے واسطے یہ سزا تجویز کی تھی کہ "اُن کے بچے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے جائیں۔ اور اُن کی عورتیں ستیاناس کیجائیں" ۔ (ہوشیا باب ۱۳ آیت ۱۶) غرض یہ وہی خدا ہے جس سے عیسائی ایشیائے کوچک میں خونریزی روکنے کے لئے دعائیں مانگتے ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ سمجھنے لگے ہیں کہ ان کی دعائیں بیکار اور بے سود ہیں لہٰذا اب خدا کو چھوڑ کر انسانی کوشش سے اِس نتیجے کے متجسس ہیں +

مہذب کی اور ہیبت زدہ عیسائی دنیا کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ متقی اور پرہیزگار عیسائی یہود

سامنے حاضر ہؤا اور جب اُس نے اپنا جسم اور مال و متاع پایۂ تخت کے نذر کرنا چاہا تو سلطان نے نہایت ہی نفرت کے تیوروں سے پوچھا "اس خزانہ کو تم نے اپنے بادشاہ اور اپنے ملک کی حفاظت میں کیوں نہ صرف کیا" قسطنطنیہ کی موجودہ حالت نے سلطان محمد کے دل پر بہت بڑا اثر کیا۔ اُس کو اہل شہر کی مصیبتوں کا خیال کرتے ہی دل میں ایک چوٹ لگتی تھی۔ یہ تو جانتا تھا کہ ان تباہیوں کا بانی وہ خود ہے۔ لہذا اب اس نے اس بات کی کوشش شروع کی کہ جہاں تک ہو سکے ان نقصانوں کا معاوضہ کرے اور اپنی بڑی رحمدلی کے ساتھ اہل شہر اور شاہی خاندان کی ہمدردی پر آمادہ ہو گیا۔ وہ شاہنشاہ کی بی بی سے ملنے گیا جو ایک معمر شہزادی تھی۔ بیماری اور غم نے اس کا حال تباہ کر رکھا تھا اُس کے مصائب پر سلطان نے اپنا افسوس ظاہر کیا اور اُسے بہت تسکین دی۔ تشفی آمیز کلمات کہے اور نہایت ہی انسانیت بلکہ فرزندانہ آداب سے پیش آیا۔ اسیطرح کی عنائتیں اس نے دیگر اراکین سلطنت کے ساتھ بھی کیں اور اپنی مغلوب رعایا سے ایک دوست یا ایک شفیق باپ بننے کا وعدہ کیا۔ اس نے زیادہ تر مقدس عمارتیں نصاریٰ ہی کے لئے چھوڑ دیں[۱] اور سب سے بڑا ثبوت ہمدردی کا یہ تھا کہ اس نے قوم اور امراء پر خود اُن کے مذہب کے مطابق بطریق مقرر کیا

بقیہ حاشیہ نے انجیل کے احکام کی تعمیل میں اتنی کوشش کی کہ فلسطین کو جس پر بزرگ حکمران تھے اس قدر تباہ اور برباد کیا کہ مقتولوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔ مکاڈ صاحب اپنی صلیبی لڑائیوں کی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ صلیبی قاتلوں نے ایسے ستم کئے کہ جن سے خود نیچر جھجک پڑی اور تھرا اُٹھی۔ ایک موقع پر مسلمان مقتولوں کا خون واقعی گھٹنوں گھٹنوں تک بہنے لگا۔ اور ماؤں نے اپنے بچوں کا خود ہی خنجروں سے کام تمام کر دیا۔ تاکہ اُن کو قاتلوں کے ہاتھ اس سے سخت اذیت اور جان کنی نہ اُٹھانی پڑے +

ہم کو خوف ہے کہ اکثر عیسائیوں کے پریشان اور گھبرائے ہوئے دماغوں میں اتنی گنجائش نہیں کہ ان دلائل کی سمائی ہو سکے اور نہ اتنی ترقی باقی ہے کہ ان واقعات کا اثر جذب ہو سکے۔ اور ہمارے آزاد خیال دوست بریڈلاف کے ممبروں نے انجیل کے قول سے سوروں کے آگے موتی پھینکے ہیں + [۱] دیکھو اڈمنڈ اولیر "سوزرکش دار" جلد اول صفحہ ۲۴۶ +

اور عصائے بطریقی قیاصرہ کے قدیم دستور کے مطابق اُس کو مرحمت فرمایا۔ خود اس نے اپنے جیب خاص سے روپیہ سے یونانی قیدیوں کی ایک تعداد کثیر ینگچریوں سے مول لے کے آزاد کر دی اور مقام فنار ان کو رہنے کے واسطے دیا۔ جنو میز غلاطہ میں رہے۔ اور ان سے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی گئی۔ پانچ ہزار زمانہ اُن سلطان کے ایشیائی صوبوں سے چُنے گئے اور ستمبر کے آخر تک ان کو اس نئے مفتوح شہر میں بس جانے کا حکم ہوا۔ الغرض یہ کارروائیاں تھیں جو اس سلطان کے ہاتھ سے ظاہر ہوئیں جس کو عیسائی مورخ ہمیشہ "ظالم" "بے رحم" "نیم وحشی" وغیرہ خطاب دیا کرتے ہیں۔ جب کہ خود اُن سے کوئی جواب نہ بن پڑیگا۔ جب پوچھا جاویگا کہ سلطان نے تو خیر بعد فتح قسطنطنیہ کے ساتھ اتنا سلوک بھی کیا تھا اور کیا سلوک کیا گیا مُسلمانوں سے جب اُن پر غرناطہ میں تلواریں بُلند ہوئیں تھیں۔ جب ان کا بیت المقدس میں قتل عام ہوا تھا اور جب کروسیڈ والوں نے ان کے بچوں کو ٹپک ٹپک کے مارا تھا۔

اس طرح قسطنطنیہ اپنی تعمیر کے گیارہ سو تئیس برس بعد مسلمانوں کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ اور پوری ہوئی وہ پیشینگوئی جو بانی اسلام نے (روحی فداک یارسول اللہ) کی زبان فیض ترجمان سے ساڑھے سات سو برس پیشتر ظاہر ہوئی تھی۔

اِس ممتاز اور حیرت انگیز فتح کی خبر جب دنیا میں پھیلی تو ساری دنیا کے بادشاہ سلطان محمد سے خوف کھانے لگے۔ خدیو مصر۔ تاجدار عجم اور سلاطین ارض مغرب نے مبارکباد و تہنیت کے خط لکھے۔ ایک باخدا مسلمان مورخ لکھتا ہے "اس میں شک نہیں کہ یہ بہت بڑی اور عظیم الشان فتح تھی۔ خلفا اور بادشاہوں میں سے کتنے گذرے ہیں۔ جنہوں نے اس شہر کی فتح کی آرزو میں مُنتیں صرف کیں سرگرمیاں دکھائیں۔ اپنی دولت نمارت کی۔ اپنی اور اپنی فوج کی عمریں صرف کیں مگر مقصد کو نہ پہنچنا تھا نہ پہنچے۔ اللہ نے یہ آرزو سلطان محمد ہی کے لئے اُٹھا رکھی تھی۔ اِس لئے کہ اس کی نیت خالص تھی اور اس کے اخلاق اچھے تھے"۔ کسی نے کیا خوب تاریخ کہی ہے:۔

رام امر الفتح قوم اولون
جازہ بالنصر قوم اخرون

امر کی فتح کی آرزو اگلی قوموں نے کی اور فتح کی مراد کو پچھلے پہنچے اخرون کا لفظ مادۂ تاریخ ہے جس سے ۸۵۶ نکلتے ہیں۔ بعضوں نے اس کی تاریخ بلدۃ طیبۃ کہی ہے۔ اگرچہ ۃ تاریخ والوں اور شعرا کی تحقیق میں ۃ سمجھی جاتی ہے مگر بعضوں کے نزدیک جائز ہے۔

فتح کے تیسرے دن سلطان محمد نے شیخ العصر شیخ شمس الدین سے عرض کیا کہ اپنے انکشاف باطن کی قوت سے مجھے اس تربت پاک کی زیارت کرا دیجئے جس میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ آرام فرما رہے ہیں۔ شیخ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اس شہر میں ایک طرف ایک نور دیکھا ہے کیا عجب کہ ان کا روضۂ مطہر اسی مقام پر ہو۔ یہ فرما کے شیخ ممدوح اس مقام پر آئے کچھ دیر عالم مراقبہ میں مستغرق رہے۔ پھر سر اٹھا کے فرمایا "میں ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روح سے ملا۔ انہوں نے مجھے اس فتح پر مبارکباد دی اور فرمایا۔ اللہ جل شانہٗ نے تمہاری سعی مشکور کی کہ تم نے میری قبر کے قریب سے کفر کی تمام ظلمتیں اور اس کی تجاسیں دفع کیں۔ یہ خبر فوراً سلطان کو معلوم ہوئی وہ خود ذوق و شوق سے دوڑا ہوا اس مقام پر آیا اور عرض کیا:-

"یا حضرت مجھے کوئی ایسی علامت دکھائیے۔ جس کو میں اپنی آنکھ سے بھی دیکھوں یہ کسی بدظنی کی وجہ سے نہیں ہے ولکن لیطمئن قلبی۔ تاکہ میرے دل کو اطمینان ہو جائے۔ شیخ نے پھر مراقبہ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کے فرمایا۔ اس مقام کو کھودو یہ وہ مقام ہے جو ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر شریف سے سر ہانے کی طرف دو ہاتھ ہٹ کے ہے۔ اور یقین دلایا کہ یہاں پر ایک سنگ مرمر کا ٹکڑا

۱؎ گبن نے اپنی "ڈکلائن اینڈ فال" کے باب ۵۲ صفحہ ۹۲۷۔ اور باب ۶۸ صفحہ ۱۲۸۲ میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۲؎ حضرت ابو ایوب انصاری قسطنطنیہ کے پہلے حملے میں جو خلیفہ معاویہ بن ابی سفیان کے عہد میں ہوا تھا شہید ہوئے تھے دیکھو گبن باب ۵۲ صفحہ ۹۲۷۔

نکلیگا۔ اُس پر عبرانی حرفوں میں کچھ لکھا ہوا ہے اور وہی اُس جلیل القدر صحابی کی قبر شریف کا پتہ دیدے گا۔ کھودا تو وہ سنگ مرمر برآمد ہوا۔ جو لوگ زبان عبرانی پڑھ سکتے تھے اُنہوں نے پڑھا اور پڑھتے ہی ظاہر ہوا کہ یہی قبر ابوایوب انصاری رضؓ کی ہے *

شیخ کا یہ مکاشفہ دیکھ کے سلطان محمد پر ایک عالم وجد طاری ہوا۔ اور وہ اس قدر از خود رفتہ ہو گیا کہ لوگ پکڑ نہ لیتے تو بیشک گر ہی پڑا تھا۔ خیر ہوش میں آ کے سلطان نے حکم دیا کہ اس قبر پر ایک گنبد قائم کیا جائے اور اسی کے قریب ہی ایک جامع مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔ جب وہ تیار ہو گئی تو بڑے جلوس اور شان و شوکت سے وہ اس معبد الہٰی میں گیا اور نماز ادا کی *

بعد نماز شیخ شمس الدین نے سلطان محمد کے ہاتھ میں تلوار دی اور اسی وقت سے یہ دستور ہو گیا۔ کہ جو سلطان تخت نشین ہوتا ہے وہ اسی جامع میں جو جامع ایوب کے نام سے مشہور ہے جا کے اپنے وقت کے شیخ الاسلام کی مرحمت کی ہوئی تلوار کمر میں باندھتا ہے۔ اور یونہیں سلاطین ترک کی تخت نشینی ہوا کرتی ہے۔ یہ رسم شاہان نصاریٰ کی "کارونےشن" (تاج پوشی) کے مقام پر ہے *

اس وقت سے سلطان نے قسطنطنیہ کو اپنا مستقر خلافت قرار دیا۔ اور دیگر ممالک کی فتح میں مشغول ہو گیا۔ اس نے والیشیا کے بادشاہ کو زیر کر کے سرویا اور بوسینا اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ لیکن تاہم وہ شمال میں اپنی سرحد شاہنشاہی کو زیادہ اور وسعت نہ دیسکا۔ اس نے بلگریڈ کا محاصرہ کیا۔ جان ہینڈی اس وقت تک زندہ تھا۔ اس نے اور جان کیسٹران نے مع اپنے ساٹھ ہزار صلیبی مجاہدین کے جانیں لڑا دیں۔ ۶۔ اگست ۱۴۵۶ء کو ایک بہت سخت لڑائی ہوئی اور فاتح قسطنطنیہ کو اس حملہ آوری میں زخمی ہو کے محاصرہ سے دستبردار ہونا پڑا۔ ہینڈی بھی زخمی ہوا تھا۔ مگر وہ ایسا زخمی ہوا۔ کہ پھر نجات نہ ملی زخمی ہونے کے بیس ہی دن بعد اپنے بیٹے کو اپنا قائم مقام بنا کے مر گیا *

البانیا میں بھی ابتداءً سخت مصیبتیں درپیش آئیں۔ کیونکہ اپاٹرس میں

ایک جنگجو "پیئریٹ" پیدا ہوا تھا۔ جو ہیئڈمی سے کسی بات میں کم نہ تھا۔ یہ شخص اپانرس کے شاہی خاندان سے تھا۔ اور اس کا اصل نام جیارج کیسٹرپوتھا اپنے بچپن کے زمانے میں وہ مراد دوم کے دربار میں ہوسٹیج (کفیل) کے طور پر بھیجا گیا تھا۔ دربار میں پہنچ کے اپنی ہمت وعالی دماغی پر سلطان کی بے حد عنائتیں مبذول دیکھ کے وہ مسلمان ہو گیا۔ اور درحقیقت اُس کے اسلام لانے سے سلطان مراد اس قدر خوش ہوا تھا کہ اُسے اپنے بیٹوں کے برابر سمجھتا تھا۔ اور اس کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ مراد نے اُسے فوج کا ایک اعلیٰ عہدہ دار کر دیا۔ اب وہ سکندر بیگ کے نام سے مشہور ہوا۔

اگرچہ سکندر بیگ پر سلطان انواع و اقسام کی عنائتیں کرتا رہا اس کو فوج کا امیر کر کے ایشیا میں بھیجا۔ ہنگری کے مقابلہ میں جو فوج گئی اس میں بھی یہ اعلےٰ افسر تھا۔ مگر اس کورنمک نے احسان فراموشی کی۔ فوج کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور دغابازی سے کرو یہ (اپانرس کا ایک شہر ہے) پر قبضہ کر لیا۔ اس نے سلطان کے سکرٹری کو پکڑ لیا۔ اور اس سے سلطان کے نام سے گورنر کرو یہ کے نام اس مضمون کا ایک حکمنامہ لکھوایا تھا کہ شہر اس کے سپرد کر دیا جائے۔ اور اس کے بعد اس بیکس سکرٹری کو بڑی بیرحمی سے قتل کرڈالا تاکہ راز افشا نہ ہونے پائے گورنر کو ان باتوں کی خبر نہ تھی۔ اس نے کنجیاں سکندر بیگ کے حوالہ کر دیں۔ اس نے قبضہ پاتے ہی فوراً ترکوں کو شہید کرنا شروع کیا۔ اسلام سے مرتد ہو گیا۔ اور تمام اپانرس والوں کو بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ مراد کے باقیماندہ عہد میں سکندر بیگ اپانرس کے پہاڑوں پر قابض رہا۔ اور ادھر کا رستہ بند کر دیا۔ مراد نے تین مرتبہ بے دلی سے مختصر فوجیں اس کے لئے روانہ کیں۔ مگر تینوں مرتبہ شکست ہو گئی۔ اسی اثنا میں سلطان کو مرض الموت لاحق ہو گیا۔ اور موت نے ارادوں کو ناتمام رکھا۔ پھر جب سلطان محمد ثانی تخت پر بیٹھا۔ تو اُس کو بھی اپنی لڑکپن کی دوستی اور محبت کے خیال نے سرگرمی کے ساتھ سکندر بیگ کے قلع قمع پر آمادہ نہ ہونے دیا۔ یہ یقین ہے کہ اگر سکندر بیگ کچھ خراج دینے پر راضی ہو جاتا۔ تو سلطان ضرور منظور کر لیتا اور اُس سے مزاحمت نہ کرتا۔ مگر اپانرس والوں نے خراج دینا تو کیا

اُلٹے مقدونیہ اور تھسلی پر لوٹ مار شروع کر دی۔ مگر سلطان کو سکندر بیگ سے کچھ ایسی ہمدردی تھی کہ اُس نے پھر بھی جو کارروائی کی وہ یہی تھی کہ ۱۴۶۱ء میں ایک عہدنامہ کے رو سے سکندر بیگ کو اپاٹرس اور البانیا کا امیر تسلیم کر لیا۔ ۶ برس بعد سکندر بیگ مر گیا۔ اب کس کی مروت باقی تھی فوراً فوجیں روانہ ہوئیں اور باقی البانیا کا الحاق کر لیا گیا۔

سلطان نے ایک سلسلہ فتوحات کے بعد یونان کو بھی اپنے قلمرو میں شامل کر لیا گنیشیا کی سلطنت جمہوری کی وجہ سے کسی قدر دقتیں پیش آئیں مگر آخر کار بالکل تسلط ہو گیا۔ موریا (سپارٹا) میں انتہا کی بد انتظامی تھی۔ لوگ آپس میں لڑتے مرتے تھے۔ اور ڈمیٹرلیس (پالا لوگ) کے سنبھالے انتظام نہیں سنبھلتا تھا لہٰذا ۱۴۶۱ء میں سلطان نے خلق خدا پر ترس کھا کے اس کو بھی بعد فتح داخل ممالک محروسہ کیا۔ ڈمیٹریس نے براہ خوشامد اپنی نازنین اور پری تمثال بیٹی سلطان عالیشان کے نذر کی۔ یوں سلطان کی مہربانی حاصل کر کے اورنہ میں آیا اور ایک پولیٹکل پنشنر کی حیثیت سے باعزاز تمام رہنے لگا۔ اس سال میں سلطان نے ٹریپ زانڈ کو جو اس زمانہ میں ایک خودمختار ریاست کی حیثیت رکھتا تھا۔ اور یونان کے کامینیئی خاندان کا ایک شخص شہنشاہ کے لقب سے اس پر حکمران تھا اُس کو بھی فتح کر لیا۔ اور وہاں کے شہنشاہ اور اس کے خاندان کو رومانیا کا ایک قلعہ رہنے کو لئے دیا گیا۔ مگر قسمت بُری تھی اپنی فساد انگیز طبیعت کو کیا کرتے۔ بیٹھے بیٹھے ان بزرگ نے اپنی بیکاری کے لئے یہ مہیب شغل اختیار کیا کہ شاہ ایران سے خط و کتابت شروع کی اور اپنے تئیں بغاوت کا مرتکب ثابت کر دیا۔ جس کے بعد مراحم سلطانی کے بھی آپ مستحق نہ رہے اور آخر اپنی سزا کو پہنچے۔ ۱۴۷۵ء میں کریمیا فتح ہوا۔ اب سلطان کا ارادہ تھا کہ ایطالیہ کو فتح کر کے روم کی مغربی سلطنت کا بھی خاتمہ کر دے اور اسی سلسلہ میں ۱۴۷۹ء میں وینیشیا کی سلطنت جمہوری کو سقوطرا اور دیگر مقامات سے دستبردار ہونا پڑا۔ ۱۴۸۰ء میں جزیرہ روڈس پر حملہ ہوا۔ مگر ناکامی ہوئی۔ جس کے بعد سلطان کا قصد تھا کہ سال آئندہ بذات خود حملہ کر کے اس کو فتح کرے اور بیشک اگر اس کی زندگی وفا کرتی تو وہ فتح کر لیتا۔

اسی ۱۴۸۰ء میں اٹرنٹو[1] فتح ہوا۔ اور شاہ ایران کو ایک مرتبہ سے زیادہ زک ملی آٹرنیٹو کی فتح سے ایطالیہ میں ایک تہلکہ پڑگیا۔ اور ہر دل پر ایسا رعب و خوف بیٹھ گیا کہ خود پوپ سکسٹس چہارم باوجود تقدس و مرجعیت عامہ کے کوہ الپس کے اُس پار بھاگنے کو آمادہ اور تیار بیٹھا تھا۔ لیکن یہ فتح ترکوں کے نصیب میں تھی اس سلطان غازی کی زندگی کے دن پورے ہوگئے تھے۔ دوسرے سال سلطان غازی محمد خان ثانی ایک بہت بڑی فوج تیار کر رہا تھا۔ لیکن یہ امر کہ کس ملک پر چڑھائی کا قصد ہے۔ ایک ایسا راز تھا جس کی سوا اس کے اور کسی کو خبر نہ تھی۔ امیدیں ایسی بلند پروازیاں کر رہی تھیں کہ دفعتہً پیغام اجل آگیا اور ۳۔ مئی ۱۴۸۱ء کو مقام تبھینا میں رہ نورد عالم بالا۔ اور مسند نشین باغ فردوس ہوا۔ خدا غریق رحمت کرے ؞

اس باجروت سلطان کی نعش کو لوگ قسطنطنیہ میں لے گئے اور اسی کھاڑے میں جہاں قدرت نے زور مردی اور اولوالعزمی کے سب سے قیمتی اور سب سے زیادہ ہار اس کے گلے میں ڈالے تھے اور جسے خود اس کے قوی بازو اور گرانبار گرز نے فتح کیا تھا وہیں اس کو آغوش لحد کے سپرد کیا ؞

مرحوم سلطان باعتبار جہاد کے سب سے بڑا اور بلحاظ حملہ آوری اور جفاکشی کے سب سے قوی تھا۔ ہر امر میں خدا پر توکل کرنا اس میں دیگر سلاطین سے بہت زیادہ تھا۔ وہی ہے جس نے نسل عثمان کی سلطنت کو مضبوط کر دیا۔ اور اُن کے لئے ایسے قوانین بنا دیئے جو ہمیشہ زمانے کے گلے میں اس کے طوق غلامی کی طرح پڑے رہینگے۔ اُس کے اوصاف بہت زیادہ ہیں اور روز و شب کے صفحات پر اُس کے کارنامہ لکھے ہوئے ہیں جن کو رفتار زمانہ ہرگز نہ مٹا سکیگی ؞

جب اُس کے انتقال کی خبر مشہور ہوئی تو ساری عیسائی دنیا نے گھی کے چراغ جلائے۔ روم نے اپنی رہائی کی خوشی میں تین دن تک جشن کیا۔ مسٹر سٹینلی لین پول لکھتے ہیں :۔

"یہ کہنا مشکل ہے کہ اگر ایک سال وہ اور زندہ رہتا تو کیا ہوتا۔ آٹرنٹو کی فتح کے بعد

[1] برنڈسی کے قریب ہے ؞

روم کی تباہی آتی۔ فاتح کی موت نے یورپ کو بچا لیا۔"

فاتح قسطنطنیہ ایک پستہ قد اور قوی الجثہ شخص تھا جسمانی قوت اُس کی مشہور تھی۔ اور تیر اندازی میں بے بدل تھا۔ رنگ گندم گون۔ مائل بزردی تھا اور چہرہ پر معمولاً حزن کے آثار نمودار رہا کرتے تھے۔ ناک بڑی اور طوطے کی منقار کی طرح خمدار تھی۔ آنکھیں بہت تیز تھیں اور اُن میں حلقے پڑے رہتے تھے سلطان محمد میں جہاں بانی کے بہت سے اوصاف تھے۔ اُس نے قوانین جاری کیئے۔ اور اپنے عہد کا بلکہ اپنے خاندان کے اگلے اور پچھلے فرمانرواؤں میں ایک مقنن تھا۔ رعایا پر انصاف ہونے کے اصول کو اس نے بہت ترقی دی۔ قاضیوں اور افسروں پر بے انصافی کا ثبوت پاکے سخت تشدد کرتا تھا۔ اور قریب قریب سب کو اپنے اپنے فرائض مذہبی ایمانداری کے ساتھ ادا کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ چوری اور ڈاکہ زنی اُس کے زمانہ میں عنقا ہو گئی تھی۔ اور رعایا نہایت مرفع الحال تھی ؛

خود اُس کی دماغی قوت نہایت اعلےٰ تھی۔ اور علمی ذوق تو تھا ہی وہ ایک طالبعلمانہ ذوق رکھتا تھا علماء و فضلاء کی صحبت کا بڑا شائق تھا۔ عربی۔ ترکی فارسی یونانی اور لاطینی زبانیں خوب اچھی طرح جانتا تھا۔ اِن پانچوں زبانوں میں جس بے تکلفی کے ساتھ گفتگو کر سکتا تھا اُسی بے تکلفی سے اُن کو لکھ بھی سکتا تھا۔ نظم سے اس کو کمال ذوق تھا۔ خود بھی شعر کہتا تھا تیس ترکی شاعر اس ترکی مکینا[1] س جیب خاص سے تنخواہیں پاتے تھے۔ ملا جامی اس کے عصر میں زندہ تھے۔ سلطان ان کو ہر سال نذر بھیجا کرتا تھا۔ جامی نے اس کی تعریف میں ایک قصیدہ بھی کہا ہے جس کا مطلع ہے ؎

کم کسے برسر بر جاہ و جلال
چوں تو کرد اکتساب فضل و کمال

اس کی فیاضی سے بہت سے کالج مساجد۔ اور خانقاہیں بن کے طیار ہو گئیں ازانجملہ صرف قسطنطنیہ میں بعد فتح آٹھ مدرسہ قائم کئے تھے جن کے مدرس اُسی زمانہ میں

---

[1] اگسٹس کا وزیر تھا۔ مشہور لاطینی شعرا ورجل اور ہریس کا مربی اور دوست تھا۔ یہ شخص اپنے زمانہ کے تمام مشہور مصنفوں کی سرپرستی کرتا تھا ؛

کے اعلےٰ درجہ کے اہل کمال خیال کئے جاتے تھے اور بڑے بڑے روزینہ پاتے تھے۔ اس کے امراء سے بھی اکثر اسی کی سی فیاضیاں ظاہر ہوتی رہتی تھیں۔ ان میں سے ایک محمود پاشا فاتح نگرو پانٹ ہے۔ جو خود شاعر بھی تھا اور ایک اعلےٰ مدرسہ کا بانی تھا۔

سلطان محمد کو علم تاریخ میں خوب دخل تھا خصوصاً سکندر اعظم۔ جولیس سیزر۔ اور ایسے ہی دیگر ناموروں کی سوانح عمریاں اس کے نوک زبان پر تھیں۔ اور انہیں سوانح عمریوں کو اس نے اپنی زندگی کا نمونہ قرار دیا تھا۔ اس کا ذاتی مرتبہ دنیا کے جنرلوں اور فاتحوں کی فہرست میں اعلےٰ درجہ پر ہے۔ اس کا یہ مشہور مقولہ " اگر میری ڈاڑھی کا ایک بال بھی اس سے واقف ہو جائے تو میں اس کو اکھاڑ کے پھینکدوں" اس شخص کے جواب میں جس نے پوچھا تھا کہ لڑائی میں کیا ترتیب ہوگی۔ اس کی اعلےٰ سپہ سالاری کا شاہد ہے۔ رازداری اور بجلی کی سی سُرعت رفتار اس کے فتوحات کی کنجیاں تھیں۔ ترکی مورخین اس کو محمد اعظم یا فاتح کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ اور مغربی مصنف قسطنطنیہ کی فتح سے اس کو اور اس کے جانشینوں کو شاہنشاہ لکھتے ہیں۔

قسطنطنیہ

احوال بالاجمال

ایشیا کی طلائی کلید

برسوں کی خونریزی اور ہنگامہ کارزار ! انسانی امکان کی ہوشیاری - دانائی - فراست اور قوت ! زمانہ کا آرام و آسائش ! غرض یہ قیمت تھی جو اس چند میل زمین کے واسطے سلطان محمد ثانی نے ادا کی تھی جو روبیلی حصار اور سینٹ صوفیہ کے مابین واقع ہے - انگریزی مورخ لکھتے ہیں کہ فاتح نے اپنا خون آلودہ ہاتھ اِس مبارک گھڑی میں جب اس کو فتح نصیب ہوئی سینٹ صوفیہ کے مینار پر لگا دیا تھا - اور یہ نشانی آج تک برقرار ہے ! مگر ایک انگریزی مورخ لکھتا ہے کہ یہ صرف ایک معمولی روایت ہے - کیونکہ آج عام طور پر نہایت وثوق سے انکار کیا جاتا ہے کہ گرجا کے احاطہ کے اندر ایک قطرہ خون کا نہیں گرا تھا - اور جس قدر عیسائی یہاں جمع تھے سب بلا قتل و خونریزی قید کر لئے گئے تھے +

بہرحال جس وقت فاتح نے خون کا نشان لگایا ہوگا وہ وقت تھا جب مشرق و مغرب ملے تھے مگر کس طرح ؟ آخر الذکر کا سر اول الذکر کے سامنے اطاعت کے واسطے جھکا ہؤا - اور اُسی وقت سے جو ماضی تھا فراموش ہو گیا - اور استقبال کے آثار ہویدا ہونے لگے - اور قسطنطنیہ قسطنطین جسٹنین اور یونانی شاہوں کا ابدالآباد کے واسطے صفحہ ہستی سے نام مٹ گیا ! اور ایک انگریز مورخ کے الفاظ میں بے بہا گوہر جو تمین زریں بحروں کے الحاق پر جڑا ہؤا تھا یورپ کی گردن سے اُتارا گیا اور ایشیا کے

تاج میں نہایت نمایاں طور پر موزونیت کے ساتھ جڑ دیا گیا +

تاریخ میں ایسا شاذ و نادر ہی ہوا ہے کہ ایک شہر جو ایک ہزار سے زائد سال تک ایک زبردست اور مشہور سلطنت کا پایۂ تخت رہا ہو۔ اس طرح چوبیس گھنٹہ میں ایک اور سلطنت کا مستقر بن گیا ہو جس کی بانی اور مکمل کرنے والی ایک ایسی نسل ہو۔ جو بلحاظ زبان۔ بلحاظ مذہب اور بلحاظ تمدن و معاشرت بالکل غیر اور اجنبی ہو۔ اس قوم سے جنکی قسمت میں کاتب قدرت نے اس قدر قلیل عرصہ میں اپنی قسمت کے عروج کے ستارہ کو ادبار میں ڈوبتے دیکھنا لکھا ہو +

اس میں شک نہیں کہ محمد کے وقت میں اس زمانہ میں جو تغیر ہونا چاہئے تھا وہ پورا ہوا۔ اور کئی پہلوؤں سے اکثر طبائع کے نزدیک انسانیت کے قوانین سے بالکل مختلف۔ مگر خود انگریزی مورخ مقر ہیں کہ جو کچھ ہوا۔ اس سے صرف فاتح کی حوصلہ مندی بے تعصبی اور اعلےٰ درجہ کی شرافت کا ثبوت ملتا ہے۔ مسٹر مسر ین کرافورڈ لکھتے ہیں کہ اس زمانہ سے آج تک میرے یقین میں قسطنطنیہ میں کوئی حرکت ایسی نہیں جسکو ہم عیسائیوں یا یہودیوں کی ایذا رسانی سے موسوم کر سکیں۔ پیرا سقوطری اور استنبول کو یکجا کرکے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ اس ترکوں کے پایۂ تخت میں عیسائی ہیں۔ اور یہ ایک ایسا امر واقعی ہے جس سے ترکوں کی بے تعصبی کا کافی اور وافی ثبوت ملتا ہے۔ جس کے واسطے وہ مناسب اور بجا مشہور ہو رہے ہیں +

اس میں شک نہیں کہ بڑے بڑے گرجے مسجدیں بنا دئیے گئے تھے۔ اور ہر جگہ صلیب کی بجائے ہلال دکھلائی دیتا تھا۔ جہاں جہاں گرجوں میں حضرت مریم ع حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور اُن کے حواریوں کی تصویریں تھیں۔ ان سب پر ہمیشہ کے واسطے موٹی قلعی چونے کی کر دی گئی۔ اور مسلمانوں کے مذہب کی تاکید ہی سادگی نے ان کی جگہ اللہ ۔ محمد ۔ ابو بکرؓ۔ حسنؓ اور حسینؓ ۔ عمرؓ عثمانؓ اور علیؓ ۔ کے نام لکھوائے . . . . . لیکن باوجود اس کے برخلاف اُن امیدوں کے جو ایسے زمانہ میں ایسی فتح کی تحصیل کے بعد ہوا کرتی ہیں۔ سلطان محمد نے عیسائی گرجا مسلمانوں کی مساجد کے واسطے بطور نمونہ کے پسند کیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج جتنی ترکی مسجدیں ہیں وہ کم و بیش سینٹ صوفیہ کی نقالیں ہیں +

گو زمانہ کے انقلاب نے اکثروں کے دلوں میں قسطنطنیہ کی طرف سے مختلف امیدیں پیدا کریں۔ زود اعتقاد یورپین ممکن ہے کہ یہ یقین رکھتے ہوں کہ کوئی زمانہ ایسا آجائے اور ضرور آئیگا کہ ہلال کی بجائے صلیب کا معرکہ نظر آئیگا اور قسطنطنیہ کے ایا صوفیہ میں بجائے ایک خدائے واحد کے تثلیث کا وعظ ہوگا۔ مگر بقول ایک انگریزی مورخ کے خود اسی کے الفاظ ہیں :۔

"گو عثمانی کسی دن اسی ایشیائی تاریکی میں ڈوب جائیں جس سے وہ نکلے تھے قسطنطنیہ نیا نام پاکر بھی شاید قیامت تک مشرق کا دارالسلطنت ایشیائی کی طلائی کلید اور وہ جواہر رہیگا۔ جس کی خواہش کی آگ دنیا کے تاجداروں کے سینوں میں شعلہ زن رہیگی۔ اور جس کے تصرف کے واسطے دنیا کی حریص قومیں باہم جدوجہد اور جدال و قتال میں محو رہینگی"

قسطنطنیہ میں جو چیز سب سے بڑھ کر تعجب ناک اور ناظر کے دل پر حیرت انگیز طور پر مؤثر ثابت ہوتی ہے وہ اس کی بے انتہا جانداری ہے۔ جو اس کے زمانہ بنیاد سے آج تک ہزاروں موتیں جھیل کر برقرار ہے۔ سلطنت ٹرکی کو مرد "بیمار" کہنا تو ایک عام بات ہے۔ مگر اس سے بڑھ کر جانداروں شہروں میں شمار ہو سکے ؟ جس شخص نے پورے ۲۴ گھنٹے بھی گولڈن ہارن کے کسی کنارہ پر صرف کئے ہونگے وہ اسٹنبول کی سڑکوں یا غلطہ پل یا خود غلطہ کے مصروف محلوں یا اس سے اوپر پیرا کے ساتھ سکون کے خیال ہی کو دل میں جگہ نہ دیسکتا ۔

کوئی سیاح جو یورپ سے آئے خواہ اٹلی خواہ آسٹریا کی طرف سے اس کو اس پایۂ تخت کی زندگی۔ جانداری۔ حرکت اور مستعدی دیکھ کر ایک اچنبھا سا ہوتا ہے۔ کوئی شہر دنیا کے پردے پر ایسا نہیں ہے جہاں انسانیت کے اس قدر نمونوں کے کھوئی سے کھوئی چھیلیں اور سیاح سے مٹ بھیڑ ہو۔ یورپ کی ہر ایک قوم یہاں موجود ہے۔ اور ایشیا کی ہر نسل نظر آتی ہے اعلے سے اعلے اور ادنے سے ادنے طبقہ حیات انسانی کے لوگ غلطہ پر متعین عہدہ دار اترائی کا پیسہ دیتے ہیں ۔

پر وہ دنیا کے کسی شہر میں انسانیت اور قومیت کے اس قدر رنگ بھی نظر نہیں آتے

جتنے کہ اس شہر میں۔ صرف ترکوں کی ہی نسبت یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ تمام ایک قوم ہیں یا مختلف اقوام کا مجموعہ جن کو اخوت اسلامی نے ایک اتحاد کی لڑی سے باہم شیر و شکر کر دیا ہے ؛ کسی مسجد میں نماز کے وقت سیاح چلا جائے اُس کو گورا سُرخ ترک ایک کالے سے کالے حبشی کے ساتھ شانہ بشانہ ایک خدائے واحد کی جناب میں سربسجود ملیگا ۔

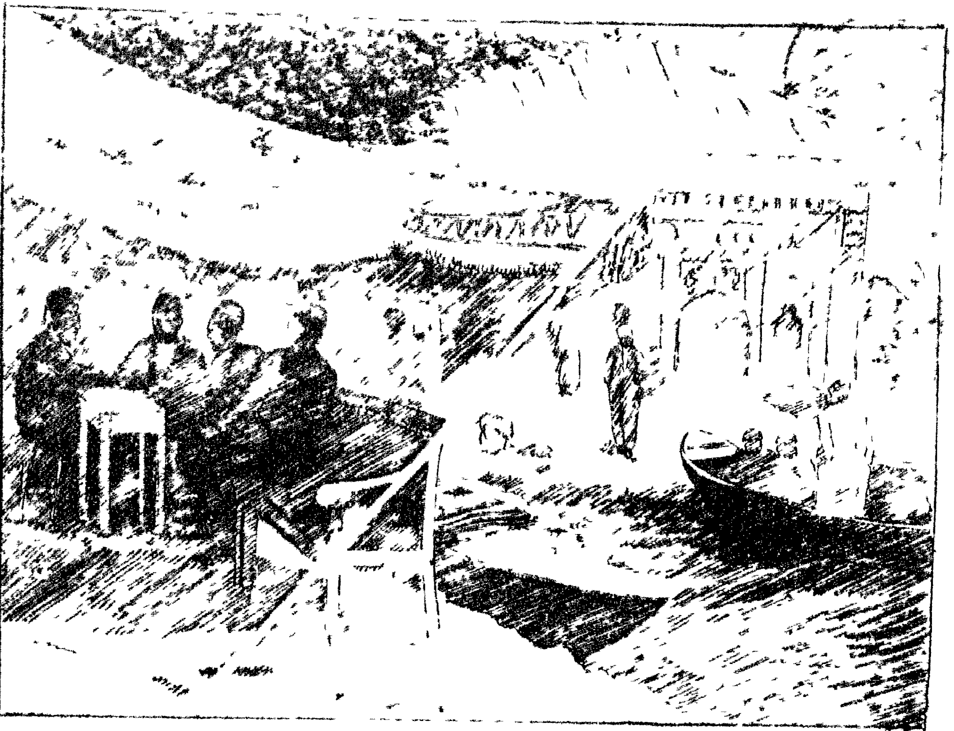
"مسجد میں سیاح جس وقت داخل ہو سب سے پہلے مسلمانوں کی نگاہ اُس کے پیروں کی طرف جاتی ہے۔ اس امر کی تحقیق کے لئے کہ آیا وہ ننگے پیر ہے یا اُس نے موزے پہنے ہوئے ہیں۔ (جو ہر ایک مسجد میں اسی غرض کے لئے موجود رہتے ہیں اور سیاح کو دروازہ پر مل سکتے ہیں۔ مسلمانوں میں ...... عام رسومات کی پابندی میں کوئی خالص بات ایسی موثر ہے کہ جو خواہ مخواہ دل پر حاوی ہو جاتی ہے۔ اور خود بخود انسان کے دل میں یہ دیکھ کر ایک عزت اور وقر پیدا ہو جاتا ہے کہ مسلمان دوسرے سے اس مقام کے ادب و عزت کا طالب ہے جس پر وہ عبادت کرتا ہے ...... میں نے اپنی سیاحت میں جس قدر تجربہ کیا ہے میں ترک کی عزت کرتا ہوں۔ اور میرے دل پر اُس کا بہت ہی وقر ہے۔ یونانیوں۔ ارمنیوں اور افریقیوں نے اپنے آپ کو ترک مشہور کر کے اس کو بہت بدنام کر دیا ہے۔ اور ترکی سلطنت میں اپنے عہدوں کے فرائض نہ ادا کر کے (اپنی بے ایمانی اور شرارت اور کور نمکی سے) اس کو انگشت نما بنا دیا ہے۔ مگر اصل یہ ہے کہ خود ترک اعلےٰ درجہ کا شریف۔ نیک اور دنیا کی اعلےٰ ترین منزلت نسلوں میں سے ہے۔ ترک خوبصورت ہیں۔ اِن کی آنکھیں نیلی۔ اور رنگ نکھرا ہوا نقش و نما بدن کا نہایت عمدہ۔ غیر معمولی طور پر طاقتور۔ اور نہایت ہی متحمل مزاج اور حلیم الطبع۔ ترک نہایت سنجیدہ متین۔ صفائی پسند۔ نفیس طبع۔ اور یہاں تک دیانتدار ہیں کہ اپنا نقصان گوارا کرینگے۔ مگر دیانتداری کو ہاتھ سے نہ دینگے۔ اور اسی واسطے ان سے مکار یونانیوں اور شریر دغاباز فریبی آرمینیوں کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ جو دن رات اپنی شیطنت سے ان کا خون چوسنے اور ان کی چربی پر موٹے ہوتے رہتے ہیں۔ ایک عام اور مشہور مثل ہے۔ کہ دس یہودی ایک ارمنی کو اور دس ارمنی ایک ایرانی

کو دھوکا دینے کے لئے درکار ہوتے ہیں۔

یہاں ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ذیل کی چٹھی ترکوں اور ارمنیوں کے مقابلہ کے واسطے ایک ایسے شخص کے قلم سے نقل کریں جو اپنے چشمدید واقعات اور اپنے ذاتی تجربت پر بھروسہ کرکے رائے زنی کرتا ہے۔ چنانچہ وہ چٹھی حسب ذیل ہے:-

چونکہ جنگ کریمیا کے موقع پر سقوطری قسطنطنیہ اور پیرا میں مجھ کو ارمنیوں اور ترکوں کا بخوبی اچھی طرح تجربہ ہوا ہے۔ میں مسٹر لوتھبر کی رائے سے کلی اتفاق کرتا ہوں۔ کہ ارمنی الزام سے بری نہیں ہیں۔ مذکورہ بالا موقع پر ترکوں سے ارمنیوں کا سلوک پرلے درجہ کا نفرت انگیز اور میرے خیال میں ناقابل برداشت تھا۔ ارمنیوں کے گروہ کے گروہ باہر جاتے تھے۔ اور جو ترک ان کو ملتا اُس پر آوازے کستے۔ اور جہاں تک ہوسکتا اُس کو چھیڑتے اور اُس کی حقارت کرتے اور اگر کوئی ترک ان کو نماز پڑھتا ملجاے تو اُس پر پتھروں کا مینہ برسا دیتے اور حتے الامکان ہر طرح اُس کی ہتک اور آبرو ریزی کرتے میرا دلی اعتقاد ہے کہ ارمنی جبلّی جھوٹے مکّار اور چور ہیں۔ ان کے جتھے کے جتھے باہر جایا کرتے اور جو چیز ملجاتی چُرا لیتے۔ یہ سوال ہوسکتا ہے کہ ان کا مجھ کو کس طرح تجربہ ہوا۔ اس کا جواب تو یہ دیتا ہوں میں جنگ کریمیا کے موقع پر کوارٹر ماسٹر سرجنٹ تھا۔ اور پھر سرجنٹ میجر بنا دیا گیا تھا۔ ریڈان پر جب حملہ کیا گیا۔ اُس وقت میں دست بدست لڑائی میں زخمی ہو کر سقوطری بھیجا گیا اور پراونشل بٹالین میں تعینات ہوا۔ جہاں میں ۱۵ ماہ تک رہا۔ اس اثنا میں ایک وسیع چوبی عمارت میرے زیر تحت رہی۔ جو میرے زیر ہدایت سکول اور گرجا کے کام کے واسطے بنی تھی۔ جہاں ریورنڈ ڈاکٹر بلیک و ڈاکٹر نماز پڑھایا کرتے تھے یہ خود بھی اور ہم سب دیکھا کرتے تھے کہ ارمنی ترکوں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے تھے جس سے خواہ مخواہ خون میں جوش آسکتا تھا۔ اور انسانیت متنفر ہوتی تھی۔ ارمنیوں کا دین و ایمان چوری تھا۔ بہت سے ارمنی دن رات مسجد کے آس پاس لگے رہتے تھے اور جب موقع پاتے نمازیوں کے جوتے چرا لیجاتے۔ جو حسب دستور نمازی اُتار کر رکھدیتے

۱؎ از تصنیف میرہن کرانورڈ ایم۔ اے۔



سقوطری کا گھاٹ

تھے۔ یہ بدمعاش مسجد کے پاس تک لگے رہتے۔ اور جہاں موقع دیکھتے جو سامنے پاتے بغل میں مار کر گلہریوں کی طرح بھاگ جاتے۔ روانگی سے چھ مہینے قبل ہم نے بہت سی کتابیں جمع کرکے ایک لائبریری (کتب خانہ) کھولی۔ اس کتب خانہ میں تمام پردیسیوں کو مع ارمینیوں کے آنے جانے کی اجازت تھی۔ مگر ہم کو بہت جلد معلوم ہو گیا۔ کہ یہ ارمنی نہ صرف ناشکر گزار ہی تھے۔ بلکہ پکے چور تھے۔ یہ کمبخت جب کتب خانہ میں آتے ایک ایک کرکے جو کتاب پاتے چرا لے جاتے۔ یہاں تک کہ آخر کار ہم نے مجبور ہو کر ان سب کو کتب خانہ سے نکال دیا۔ اور آیندہ ان کے آنے کی ممانعت کر دی۔ پادری بلیک وڈ صاحب اکثر کہا کرتے تھے کہ "اُف" یہ کمبخت کیسے بدمعاش اور لچے ہیں! یہ ارمنی عیسائیت کے نام پر دھبہ ہیں"۔ میں اکثر پیرا اور قسطنطنیہ جایا کرتا تھا۔ اور ترکوں کے ساتھ بھی ان کے سلوک اسی طرح دیکھتا تھا۔ اور میں کبھی یقین نہیں کر سکتا تھا۔ کہ ترک ہی سراسر قصوروار ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں میں بھی اکثر ایسے نیک صفات ہیں جو میں جانتا ہوں کہ عیسائی ظاہر کر سکتے۔ اور مجھ کو حیرت ہوتی ہے کہ جنگ کریمیا کے موقع پر ہماری گورنمنٹ نے انہی ترکوں کے واسطے اتنی قربانی کی تھی جن کو اب وہ نکمّا اور فضول بتلاتی ہے۔ اور ان تمام بے عنوانیوں اور ظلم تعدی کا الزام تمام تر ان پر لگاتی ہے جو ان کی عملداری میں سرزد ہوتے ہیں۔ جن کو میں ہرگز باور نہیں کر سکتا۔ ٹرکی میں واقعات جو پچھلے دنوں میں پیش آئے ہیں۔ تمام صادق القلب ان پر اظہار تاسف کریں گے۔ مگر ہم کو چاہئے اور لازم ہے کہ جس گھوڑے کی زین ہو اُسی کی پیٹھ پر رکھیں۔ کیونکہ کیا ہمارے ملک۔ ہماری فوج اور ہمارے محکمے میں۔ ہمارے مذہب میں ہر قسم کے اور ہر چلن کے آدمی موجود نہیں ہیں۔ ساتھ ہی ہم کو یہ بھی فراموش نہ ہونا چاہئے کہ ہمارے پاس ایسے سپاہی بھی ہیں۔ جو مسلمان ہیں۔ نیک ہیں اور ایماندار ہیں۔

راقم۔ آپ کا وفادار ٹی۔ بی۔ رابرٹس

ترکوں کی دیانتداری اور ان کی سادگی ہی قسطنطنیہ میں اس قدر تعجب کہ مخلوط الاقوام آبادی کا باعث ہے ع

اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی

اور اسی باعث سے آئے دن کی نگہبانی اور شورشیں برپا ہوتی ہیں - ترک نہایت آسانی سے دھوکا میں آجاتا ہے - اس پر فریب کا منتر چل جانا کچھ بات نہیں - اور اسی لئے چار دانگ عالم سے لوگ اس کو دام مکر و فریب میں پھنسا کر اپنا اُلو سیدھا کرنے کے واسطے قسطنطنیہ میں جمع ہوتے ہیں قسطنطنیہ کے کسی بازار میں کوئی شخص کھڑا ہو جائے اور تھوڑی دیر تک بھی ذرا تامل اور غور سے اپنی آنکھوں کے ساتھ دماغ سے بھی کام لے تو اُس کو فوراً اس بیان کی تصدیق ہو جائیگی ❖

ملک کی پیداوار کم ہے - اس کی درآمد کچھ بہت نہیں - اور در حقیقت یہ بحیرہ روم اور بحیرۂ اسود کے درمیان ایک پڑاؤ سمجھنا چاہئے - اور اب یونانیوں اور ارمنیوں کے انبوہ اور جم غفیر جو پیرا کے انتہائے محلہ سے لے کر استنبول اور اُس کے حوالی ہفت بینار اور دروازہ اڈریانوپل تک کھچا کھچ بھرے ہوئے ہیں - اگر ترکوں کے خون پر نہیں تو کس طرح داد عیش دیتے ہیں اور اس قدر مالدار ہیں ؟

ایک مؤرخ زمانہ حال کا لکھتا ہے کہ :-

"کیا آپ کبھی کسی ارمنی یونانی کو نہیں ملے جو کوئی "رعایت" یا "خاص حق" کا طلبگار تھا - اور کیا ترکوں نے ان کی خواہش نہیں پوری کر دی ؟" کارخانے - کوٹھیاں (تجارتی) ٹھیکہ جات - بڑی بڑی منڈیاں اور ریلوے کمپنیاں یہ سب کس کی بدولت ہیں ؟ جتنے ارمنی اور یونانی موٹے ہو کر اپنی شرارتوں اور شیطنتوں میں زیادہ دلیر ہوتے ہیں - صرف ترکوں کی حلیم الطبعی اور اُن کی متحمل مزاجی کی بدولت !

غلطہ پل کو جس وقت سیاح دیکھے - اس کی ایک نظر میں جو کچھ اس کو مِلتا ہے اس سے کچھ بڑھکر در اصل وہاں موجود ہے - اس عالیشان پل کی ساخت نہایت عجیب اور قابل تعریف ہے - اس کے عین وسط میں ایک دروازہ ہے - جو رات کو کھل جاتا ہے - اور اس طرح رستہ بند ہو جاتا ہے - اِس پل کے تین حصے ہیں - ایک بڑا شارع عام گاڑیوں اور پیدل مسافروں کے واسطے ایک تنگ گزرگاہ قہوہ خانوں اور کافی خانوں کے واسطے اور اس کے بعد آگبوٹوں



گذر غلطہ پُل مقابل

گھاٹوں کا ایک سلسلہ چلا گیا ہے ؀

ایک سیاح لکھتا ہے کہ میرے شمار میں ہر سال کا تخمینہ بحساب اوسط اگر سرسری طور پر کیا جائے تو ۹۰ ہزار آدمی ہر روز غلطہ پل سے گزر جاتا ہے۔ اسی پر ایک مقام ہے جو بہت سے یوروپین سیاحوں کو بالکل معلوم نہ ہوگا۔ جہاں انسان گھنٹوں بغیر کسی شخص کے نشانہ نظر بننے کے سایہ اور چائے قہوہ کا لطف اٹھا سکتا ہے۔ اور ساتھ ہی اس کے علاوہ غلطہ پل سے راہگیروں کی دلچسپ سیر کی گھاٹوں پر مسافروں کی چڑھائی اترائی کو صف بستہ ملاحظہ کر سکتا ہے۔ یہ قیام غلطہ پل پر قدم رکھتے ہی بائیں جانب کا سب سے پہلا قہوہ خانہ ہے۔ اس کا کمرہ نہایت مصفا۔ ہوا دار اور خوشگوار ہے۔ اور یہاں سے منظر نہایت لطف خیز ہے۔ ایک پیالہ قہوہ تیار کرنے کا حکم دو۔ اور سگرٹ سلگا کر اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ اور مشاہدہ شروع کرو۔ جو منظر پیش نظر ہے خیرہ کن ہے۔ اس کا بیان طاقت قلم سے باہر ہے۔ انواع و اقسام کے لباس وضع اور طرز ہیں۔ رنگ برنگ کی تراش خراش عجب طرح دل کو بھاتی ہیں۔ سب سے پہلے ناظر "فیز"؎ کی برتری سے متعجب رہ جاتا ہے "ہزاروں لال ٹوپیاں اِدھر سے اُدھر اُدھر سے اِدھر آناً فاناً قریباً ایک ہی سطح پر چھوٹی چھوٹی شنگرفی مکھیوں کی طرح حرکت کرتی نظر آتی ہیں" ؀

فیز کو محمود ثانی الملقب بہ مصلح نے رواج دیا تھا۔ اور اس کے رواج سے وہ بڑی بھاری پگڑیاں مفقود ہو گئیں جو اس سے پہلے سرکاری عہدہ داروں کے سروں پر نظر آتی تھیں۔ بڑی بڑی پگڑیوں اور عماموں کے معدوم ہونے سے بہت کچھ نفاست اور شستگی اس ٹوپی کے باعث سرکاری عہدہ داروں کے لباس میں پیدا ہو گئی ہے بقول ایک سیاح کے ...... سرخ ٹوپی۔ صفائی۔ یکسانیت اور نفاست کے باعث اس قدر زیب دیتی ہے کہ سرکاری عہدہ داروں اور سپاہیوں کے سرخ چہروں سے اس سے ایک غیر معمولی رعب و داب ٹپکتا ہے ؀

لیکن فیز کے علاوہ پگڑیوں کی بھی کمی نہیں۔ اور اپنی جگہ اسی طرح بکثرت نظر آتی ہیں لیکن عام لباس یوروپین ہے۔ باستثنائے یوروپین ٹوپی جس کی بجائے فیز استعمال

؎ " کی ٹوپی لال ؀

ہوتی ہیں - فوجی وردیاں جرمنی قطع کی ہیں - اور سویلین افسروں کا لباس اعلےٰ درجہ کی وضع لئے ہوئے یورپین ہے - عورتوں کے لباس میں بھی عظیم تغیر موجود ہے - اب سے دس برس پہلے جو لباس تھا - وہ اب بالکل مفقود ہے - پردہ ایشیائی اصطلاح کے مطابق بالکل نہیں ہے - مشہور یشمق جو اب سے پہلے ہر ایک عورت کے چہرہ پر نظر آتا تھا اب نایاب ہے ؛

لیکن اسی قہوہ خانہ میں بیٹھ کر بمشکل ہی اس قدر وقت مل سکتا ہے کہ ناظر ہر ایک چہرہ اور ہر ایک لباس اور ہر ایک وضع پر مناسب غور اور اُس کے ہر ایک پہلو پر اپنے دل میں بحث کر کے فیصلہ کر سکے - اس جم غفیر کی تیز رفتاری جو سامنے گزر رہا ہے - ناظر کے خیال کے برابر ہی قریباً سریع ہے - جو کچھ نظر آ رہا ہے - وہ صرف ایک شاندار مؤثر - پیچ در پیچ - بدن و سایہ رنگ و وضع کی حرکت ہے - مشرقی اور غربی زندگی کا ایک ایسا ملاپ ہے جو خواب سے کم نہیں معلوم ہوتا - شان و شوکت اور سادگی کا تعجب انگیز مقابلہ - فریب و دیانت - وفا - اور بدی - نیکی اور پرہیزگاری - بدمعاشی اور شبلت اور بدکاری - اتقا اور رندی اور عمارت و تمول - سلوکت ایک دوسرے کے برابر شانہ بشانہ - اسلام - عیسائیت - یہودیت ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو - عزت اور مفلسی ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ خوبصورتی اور بدصورتی مرد و عورت ایک دوسرے کے برابر ــــ مگر اس جم غفیر اور جیتے سمندر کی سطح پر یکایک ایک غیر معمولی لہر پیدا ہوتی ہے - اور ایک چو اسپہ گاڑی بھیڑ کو چیرتی ہوئی چلی آ رہی ہے - جس پر کوئی وزیر سلطنت سلاملق کو یا یلدیز کوشک سے باب عالی کو جا رہا ہے یا کوئی شہزادہ شاہی خاندان کا سوار ہے - مگر یہ سب سماں آن میں ادھر سے اُدھر ہو رہا ہے - تاریکی اور نور - صفائی اور کثافت - ضعیفی اور شباب - ایک سیلاب ہے - جو اُمڈا چلا آ رہا ہے ؛

یہ منظر بجائے خود ایسا بے نظیر اور دلچسپ ہے کہ موٹا - تازہ اور سُست یعنی یونانی بھی جو کسی قہوہ خانہ میں بیٹھا ہوا ہے - اس خوشنما سماں کو محو ہو کر دیکھنے سے باز نہیں رہ سکتا - حالانکہ ایام طفولیت سے یہ روز اس کو دیکھنے کا عادی ہے اس کے واسطے یہ سماں کوئی نئی بات نہیں - بلاناغہ یہ دیکھا کرتا ہے - مگر غضب کا اثر اور غضب کی

سستیوں کو بدی کی صحبت کا اُٹھانا ہوتا ہے کا





کشش ہے کہ اس نے بھی قہوہ کا پیالہ تھوڑی دیر کے واسطے مُنہ سے ہٹا لیا ہے اور ٹکٹکی باندھ کر حسرت سے دیکھ رہا ہے - اور یہی نہیں - بلکہ اس کے پاس ہی جو ایک اور یونانی حقہ پی رہا ہے اس کی آواز بار بار اور اُس کے مُنہ سے دھوئیں کے بادل جو نکل رہے ہیں - اس کی نظر نہیں بدل سکتے - مگر ہاں ! یہ وہ بیچارہ خود بھی تو اسی تماشہ میں محو ہے !

سان فرانسسکو سے پیکنگ تک اس منظر کی نظیر پردہ دنیا پر کسی جگہ نہیں مل سکتی - نہ یہ زندہ دلی - نہ یہ بازاری - نہ یہ حرکت - نہ یہ دلچسپی - نہ یہ دلکشی - اور نہ یہ مختلط - انسانی تصویر ڈگمگا جاتا ہے - اور عاجز رہ جاتا ہے - اگر وہ یہ کوشش کرے کہ اس سیلاب میں کسی خاص شخص یا وضع پر نظر جما کر اس پر اپنے کسی نظریہ کا قیام سوچے ایک ایک سکنڈ میں سمندر کا سمندر اِدھر سے اُدھر ہو جاتا ہے شہد کی مکھیوں کا ایک جھنڈ ہے جو منڈلا رہا ہے - اور نہ صرف منڈلا رہا ہے بلکہ نہایت ہی سُرعت سے سفر کر رہا ہے تانتا بندھا ہوا ہے کہ نگاہ ایک چیز پر ایک سکنڈ سے زائد جمنے سے عاجز ہے ! اور یہ سب کیا ہے ! حیات انسانی کی دو مختلف جماعتیں جن کو ایک پل نے جکڑ دیا ہے !

ایک انگریز سیّاح لکھتا ہے :-

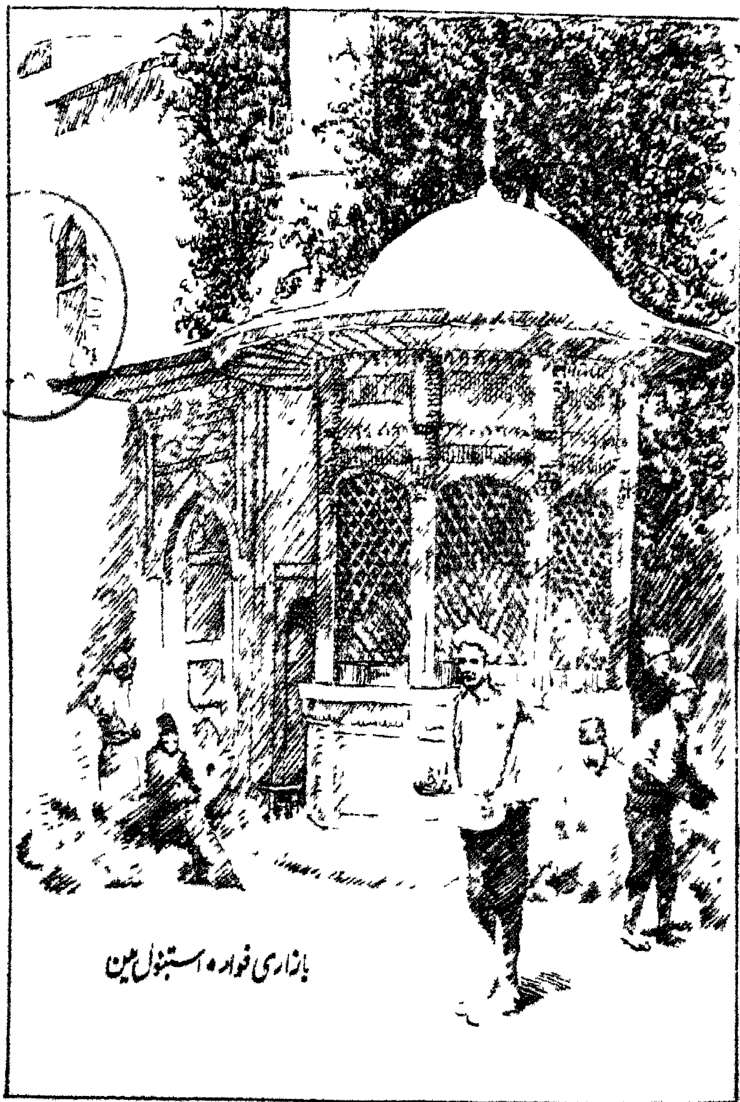
جو حالت پہلی مرتبہ مجھ پر قسطنطنیہ دیکھ کر طاری ہوئی وہ میں کبھی نہ بھولونگا خوش قسمتی سے مجھ کو قریباً ہر سال اس کی زیارت کا اتفاق ہوتا رہا - اور ہر مرتبہ نئے آرام و آسائش کے ساتھ - مگر جس حسن کی پہلی تصویر میرے صفحۂ خیال پر نقش ہوئی تھی - کوئی پچھلی تصویر اس کو نہ مٹا سکی ✦

فروری کا مہینہ تھا - مجھ کو اچھی طرح یاد ہے - برف کا طوفان برپا تھا - اور میں آگ بوٹ پر سوار ہو کر بحیرہ مارمورا سے داخلہ باسفورس تک جا رہا تھا - برف اس قدر موٹائی اور سُرعت سے گر رہا تھا کہ بمشکل ایک عمارت بھی نظر آ سکتی تھی - لیکن اتنے میں ہم سینٹ صوفیا کے سامنے پہنچے ہی تھے - کہ یکایک برف باری بند ہو گئی - بادل چھپ گئے - نیلگوں صاف مطلع نکل آیا - صبح کا مصفا آفتاب اُفق پر نظر آنے لگا - اور اس کی کرنیں استنبول پر چھا کر اپنی بہار دکھلانے لگیں - اب جو منظر دکھلائی دیا وہ

حیرتناک تھا۔ ہر ایک مینار اور ہر ایک گنبد مسجد و نکا برف سے چاندی کا منڈھا ہُوا دکھلائی دے رہا تھا معلوم ہوتا تھا کہ تمام شہر نہایت قیمتی اور چمک دار دھات سے منڈ گیا ہے۔ پتلے پتلے مینار روشنی کی شعاعوں کی طرح آسمان کی طرف نکلے ہوئے تھے شمشاد کے درخت از سرتا با زرین دکھلائی دیتے تھے۔ اور اس وقت ہفت مینار بھی دور سے جنوبی کنارہ پر نیچے سے اوپر تک چاندی کے بنے ہوئے دکھلائی دیتے تھے۔ صرف سمندر کی ہی سطح ایسی تھی جو اس عالمگیر رنگ سے جدا تھی۔ اس سے چند لمحے پہلے سمندر بالکل سُست اور سکتہ کی طرح جما ہُوا دکھلائی دیتا تھا۔ لیکن اب اس میں کیا فوری تغیر پیدا ہو گیا؟ طلوع ہونے والے آفتاب نے شرق سے اس پر منتر وہ پھونکا۔ کہ یکایک سطح پر نیلا رنگ چھا گیا۔ اور ہلکی ہوا سے جابجا لہریں اپنی بہار دکھلانے لگیں +

اُس منظر کی جو کیفیت تھی وہ بیان سے باہر تھی۔ اور بجائے خود ایسی کہ میں نہایت اصرار سے کہہ سکتا ہوں کہ جو کچھ اپنی سیاحت میں میں نے اب تک دیکھا ہے اسکی نظیر نہیں۔ مگر یہ نظارہ فوری تھا۔ چند لمحے ہی گزرے ہونگے کہ سب جاتا رہا۔ سرمائی بادل پھر اُمنڈ آئے۔ نور کافور ہو گیا۔ برف باری شروع ہو گئی۔ اس کے بعد پانی برسنے لگا۔ پھر پہلے سے بھی زیادہ برف پڑنا شروع ہو گیا۔ شہر میں جابجا پانی ٹپکنے لگا۔ اور سینہ شگاف ہوا نے مجھ کو کوئی آسائش بخش کمرہ ڈھونڈھنے کے واسطے مجبور کیا۔ یہ پہلی تصویر قسطنطنیہ کی مجھ کو کبھی نہ بھولے گی۔ گو میرے ذہن کے مرقع خانہ میں اعلےٰ درجہ کے نمونے موجود ہیں۔ مگر ان کی افراط سے بجائے اس کے کہ یہ تصویر مدھم ہو جاتی۔ اس کو برتری اور زیادہ نمائش حاصل ہوتی گئی +

اور اب حال ہی میں جب میں قسطنطنیہ پہنچا۔ تو اس کا منظر مجھ کو بالکل علیحدہ ہی صورت میں ملا۔ قاضی کوئی میں ایک روز شام کے وقت موسم گرما میں مجھ کو دیر ہو گئی۔ مجھ کو پیرا واپس جانا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک چھوٹی سی کشتی کرایہ کی۔ جس کو یہاں "کیک" کہتے ہیں۔ چاند نہایت آب و تاب سے کائنات کو منور کر رہا تھا۔ گو سمت شمال میں مطلع خطرناک نظر آتا تھا۔ اور سطح بحر پر نہایت تیز ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی +



بازاری فواره استنبول میں

بادل برابر اُمنڈتے رہے ۔ یہاں تک کہ جو وقت ہم توپ کاپو کے سامنے پہنچے ۔ بجلی چمکنے لگی ۔ اور بادل اپنے پورے زور سے گرجنے لگے ۔ ایک آن میں رات تیرہ و تار ہو گئی ۔ اور اب مجھ کو سوائے پل کی دُھندلی روشنی کے یا موجوں کی سفیدی کے اور کچھ نہ دکھلائی دے سکتا تھا ۔ پانی موسلا دھار برس رہا تھا ۔ مگر ملاح برابر کشتی کھینچے چلے جا رہے تھے ۔ بجلی کی چمک اس وقت عجیب بہار دکھلا رہی تھی ۔ ایک ایک سکنڈ کے بعد بجلی کی چمک سے دونوں شہر پیرا اور اسٹنبول اس قدر منور ہو جاتے تھے کہ باوجود معقول فاصلہ کے میں مکانوں کے دریچے ۔ فن تعمیر کے نکات اور خوبیاں ۔ بلکہ میناروں کی چوٹی پر کی چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں بھی صاف تمیز کر سکتا تھا ۔ اور تمام سماں ایسا معلوم ہوتا تھا ۔ کہ گویا تمام شہر یکایک آگ کے شعلوں سے بھر گیا ۔ ایک لحظے میں شعلے بجھ گئے ۔ اور اسی طرح ایک جھپکی میں پھر روشنی ہو گئی ٭

مگر شاید سب سے بڑھ کر دلچسپ سماں اسٹنبول کا موسم گرما میں نظر آتا ہے ۔ جب آفتاب کی روشنی اپنی پوری آب و تاب دکھلاتی ہے ۔ اور ناممکن البیان خوشگوار ثابت ہوتی ہے ۔ ان دنوں میں سلطان احمد کے خوبصورت فوارہ کے مُطلا جنگلے کے پاس بہشتی ٹھنڈا مفرح پانی "مومنوں اور کافروں" سب کے واسطے یکساں مستعدی اور تیز دستی سے بھرتے ہیں ٭

اسی موسم میں وہ دن ہوتے ہیں جب کُتّے بھی اپنی لڑائیاں بھول کر سڑکوں پر لیٹے ہانپا کرتے ہیں ۔ اور بیچاروں کی دعا ہوتی ہے کہ "خدا کرے راہگیر کوئی رحم دل ترک ہو ۔ جو بجائے ہم کو ستانے کے خود ایک قدم علیحدہ ہو کر چلے نہ کہ کوئی یونانی یا ارمنی جو بجائے خود ایک قدم بچا رکھنے کے ہم کو لات مار کر سڑک کے دوسرے کنارہ پر پھینکیگا" ٭

اس وقت توپ کاپو سرائے میں ایک آدھ گھنٹہ کی سیر بھی عجیب کیفیت بخشتی ہے یہاں تمام سلاطین عثمانیہ کی اعلےٰ درجہ کی خوبصورت تصاویر جمع ہیں ۔ اور وہ شخص بہت ہی خوش قسمت ہے جس کو یہاں کی سیر کے واسطے پاس ملجائے ۔ محمود فاتح ٭ بایزید ٭ سلیمان عالیشان ٭ احمد اول ٭ محمود مصلح ینگچریوں کا قاتل وغیرہ کا

رواج دینے والا ہے۔ اور اور بہت سے سلاطین یہاں نظر آتے ہیں۔ جو تخت عثمانی پر رونق افروز رہ چکے ہیں۔ جن کی شمشیر ایک زمانہ میں عالم کے واسطے باعث ہیبت تھی۔ جن کی فتوحات کا تمام دنیا لوہا مان چکی ہے۔ بعض ایسے جن کے عیش عشرت کے سامنے سلاطین روما کے عیش ہیچ ہیں۔ بعض ایسے جن کی سادگی۔ بعض ایسے جن کی جنگجوئی مشہور زمانہ تھی۔ بعض رحم دل بعض سخت گیر۔ بعض خود رائے۔ بعض صلاحیت پسند۔ غرض سب یہاں دیکھے جا سکتے ہیں اور ناظر اس منظر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس کے ساتھ ہی ایک کمرہ ہے جہاں خاص خاص احکام قتل و خونریزی کے عمل میں لائے جاتے تھے۔ سلطان کی زبان سے کسی وزیر۔ پاشا۔ یا کسی اور رکن سلطنت کی قسمت پر مہر لگ جاتی تھی۔ وہ اس کمرہ میں لایا جاتا تھا۔ اور بار زندگی سے سبکدوش کیا جاتا تھا۔

اس کے پہلو میں لب آب ایک چھوٹا سا دروازہ ہے جس کے متعلق عجیب حکایات عوام کے زبان زد ہیں:-

ایک عام روایت ہے کہ اس تنگ دروازہ میں سے اکثر نازنینان حرم جن کی قضا آتی تھی۔ سلطان کے حکم سے لائی جاتی تھی۔ اور حیات دنیاوی سے سیراب ہو کر تھیلے میں بند کی جاتیں اور پھر اُن کی قسمت یہ ہوتی۔ کہ ان کی لاش سمندر کی تہ میں پتھروں کے بوجھ سے دبی ہوئی مچھلیوں کی خوراک بنے۔ اور ہڈیاں صفحق رہیں۔

سیاح کے ساتھ اگر کوئی یونانی رہنما[1] ہے تو اس کا فرض ہے اور وہ اپنا فرض ہر طرح پورا کریگا۔ کہ سیاح کو جہاں تک ہو سکیگا قسمیں کھا کر یقین دلا دیگا۔ کہ اگلے زمانہ میں سلاطین عثمانیہ کا دستور تھا۔ کہ ہمیشہ بڑے بڑے متمول یونانیوں کو پکڑ کر یہاں قید کرتے تھے۔ ان کے چھپے خزانوں کا بھید ان سے زبردستی پوچھتے تھے۔ اور

[1] مغرب میں ہر ایک شہر اور مقام کی سیر کے واسطے ایک گائیڈ (رہنما) کا ہمراہ ہونا ضروری ہے یہ رہنما علاوہ اس کے کہ مختلف زبانیں جانتے ہیں۔ ہر ایک سیرگاہ اور مشہور مقام کی تاریخ سے اعلیٰ درجہ کی واقفیت رکھتے ہیں۔ اور حسب قابلیت ان کی فیس بھی کم و بیش ہوا کرتی ہے۔

چھاپی دروازہ سے اِن کی لاشیں سمت میں چپ لٹکوا دی جاتی تھیں۔ مگر یہ تذکرہ بھی لغو اور بیہودہ ہے۔ خود ہی ظاہر ہے۔ عیسائی ... اس پر ... کرتے ہیں ✦

اب رہا دوسرا امر کہ زنانات حرم سے متعلق جو کہانی سنی جاتی ہے آیا وہ بھی قرینِ صحت ہے یا نہیں۔ اس کی نسبت صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ حرم کے اسرار اب تک سربستہ ہیں اور کوئی حال اس کی نسبت یقینی طور پر نہیں بیان ہو سکتا ✦

دُکان داری کا طریق یہاں نہایت قابل اعتراض ہے۔ دُکان دار کے بھاؤ کا ہرگز اعتبار نہیں ہو سکتا۔ جو سودا ایک لحہ میں خریدا جا سکتا ہے۔ اس کے واسطے یہاں گاہک کو پھیرے کرتے کرتے اور بھاؤ گھٹاتے بڑھاتے کئی کئی دن لگ جاتے ہیں۔ اور پھر نہایت خوش قسمتی ہے کہ دوکان دار کے بھاؤ سے تہائی یا چوتھائی قیمت پر معاملہ طے ہو جاوے۔ اور گاہک اپنی یورش میں کامیاب ہو کر فتح کا نشان اپنے گھر لے کر آئے ✦

ایک انگریزی سیاح نے یہاں کی دُکان داری کی مفصل کیفیت لکھی ہے اور وہ حسب ذیل ہے:-

"ہر ایک شخص کی دُکان اس کا قلعہ ہے۔ اور گاہک کا آنا ایسا ہے جیسا غنیم کا درحقیقت کسی قلعہ پر حملہ آور ہونا۔ گاہکی میں جس قدر دیر لگتی ہے۔ اس کی وجہ یہاں صرف

ملہ یورپین مورخوں نے یہاں کی دُکانداری کا جو خاکہ اُڑایا ہے۔ وہ عجیب مسخرہ پن سے بھرا ہوا ہے۔ اور بالکل بریلی والی حکایت ہے سُنتے ہیں کہ کوئی صاحب مسافر بریلی میں ٹھیرے تھے۔ سرائے کے دروازہ پر ایک شخص کو دیکھا کہ ایک بکری لئے ہوئے فروخت کرنے کو کھڑا ہوا ہے۔ اُنہوں نے قیمت پوچھی تو جواب ملا:- "سو روپیہ" مسافر دم بخود کان دبائے چلدئے۔ بکری والے نے آواز دی:- "کیوں حضرت آپ تو چُپ چاپ چلدئے" مسافر نے جواب دیا کہ صاحب میں کہاں تک قیمت گھٹا کر کہونگا۔ اگر ۱۰ بھی یکمشت گھٹا دوں۔ تو اس بکری کے لئے ۹۰ بھی بیا حماقت ہے۔ بکری والے حضرت سنکر بولے "واللہ جناب آپ تو بالکل ہی گھبرا گئے۔ آپ کو یاروں کی چھوٹ نہیں معلوم۔ لیجئے ۹۹ روپے چھوڑ دئے۔ ایک روپیہ لینگے" ✦

پھاٹک کے دروازہ سے ان کی لاشیں سمت میں پھنکوا دی جاتی تھیں۔ مگر یہ تو جب بھی لغو اور بیہودہ ہے۔ خود ہی ظاہر ہے۔ عیسائی لوگ اب بھی اس پر یقین کرتے ہیں ✦

اب رہا دوسرا امر کہ زنانہ حرم سے متعلق جو کہانی سنی جاتی ہے آیا وہ بھی قرینِ صحت ہے یا نہیں۔ اس کی نسبت صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ حرم کے اسرار اب تک سربستہ ہیں اور کوئی حال اس کی نسبت یقینی طور پر نہیں بیان ہو سکتا ✦

دُکان داری کا طریق یہاں نہایت قابلِ اعتراض ہے۔ دُکان دار کے بھاؤ کا ہرگز اعتبار نہیں ہو سکتا۔ جو سودا ایک لمحہ میں ختم ہو سکتا ہے۔ اس کے واسطے یہاں گاہک کو پھیرے کرتے کرتے اور بھاؤ گھٹاتے بڑھاتے کئی کئی دن لگ جاتے ہیں۔ اور پھر نہایت خوش قسمتی ہے کہ دوکان دار کے بھاؤ سے تہائی یا چوتھائی تک قیمت پر معاملہ طے ہو جائے۔ اور گاہک اپنی یورش میں کامیاب ہو کر فتح کا نشان اپنے گھر لے کر آئے[ل] ✦

ایک انگریزی سیاح نے یہاں کی دُکان داری کی مفصل کیفیت لکھی ہے اور وہ حسبِ ذیل ہے:-

"ہر ایک شخص کی دُکان اس کا قلعہ ہے۔ اور گاہک کا آنا ایسا ہے جیسا غنیم کا دراصل کسی قلعہ پر حملہ آور ہونا۔ گاہکی میں جس قدر دیر لگتی ہے۔ اس کی وجہ یہاں صرف

ل یوروپین مورخوں نے یہاں کی دکانداری کا جو خاکہ اڑایا ہے۔ وہ عجیب مسخرہ پن سے بھرا ہوا ہے۔ اور بالکل بریلی والی حکایت ہے۔ سنتا ہے کہ کوئی صاحب مسافر بریلی میں ٹھیرے تھے۔ سرائے کے دروازہ پر ایک شخص کو دیکھا کہ ایک بکری لئے ہوئے فروخت کرنے کو کھڑا ہوا ہے۔ انہوں نے قیمت پوچھی تو جواب ملا: "سو روپیہ" مسافر دم بخود کان دبائے چل دئیے۔ بکری والے نے آواز دی: "کیوں حضرت آپ تو چپ چاپ چل دئیے" مسافر نے جواب دیا کہ صاحب میں کہاں تک قیمت گھٹا کر کہونگا۔ اگر ۹۰ بھی یکمشت گھٹا دوں۔ تو اس بکری کے لئے ۱۰؎ بھی بیجا حماقت ہے۔ بکری والے حضرت سنکر بولے "واللہ جناب آپ تو بالکل ہی گھبرا گئے۔ آپ کو یاروں کی چھوٹ نہیں معلوم۔ لیجئے ۹۹ روپے چھوڑ دئیے۔ ایک روپیہ لینگے" ✦

ہر ایک قوم کا آدمی ایک چکر لگاتا ہے - جس میں مشرقی اور مغربی تہذیب کے نمونوں کے انبار نہایت قرینے سے سجے ہوئے - صنعت و حرفت کی بیش قیمت چیزیں - نادر اشیاء - غرض ستنبول کے بازار کو ہی دنیا میں وہ فوقیت حاصل ہے کہ کرہ ارض کے تینوں براعظم - یورپ - ایشیا اور افریقہ کی پیداوار بیک جہت کے تنے دنیا کے ہر ایک مبتذ کے آدمی کو مل سکتی ہے - اور بحسن و خوبی +

قسطنطنیہ میں مرکزوں کا مرکز - سب سے بڑھ کر محفوظ ذخیرہ قسطنطنیہ کی سوداگری کا محفوظ اور مستحکم سعد "بازستان" ہے - اس مقام پر جو دولت ہے - اس کی نسبت عین الیقین ہے کہ وہ بیشمار ہے - سکے - بےبہا جواہرات - ہر قسم کے قیمتی پتھر - ریشمی فرش و قالین - اعلےٰ درجہ کی کارچوبی صنعت کے نمونے - سونا اور چاندی - اسلحہ - اور مشرقی دنیا کی صنعت کے خزانے - ہر قسم - ہر قیمت اور ہر درجہ کے اس جگہ جمع ہیں - یہ بازار - یوروپین نظر میں ایسا محفوظ بھی نہیں جس قدر حفاظت کہ عام طور پر ایسے بیشمار خزانہ کے واسطے درکار ہو سکتی ہے - مگر تاہم بازستان میں کبھی چوری نہیں ہوئی +

اس بازار کے دروازے بہت بھاری اور مضبوط ہیں - دن چڑھے کھلتے ہیں اور سرشام ہی بند ہو جاتے ہیں - اور دکاندار کے اپنے چوکیدار ان کی دوکانوں کی حفاظت کرتے ہیں - اسی طریق پر جو مشرق میں رائج ہے اور یورپ میں جس کا آغاز ہونے والا ہے - اور عنقریب ہو جائیگا - بقول ایک انگریزی سیاح کے "یورپ صدیوں تک عجیب قفلوں کی ساخت پر اپنی دانائی اور دماغ صرف کر کے اب سمجھتا جاتا ہے کہ سب سے بڑھ کر حفاظت چوکیدار سے ہو سکتی ہے" +

اس بازار میں جو اشیاء فروخت کے واسطے رہتی ہیں - ان کا بیان کرنا - اور ان کی مفصل کیفیت لکھنا کچھ ناممکن التعمیل کام ہے - صرف معمولی فہرست ہی کم از کم سو جلدوں میں تیار ہو سکیگی - کیونکہ یہ بازار ویسا ہے جہاں شاید ہی اور اشیا ایک قسم کی مل سکیں - ناظر کو جس چیز سے سب سے بڑھ کر اچنبھا ہوتا ہے - وہ مشرق کی دستی محنت کی پیداوار ہے - اس کے مختلف اقسام اور اس کی صنعتی خوبی اور حسن اس مانہ

میں بھی جب یورپ کے لوگ ہر ایک چیز کو تمیز کر سکتے ہیں۔ اور اس کی قدر وقیمت کا اندازہ کر سکتے ہیں ؛

قسطنطنیہ کا بے مثل حسن ان تینوں بحروں پر منحصر ہے۔ جو اس کی دیواروں کے نیچے لہریں مارتی ہیں۔ اور کیک کشتی سے ان کی شہرت دنیا میں اور بھی روز افزوں ترقی کر گئی ہے۔ کیک اور وینس کی کشتی میں اس قدر مشابہت ہے کہ اب تک یہ تصفیہ نہیں ہو سکا کہ آیا کیک کی ساخت میں ترکوں نے وینشین گنڈولا کی تقلید کی ہے یا وینشینز نے گنڈولا کی ساخت میں ترکوں کے کیک کی نقل کی ہے۔ البتہ ایک امر یقینی ہے کہ ان کی مشابہت باہم جس قدر زبردست ہے اس سے یہ شبہ تو ایک لحظہ کے واسطے بھی باقی نہیں رہتا کہ ان دونوں کی اصلیت ایک ہی ہے۔ کیونکہ گنڈولا پر سے اگر اس کی چھتری اتار لی جائے۔ اور اس کا دوسرا حصہ جس کو دُم سمجھنا چاہیئے۔ علیحدہ کر دیا جائے تو جو کچھ باقی رہیگا وہ کیک ہے ؛

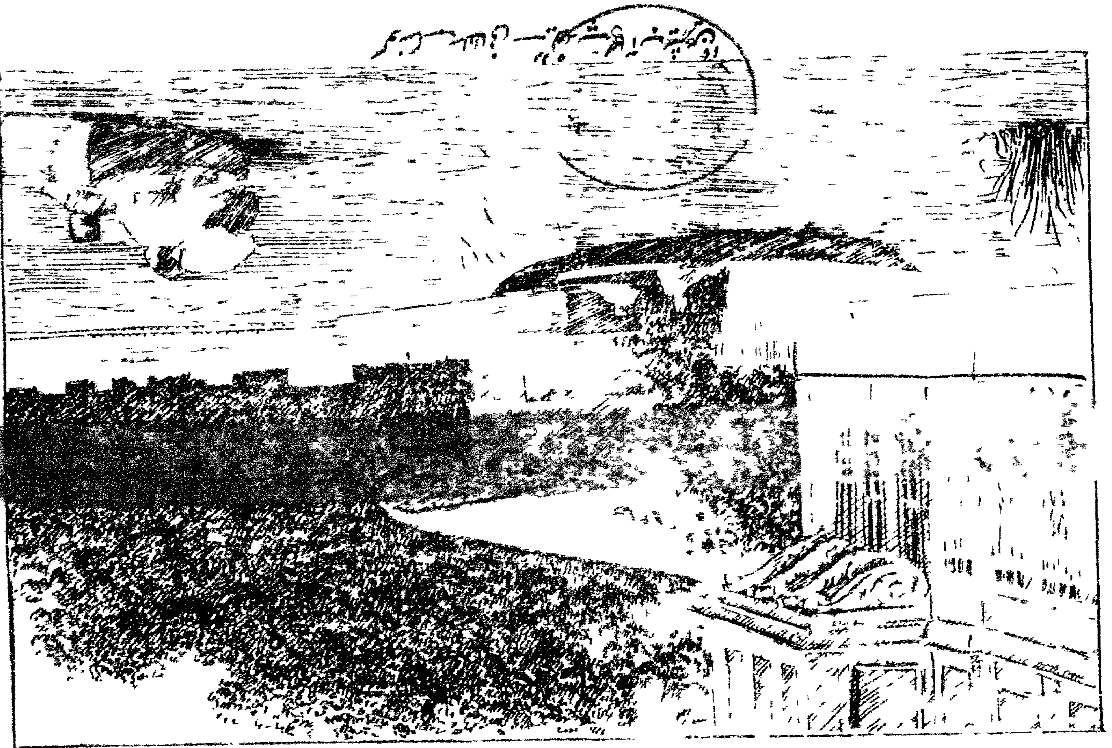
کیک سب سے بڑھ کر تیز۔ بلکہ تیز رفتاری میں بے مثل سُبک۔ ہلکی۔ اور سب سے بڑھ کر آرام وہ اور آسائش بخش ہے۔ اور یورپ میں ترکوں کی کشتی بانی کا لوہا مانا گیا ہے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ ایسا ہی ہونا بھی چاہیئے کیونکہ باسفورس اور گولڈن ہارن پہ ہر قسم کی کشتیاں موجود ہیں۔ اور یہاں ملاحی اس باعث سے اور بھی خطرناک ہے۔ کہ لہریں نہایت ہی تیز ہیں۔ اور ملاح کو غایت درجہ کے خوف کا سامنا ہوتا ہے ؛

دونوں کناروں میں فاصلہ بھی بہت ہے۔ اور اس قدر کہ کشتی بان اتنا فاصلہ نہ شوق اور تفریح و سیر کے واسطے نہ مشق کے واسطے طے کرنے کی جرات کریگا کیونکہ کسی ایسی لہر میں جس کی رفتار پانچ ناٹ فی گھنٹہ ہو۔ دھار کے اوپر کشتی چلانا کوئی معمولی بات نہیں ہے ؛

غیر ملک کا باشندہ اگر تن تنہا ہو تو کیک پر سوار ہونے سے ہمیشہ محترز رہتا ہے۔ کیونکہ سمندر پر اکیلے سیر کرنے کا لطف عام طور پر بالکل نہیں ملتا۔ اور خصوصاً جب یکو اسی گائڈ ساتھ ہو۔ جو اپنی بک بک سے سر کا بھیجا ڈھیلا کر دے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ خاموش کشتی بان کے سامنے تکیہ کے سہارے لیٹنا۔ اور بغیر کسی ساتھی کے صرف ایک



گولڈن ہارن پر کشتی گھر



سگرٹ کے ساتھ کسی دن جمعہ کے روز سہ پہر کو گولڈن ہارن کو جانا۔ اور ایسے وقت کو انتخاب کرکے کہ اُدھر تو توپ خانہ کے پاس سے کیک گزر رہی ہو۔ اور ادھر پہاڑیوں کے پیچھے سورج اپنی منزل مقصود کو پہنچ رہا ہو۔ سیاح کے دل پر ایسی تصویر کھینچتا ہے جو ساری عمر صفحہ یاد سے محو نہیں ہو سکتی ⁂

پانی جا بجا یکایک تنگ و کشادہ ہو جاتا ہے۔ سایہ اور دھوپ کا ملاپ اور سبز پہاڑیوں کا عکس۔ لہروں کی بہار۔ اور کشتیوں کا اِدھر سے اُدھر جانا۔ اپنی مختلف رنگ آرائیاں۔ چمکدار رفیز۔ اور کشتی بانوں کی وردیاں۔ یہ سب مل ملاکر ایک ایسا سماں پیدا ہوتا ہے۔ جو قلم سے مفصل بیان نہیں ہو سکتا ⁂

جہاں کہیں پانی تنگ ہے۔ وہاں کشتیوں کا ایک قطار میں چلنا اپنی جگہ علٰحدہ لطف دکھلاتا ہے۔ اور پھر جہاں پانی فراخ ہے وہاں انکا یکایک پھیلکر سطح آب کو گھیر لینا۔ کچھ اور ہی منظر پیدا کرتا ہے۔ اور خصوصاً اس وقت جب ہر ایک کشتی اس توقع پر آگے نکلنے کی کوشش کرتی ہے کہ آگے چلکر تنگ جگہ وہ سب سے پہلے پہنچے ایسے موقع پر سیاح کشتی بان کی پھرتی اور تیز دستی دیکھ کر چار و ناچار حیران رہ جاتا ہے ⁂

اب کشتی چھوٹے چھوٹے چوبی پلوں کے نیچے پہنچ گئی ہے۔ اور کنارے سبزے سے لہلہارہے ہیں۔ جس پر مخملی فرش کا گمان ہو رہا ہے۔ کافی فروش جا بجا بیٹھے ہوئے مسافروں کو تفریح کا سامان پیش کرتے ہیں۔ پیالیوں قطاریں لگی ہوئی ہیں۔ اور کافی گرم ہو رہی ہے۔ یہ مقامات ایسے دلکش ہیں کہ خاندان کے خاندان تمام دوپہر گرما میں یہاں گزار دیتے ہیں۔ بچے اور جوان۔ مرد اور عورتیں۔ غریب و امرا گھاس پر لوٹتے ہیں۔ اور قدرتی نعمت کے عطیّہ سے استفادہ کرتے ہیں۔ ایک طرف بچوں کے جھنڈ۔ ایک طرف عورتیں مردوں سے علٰحدہ ایک جماعت میں بیٹھی ہوئیں تکان اور افکار سے سبکدوش ہو رہی ہیں ⁂

شاہی محلات کے پاس پہنچنے پر درخت گنجان ہوتے جاتے ہیں۔ اور بھیڑ بڑھتی جاتی ہے۔ مصری بین نواز۔ اور شہنائے بجانے والے ہوا کو عربی راگوں سے خوشگوار بناتے ہیں۔ لوگ آپس میں کم بات چیت کرتے ہیں۔ مگر ہار دیرقت کی قلفی

فروش کی آواز سب سے بلند سنائی دیتی ہے۔ ذرا آگے بڑھ کر درخت اور بھی گنجان اور بلند ملتے ہیں۔ اور خلقت کا ہجوم زیادہ ہوتا جاتا ہے۔ اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ سے لے کر کم سے کم قیمت کی گاڑیاں دور تک قطاروں میں صف بستہ ہیں۔ جابجا ہلکے ناشتہ کے سامان موجود ہیں۔ یورپین اور ایشیائی دونو طرح کے۔ شربت اور کافی برف اور قلفیاں۔ سگرٹ۔ اور چرٹ۔ غرض ہر چیز ہر قدم پر موجود ہے +

اب ہم ایک انگریزی سیاح کے الفاظ سے یہ بیان ختم کرتے ہیں:-

آپ یہاں پہنچے آب شیریں کے کنارہ۔ خوشگوار سایہ کے تلے۔ سامنے ٹھنڈا پانی بہتا ہوا۔ تھوڑی دیر کے واسطے بیٹھئے بیٹھئے ملائم مشرقی ہوا کا لطف اٹھائیے۔ اور عالم تصور میں یہاں تک محو ہو جائیے کہ عالم کا رنگ بدلنے لگے اور کائنات میں تغیر شروع ہو جائے۔ یک بیک واپس ہونے لگے۔ یا اگر آپ کی طبیعت میں تاجرانہ مذاق ہے اور آپ کا دن بازار میں صرف ہوا ہے۔ تو کسی اسحق۔ موسٰے۔ یا عثمان بے۔ متین اور نیک بخت ترک سوداگر سے ایرانی یا ترکی قالین کا بھاؤ کیجئے +



سینٹ صوفیا کی ایک جھلک

جامع اباصوفیا

جامع اباصوفیا کو جو شہرت عیسائی اور نیز اسلامی دنیا میں حاصل ہے۔ وہ بہت کم عمارتوں کو نصیب ہے۔ اول الذکر کی وجہ یہ ہے کہ وہ اصل یہ ایک بہت بڑا گرجا بنام "سینٹ صوفیہ" تھا جس کو قسطنطین نے ۳۲۵ء میں تعمیر کیا تھا۔ سات برس تک اس کی عمارت جاری رہی۔ اور سو معمار اور دس ہزار مزدور اس پر کام کرتے تھے۔ محمد فاتح نے کسی قدر تغیر کر کے اس کو مسجد بنا لیا*

مشہور سیاح ابن بطوطہ نے اس کو اُس زمانہ میں دیکھا ہے جب یہ گرجا تھا۔ اور لکھا ہے :۔

"یہ رومیوں کا سب سے بڑا گرجا ہے۔ اور چونکہ کوئی غیر شخص اس کے اندر نہیں جا سکتا۔ اس لئے میں اندر کی کیفیت نہیں بیان کر سکتا۔ باہر سے اس کی یہ صورت ہے۔ کہ ایک میل کا احاطہ ہے۔ اور تمام زمین میں سنگ رُخام کا فرش ہے۔ بیچ میں ایک نہر ہے۔ جس کے دونوں کناروں پر ایک ہاتھ بلند رخام کی دیوار ہے اور اس میں نہایت عمدہ پچی کاری کا کام ہے۔ اور اعلےٰ درجہ کے خوبصورت بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ گرجا کا صدر دروازہ چاندی سونے کے پتروں سے منڈھا ہوا ہے۔ لوگوں کے بیان سے ظاہر ہوا۔ کہ کئی ہزار پادری اور رہبان اسی گرجا میں دن رات رہتے ہیں"*

ابن بطوطہ نے جو صورت بیان کی ہے۔ وہ اب باقی نہیں رہی۔ احاطہ جس میں نہر تھی مسجد سے اب بالکل باہر ہے۔ اور قہوہ خانہ بن گیا ہے*

یہ عمارت لاکلام عجیب و غریب اور حیرت افزا ہے۔ بیچ کے گنبد کا قطر ۱۱۵ فیٹ اور ارتفاع چھت ۱۸۰ فیٹ ہے۔ اس میں ۱۷۰ ستون ہیں۔ اور کل سنگ سماق اور رخام کے بنے ہوئے ہیں۔ ان ستونوں کا قطر تین تین چار چار

ہاتھ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ دروازہ ابتک وہی ہے جو قسطنطین کے زمانہ میں تھا یہ تانبے کا بنا ہوا ہے۔ اور اس پر قدیم زمانہ کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ اور اب تک قائم ہیں۔ چھت پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریمؑ کی جو تصویریں تھیں۔ ان کے آثار اس وقت تک موجود ہیں ؛

رمضان شریف کے زمانہ میں قسطنطنیہ اور خاص اس مسجد کی حالت قابل بیان ہے۔ اس سے جوشِ مذہبی۔ دینداری۔ اور ایسے ہی اور دلچسپ امور کا حال معلوم ہوتا ہے۔ جو خالی از لطف نہیں ہے۔ قسطنطنیہ رمضان شریف کے مبارک مہینہ کے آخر حصہ ہر شام کو خاصکر مشغول و شادماں معلوم ہوتا ہے ؛

دن بھر کا روزہ ختم ہو چکا ہے۔ خوش مزاج سنجیدہ جماعتوں کا شاہ راہ میں ہجوم و ازدحام ہے۔ اور ہوٹل۔ قہوہ خانے۔ شربت اور شیرینی کی دوکانیں ان سے لبالب معمور ہیں۔ کوئی ہی مکان ایسا ہوگا جو بغیر روشنی دکھائی دیتا ہوگا۔ عمارتوں کے سرے سے کہیں بلند معلق ہوا میں متعدد حلقہ دار بالاخانے اور میناروں کے چراغوں سے آراستہ چوٹیاں چمک رہی ہیں۔ اور ایک مینار سے دوسرے مینار تک چراغوں کا طغرا نرالی سج دھج سے جھوم رہا ہے کہ اُن کی روشنی سے سلطان کا پر نور نام عیاں ہے۔ جبل پیرا کی چوٹیوں پر روشنی کے حلقے عظیم الشان برج جینوا کی کمر کا منطقہ بنے ہوئے تنہائی میں باشان و شوکت نمایاں ہیں۔ اور استنبول میں عمارت عالیہ سرعسکریہ کی اہرام مثال کلغی اور تاباں اور درخشاں قندیلوں کے قلعے بلند ترین میناروں سے بھی بلند و بالا نور افشاں ہیں ؛

تریں راستے پیچیدہ ہوکر کے آب سیاہ سے گذرتے ہوئے اُن پر ہزارہا چراغوں تک پہنچے ہیں۔ جو جنوب میں ہفت قلعہ جنوبی شہر اعظم کی سرحد واقع ہیں اور شمال میں سرے سے پیرا تک کوہ پیرا کے ہموار دامنوں کو معمور کئے ہوئے ہیں۔ منور شاہ راہوں سے ایک تاریک نشیب راستہ نکل کر ایا صوفیہ یعنی ام العقل کے مغربی دروازے تک پہنچا ہے۔ دروازے کے متصل سرے سے بہت بلند ہوا میں معلق میناروالے بالاخانے اور سلطان المعظم کے نام کی آویزاں قندیلیں جگمگا رہی ہیں۔ اندرون عمارت ایک پیچ دار نشیب راہ رواق اعلیٰ کے

[illegible] سلطان جی کا مقبرہ



ہاتھ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ دروازہ ابتک وہی ہے جو قسطنطین کے زمانہ میں تھا یہ تانبے کا بنا ہوا ہے۔ اور اس پر قدیم زمانہ کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ اور اب تک قائم ہیں۔ چھت پر حضرت عیسٰے علیہ السلام اور حضرت مریمؑ کی جو تصویریں تھیں۔ ان کے آثار اس وقت تک موجود ہیں ٭

رمضان شریف کے زمانہ میں قسطنطنیہ اور خاص اس مسجد کی حالت قابل بیان ہے۔ اس سے جوشش مذہبی۔ دینداری۔ اور ایسے ہی اور دلچسپ امور کا حال معلوم ہوتا ہے۔ جو خالی از لطف نہیں ہے۔ قسطنطنیہ رمضان شریف کے مبارک مہینہ کے آخر حصہ ہر شام کو خاصکر مشغول و شادماں معلوم ہوتا ہے ٭

دن بھر کا روزہ ختم ہو چکا ہے۔ خوش مزاج سنجیدہ جماعتوں کا شاہ راہ میں ہجوم و اژدہام ہے۔ اور ہوٹل۔ قہوہ خانے۔ شربت اور شیرینی کی دوکانیں ان سے لبالب معمور ہیں۔ کوئی ہی مکان ایسا ہوگا جو بغیر روشنی دکھائی دیتا ہوگا۔ عمارتوں کے سرے سے کہیں بلند معلق ہوا میں متعدد حلقہ دار بالاخانے اور میناروں کے چراغوں سے آراستہ چوٹیاں چمک رہی ہیں۔ اور ایک مینار سے دوسرے مینار تک چراغوں کا طغرا زالی سج دھج سے جھوم رہا ہے کہ اُن کی روشنی سے سلطان کا پر نور نام عیاں ہے۔ جبل پیرا کی چوٹیوں پر روشنی کے حلقے عظیم الشان برج جینوا کی کمر کا منطقہ بنے ہوئے تنہائی میں باشان و شوکت نمایاں ہیں۔ اور استنبول میں عمارت عالیہ سر عسکریہ کی اہرام مثال کلغی اور نمایاں اور درخشاں قندیلوں کے قلعے بلند ترین میناروں سے بھی بلند و بالا نور افشاں ہیں ٭

زرین راستے پیچیدہ ہو کر آب سیاہ سے گذرتے ہوئے اُن پر ہزارہا چراغوں تک پہنچے ہیں۔ جو جنوب میں ہفت قلعہ جنوبی شہر اعظم کی سرحد واقع ہیں اور شمال میں سرے سے پیر تک کوہ پیرا کے ہموار دامنوں کو معمور کئے ہوئے ہیں۔ منورہ شاہ راہوں سے ایک تاریک نشیب راستہ نکل کر اباصفیہ یعنی ام العقل کے مغربی دروازے تک پہنچا ہے۔ دروازے کے متصل سر سے بہت بلند ہوا میں معلق مینار والے بالاخانے اور سلطان المعظم کے نام کی آویزاں قندیلیں جگمگا رہی ہیں۔ اندرون عمارت ایک پیچ دار نشیب راہ رواق اعلیٰ کے

نیلہ نداں کے غاروں اور پتوں کے بیل بوٹے کھڑے ہوئے ہیں روشنی پہنچا رہے ہیں۔ اور ریز دیواروں کے بند بند کو جن میں پچی کاری کی ہوئی ہے۔ چمکا رہی ہیں اور پستی کا ہر ایک گوشہ گنجان منور جھاڑوں کی خنکی آبنر شعاعوں سے منور ہے بلکہ اس فیض بخش روشنی نے گندم گون زرین محرابوں کو بھی جنہیں قدامت زمانہ نے دھندلا کر ڈالا ہے۔ نورانیت کی تازہ شوکت بخشی ہے۔ جوں جوں روشنی پھیلتی جاتی ہے۔ متوسط عظیم الشان صحن آٹھ سے دس ہزار نمازیوں کی فوج سے پُر ہو جاتا ہے۔ جن کی ہلچل کی غلغلہ آمیز آواز گنبد اعظم کی گونجتی ہوئی صدا سے ملکر خاص شور پیدا کرتی ہے ✣

مشرق کی طرف جنوبی حصے میں ایک وسیع و مرتفع مینار پر رئیس المؤذنین سفید عمامہ باندھے اور سیاہ قبا پہنے اپنے خوش گلو مؤذنوں کے ساتھ کھڑا ہے اور مشرقی حصہ کے اخیر میں اندرون محراب جانب جنوب و مشرق رُخ بکعبہ پاک امام اپنے معاونیں یعنی مکبّروں کے ساتھ استادہ ہے۔ اور ان کے پیچھے معزز نمازیوں کی صفیں کھڑی ہیں۔ تمام جماعت اس صحن کی مغربی دیوار تک بھری ہوئی ہے۔ اور مقتدیوں کی صفیں بھی جن کی گوناگون اور بوقلمون پوشاکوں کی حس و حرکت کی آواز مشرقی قالین کی نرم و پسندیدہ آواز سے مل جاتی ہے۔ جنوب و مشرق ہی کی طرف رُخ کئے شانے سے شانہ ملائے قائم ہے ✣

دفعتہً جماعت کے شور و غل کے آواز سے کہیں بلند شام کی نماز کی اذان کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اور امام دو رکی مشرقی محراب میں موجود ہوگیا ہے جسکا صاف اور تیز لہجہ ابھی سنائی دیگا۔ مؤذن اب اپنے جنوبی و مشرقی سمت والے سے سُریلی آواز میں تکبیر پُکارتا ہے۔ اور جماعت کی جلد جلد صف بندی کی ہلچل میں خلقت خدا کے شور و شغب کی آواز گم ہوگئی ہے ✣

امام کے دلکش اور بلند آواز میں اللہ اکبر کہتے ہی تمام جماعت فوری اطاعت کے ساتھ مثل یک فرد بنی آدم اپنے قدموں پر رُخ بہ قبلہ کھڑی ہوگئی ہے۔ اور اب کوئی آواز مردم ساز باجے کی نہیں سُنی جاتی۔ الا وہ آواز جو خدا ساختہ انسان کے گلے کی آواز ہے یعنی قرأت امام کی صاف اور تیز آواز تکبیر مؤذن کی شیریں آواز

گجروں کی بیاں جرس تمثال آواز اور دس ہزار آدمیوں کی گنگناہٹ جو مجموعہ ہو کر آواز رصد کی طرح سُنائی دیتی ہے۔ مگر اُس میں سے مُوذّن اور مکبّر کی زمزمہ سنج آواز بجلی کے کوندھنے کی مانند کانوں تک پہنچتی ہے ✦

نمازی اب بالکل خاموش ہیں اور امام کی تقلید صرف حرکت سے کر رہے ہیں یہ پیش امام جوں جوں نماز گزارتا جاتا ہے۔ مقتدیوں کی صف قواعد دان فوج کی طرح باضابطہ قیام کرتی ہے۔ رکوع کو جاتی ہے۔ سجدہ کرتی ہے قعود میں بیٹھتی ہے اور پھر سجدہ میں مستغرق ہو جاتی ہے ✦

امام کی صدائے اللہ اکبر سے ہوا گونجتی رہتی ہے۔ اور ربادہ راں دینی معبودِ حقیقی کے سامنے سیدھے اور مستقیم کھڑے رہتے ہیں۔ دوسری صدا اللہ اکبر کی ہوئی تمام سر جلال خداوندی کے سامنے جھک گئے اور ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ گئے۔ اور ہر متنفس آہستہ آہستہ سبحان ربی العظیم کہنے لگا۔ اور پھر امام کی صدائے سمع اللہ لمن حمدہ پر تمام جماعت سیدھی کھڑی ہو گئی۔ اور مکبّر کا جواب کہ ربنا لک الحمد ہر ایک پیشانی کو خاک پر عجز سے رکھ دیتا ہے۔ اور اُس ناگہانی اُفتادگی کی آواز اُس آواز سے مشابہ ہے جو جوشیلے پر کف تلاطم کے ساحل دریا پر تھپیڑے مارنے سے پیدا ہوتی ہے۔ تمام سر بسجود ہیں۔ گویا الاسلام گردن نہادن بطاعت کے مصداق ہیں۔ اور آہستہ آہستہ سبحان ربی الاعلیٰ کی تسبیح کر رہے ہیں ✦

پھر صدائے اللہ اکبر سے تمامی سجود فوج قعود کے لئے دو زانو ہو جاتی ہے۔ اور اللہ اکبر کی آواز ثانی اُن کی پیشانیوں کو خاک سے ملا دیتی ہے۔ اور صدائے ثالث پر ہر جوان راست قامت ہو جاتا ہے۔ حرکت سجدہ و قیام کی دوہری آواز عظیم الشان گنبد میں ٹکرا کر اُس حلقۂ موج کی بھاری سُنائی دیتی ہے جو زور تلاطم سے کسی نہار میں پہنچ کر واپسی کے وقت پُر زور پڑنے ہو جاتا ہے۔ اور جس کی صدا حسرت ابدی کے راگ کی ہمسوز سُنائی دیتی ہے ✦

قیام میں پیش امام قرآن مجید کی پہلی سورت الحمد پڑھتا ہے۔ اور تمام

جماعت اُس کے جواب میں پردرد آواز سے آمین آمین کہتی ہے
اور الحمد کے ساتھ امام دوسری سورت یا سورۂ قل ھو اللہ بھی آواز
پُردرد میں جو خوش گلو بھی ہے پڑھتا ہے۔ اور گویا تمام صف حالتِ وجد میں
خضوع وخشوع کے ساتھ خدا کے جاہ و جلال کا اقرار کرتی رہتی ہے۔
پھر اللہ اکبر کی صدا جو زبان امام سے دلربا لہجے میں نکلتی ہے۔ تمام جماعت
کو قیام سے رکوع وسجود میں لیجاتی ہے۔ اور جو کچھ شور اُن حرکتوں سے پیدا ہوتا
ہے طول خاموشی کے اندر فنا ہو جاتا ہے۔ ہر زبان خاموش اور ہر پیشانی خاک سے
ملی ہوتی ہے۔ صدائے اللہ اکبر ایک دفعہ اور ہوئی کہ سب سیدھے
کھڑے ہو گئے اور جب کہ جماعت کے اُٹھنے کی تلاطم وامواج کی طرح آواز تمام
ہو جاتی ہے۔ پیش امام خوش گلوئی سے قرأت پڑھتا ہے۔ اور بلند آوازی
سے رکوع وسجود کے وقت تکبیر کہتا جاتا ہے۔ اور تکبیر خوش لہجگی اور خوش گلوئی
سے رکوع وسجود کے وقت اُس کا اعادہ کئے جاتا ہے۔ جو گونجنے والے گنبد
سے ہمداستان ہو کر دیر پا دسرگردان آواز میں جو یکایک جماعت کے
حال وانفصال لم یزلی کے آگے سربسجود ہونے کی رعد کی طرح آواز میں محو ہوتی
ہے فنا ہو جاتا ہے ✦

تعلیم

۱۸۷۶ء سے پہلے چند اعلےٰ تعلیم کے مدارس کے ماسوا جن کو گورنمنٹ نے قسطنطنیہ میں قائم کیا ہوا تھا۔ جہاں تک کہ مسلمان آبادی کا تعلق تھا۔ تعلیم عامہ بہت ہی بے حیثیت اور محض برائے نام تھی۔ ابتدائی سکولوں کی ترکیب نہایت ہی قدیمی طریقہ کے مطابق ہونے کی وجہ سے وہ ان مسلمان بچوں کو جو بغرض تعلیم اِن میں داخل ہوتے صرف ایک نہایت ہی ابتدائی قسم کی تعلیم دے سکتے تھے اور اُن کی زیادہ سے زیادہ تعلیم بھی بالکل اُدھوری اور بدرجۂ غایت ناکمل ہوتی تھی۔ اِن مدارس اور خاصکر اُن مدارس میں جو باہر صوبوں میں تھے۔ طالب علم محض لکھنا اور پڑھنا سیکھ لیتا تھا۔ اور تاریخ جغرافیہ کا عموماً کوئی شوق نہیں ہوتا تھا۔ درمیانی اور اعلےٰ تعلیم کی حالت بھی چنداں اچھی نہ تھی۔ بلکہ بالکل ردّی اور ناقص تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ قسطنطنیہ میں ذی حیثیت اور صاحب مقدرت جماعتوں کے نوجوان لڑکوں کو سپیشل (خاص) گورنمنٹ سکولوں یا اجنبی کالجوں میں داخل ہونے کے موقعے ملجاتے تھے۔ لیکن ابتدائی سکولوں میں اس قسم کے وسائل موجود نہیں تھے ۔

آج کل کیفیت بالکل اِس کے برعکس ہے تعلیم عامہ ترکی میں آفتاب عالمتاب کی طرح چمک رہی ہے۔ اُس کی روشنی نے تاریکی کو دُور کر دیا ہے۔ اور اُس کے کرنوں نے سلطنت کے دور دراز اور بعید ترین مقامات تک منور کر رکھا ہے خلیفۃ المسلمین اعلےٰ حضرت **سلطان عبدالحمید خاں** کو یہ امر بخوبی ذہن نشین ہو چکا ہوا ہے کہ علم پھیلانا اپنی طاقت کو بڑھاتا ہے۔ اور اس لئے وہ حضرت سرور انام (صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم) کی حدیث مبارک "اُطلبوا العلم ولو کان بالصین" (طلب کرو علم کو خواہ وہ چین میں ہو)

کو زیر عمل لا رہے ہیں . . . اور سلطنت عثمانیہ کو ذہنی اور دماغی تعلیم میں سب سے اول بنانے کی کوشش کر رہے ہیں تعلیم عامہ کے متعلق قانون ترتیب دہندہ قیاسی طور پر سلطنت عظمےٰ کے سکولوں کو دو جماعتوں میں تقسیم کرتا ہے - اوّل - سرکاری مدارس جن کا انتظام تمامہ گورنمنٹ کے متعلق ہے - اور دوم پرائیویٹ سکول جن کو چند اشخاص یا جماعتیں قائم کر کے خود چلا رہی ہیں - اور صرف اُن کی نگرانی گورنمنٹ کرتی ہے - اِس پچھلے قسم میں دینی تعلیم کے مدرسے اور غیر مسلم لوگوں کے سکول شامل ہیں - سرکاری مدارس کی تعلیم کے تین درجے ہیں - ابتدائی - سکینڈری (دوسرے درجہ کے) اور اعلےٰ ❖

ابتدائی تعلیم

اس میں تین طرح کے سکول شامل ہیں - مکاتب صبیان جو وسط یورپ کے مکاتب طفلاں کے مشابہ ہیں - امدادیہ یعنی ٹھیٹھ ابتدائی سکول اور رشدیہ یعنی اعلےٰ پرائمری (ابتدائی) سکول - امدادیہ سکولوں میں میعاد تعلیم چار برس ہے اور ان مضامین کی تعلیم ملتی ہے ❖

ترکی زبان کے ہجے - قرآن کریم کی آیات اور رکوعات ترکی زبان میں پڑھنا - خوشخطی - ترکی قواعد - حساب - جغرافیہ اور تاریخ - مسلمانوں کے واسطے ابتدائی تعلیم لازمی ہے اور مفت دیجاتی ہے - بروے قانون تمام صاحب اولاد پر فرض ہے کہ جس محلہ میں وہ رہتے ہوں - اُس کی میونسپلٹی کے افسر اعلےٰ کے پاس جسے مختار کہا جاتا ہے - حاضر ہو کر مکاتب صبیان اور امدادیہ کے رجسٹروں میں اپنی اولاد ذکور و اناث کا جبکہ وہ چھ برس کے ہوں نام درج کرائیں - یا یہ ثابت کریں کہ وہ اپنے بچّوں کو گھر پر معقول ابتدائی تعلیم دلوانے کی مقدرت رکھتے ہیں ❖

رشدیہ سکولوں میں لڑکے دس یا بارہ برس کی عمر میں داخل ہوتے ہیں اور وہاں چار برس تعلیم پاتے ہیں - ان مدارس کا تعلیمی کورس حسب ذیل ہے :-

صرف و نحو - ترکی - عربی اور فارسی - املا - انشاء اور سجع - طرز تحریر - تاریخ سلطنت عثمانیہ و تاریخ عالم - جغرافیہ - حساب - اصول اقلیدس - سادہ نقشہ کشی اور

اِس علاقہ کی جس میں مدرسہ واقع ہے غیر مسلم قوموں میں سے ایک قوم کی زبان +
لڑکیوں کو مدارس مذکور میں حسب ذیل تعلیم ملتی ہے - دینیات ترکی قواعد -
عربی - فارسی قواعد کے اصول علم ادب و تاریخ جغرافیہ کے متعلق چند اشارات حساب
تدبیر خانہ داری - سینا - پرونا - نقاشی اور موسیقی آخر الذکر اختیاری ہے +
پانچ سو مسلمان گھروں کی ہر ایک جماعت کے لئے ایک رشدیہ مدرسہ ہونا
لازمی ہے - اعلےٰ پرائمری تعلیم لازمی نہیں - مگر یہ بھی مُفت دیجاتی ہے +
مدارس کی تعمیر و درستی پروفیسروں اور استادوں کی تنخواہیں منعموں کے
لئے کتابیں اور آلات کی خرید قصہ مختصر جملہ اخراجات سرکاری خزانہ سے ادا کئے
جاتے ہیں +
سب سے پچھلی رپورٹ میں جو چند برس ہوئے شائع ہوئی تھی - اُس میں
دار الخلافہ کے ابتدائی مدارس حسب ذیل مندرج تھے +
مکاتب صبیان ۲۶۵ - لڑکوں کے لئے ۱۴۲ - اور لڑکیوں کے لئے
۱۲۳ - لڑکوں کی تعداد جو اُن میں داخل تھے ۶۹۰۹ - اور لڑکیوں کی
۴۷۳۴ +
ابتدائیہ مدارس چالیس - لڑکوں کے لئے ۳۲ - اور لڑکیوں کے لئے ۸ -
زیر تعلیم لڑکے ۱۶۰۱ - لڑکیاں ۳۹۳ +
رشدیہ سکول ۲۹ - لڑکوں کے لئے ۱۹ - لڑکیوں کے لئے ۱۰ - زیر تعلیم لڑکے
۱۱۸۰ - لڑکیاں ۳۵۳ +
صوبجات میں ہر ایک گاؤں میں خواہ وہ کیسا ہی چھوٹا ہو ایک
مکتب صبیان موجود ہے - اور جو دیہات کچھ بھی بڑے ہیں اُن میں ایک ایک
ابتدائیہ سکول ہے +
ہر سال پرائمری سکولوں میں طلبا کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا
ہے کہ موجودہ فرمانروا کے عہد حکومت میں ہر سو بچوں میں سے کم از کم ۹۸ عمدہ
پرائمری تعلیم پا رہے ہیں +
صوبجات میں رشدیہ سکولوں کی تعداد ۳۷۱ ہے - جس میں تین لڑکیوں کے

لئے ہیں۔ دو بیروت میں اور ایک بروصہ میں۔ اور ان سب میں ۱۴۱۹۴ بچے زیر تعلیم ہیں۔ آج ان مدارس کی تعداد مندرجہ بالا تعداد سے بہت زیادہ ہے ؛

سکنڈری (دوسرے درجہ کی) تعلیم

یہ دو قسم کے سکولوں پر مشتمل ہے۔ ابدادیہ یا پریپیریٹری سکول اور سلطانیہ یعنی کالج۔ ابدادیہ مدارس سب کے لئے عام ہیں۔ اور وہ تمام لڑکے خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم جنہوں نے رشدیہ سکولوں کی تمام جماعتیں طے کر کے آخری امتحان پاس کیا ہو۔ ان میں داخل ہو سکتے ہیں ؛

ہر ایک شہر جس میں ہزار گھر ہوں۔ ایک ابدادیہ مدرسہ رکھتا ہے تعلیم کی میعاد تین برس ہے۔ اور کورس میں یہ چیزیں داخل ہیں۔ ترکی علم ادب۔ انشاء۔ فرانسیسی علم کلام۔ حساب۔ جبر و مقابلہ۔ اقلیدس۔ مساحت اراضی۔ علم طبعیات کیمسٹری (کیمیا) نیچرل ہسٹری (علم خواص الاشیاء) اور نقشہ کشی۔ کالجوں کے واسطے حکم ہے کہ ہر ولایت کے صدر مقام یا دار الریاست میں لازمی طور پر قائم کئے جاویں۔ یہ کالج دو طرح کے ہیں۔ ایک گریر سکول جن میں وہی چیزیں پڑھائی جاتی ہیں۔ جو ابدادیہ مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ اور دوسرے وہ جن میں اس سے اعلےٰ تعلیم دیجاتی ہے۔ اور ان کی پھر دو قسمیں ہیں (لیٹرز کے لئے) ادبی اور دوسری (سائنس کے لئے) علمی۔ ان ہر دو شاخوں میں تعلیم کی میعاد تین تین برس ہے ؛

یہ کالج جوں جوں بجٹ میں ان کے مناسب اور معقول قیام کے لئے ضروری اخراجات کی گنجائش ہوتی ہے۔ توں توں یکے بعد دیگرے غلطہ سرائے کے امپیریل کالج (مکتب سلطانیہ) واقع محلہ پیرا کے نمونہ پر کھولے جا رہے ہیں۔ اور یہ موخر الذکر کالج اُن بڑے بڑے مدارس کے نمونہ پر قائم کیا گیا ہوا ہے جو فرانس میں سکینڈری تعلیم کے لئے موجود ہیں۔ اِن کالجوں کے کچھ پروفیسر یوروپین ہیں۔ اور تعلیم فرانسیسی زبان میں دیجاتی ہے۔ مگر اہتمام نگرانی عثمانی ہے۔ میعاد تعلیم پانچ برس ہے۔ مگر ان لڑکوں کو جو کالج میں داخل ہوتے وقت کافی ابتدائی تعلیم نہیں رکھتے اِس میعاد کے علاوہ تین برس اور زائد صرف کرنے پڑتے ہیں۔ جن میں انکو پریپیریٹری

(ابتدائی یا تیار کنندہ) تعلیم حاصل کرنی پڑتی ہے *

سب سے آخری قواعد کے مطابق جن کو اعلیٰحضرت کی گورنمنٹ نے منظور فرمالیا ہے۔ اِن کالجوں کا سکیم آف سٹڈی حسبِ ذیل ہے۔ ترکی زبان۔ عربی زبان۔ ترکی اور فرانسیسی خوشخطی۔ ترکی اور فرانسیسی علم ادب۔ ترجمہ فرانسیسی سے ترکی میں۔ اور ترکی سے فرانسیسی میں۔ فلاسفی۔ عثمانیہ تاریخ اسلام۔ اس قدر لاطینی زبان جس قدر کہ علم الادویہ۔ طب اور قانون کے مطالعہ کے لئے ضروری ہے۔ تمام بڑی بڑی سلطنتوں کا بالعموم اور سلطنت عثمانیہ کا بالخصوص پولیٹیکل (ملکی) ایڈمنسٹریٹو (انتظامی) کمرشل (تجارتی) ایگریکلچرل (زراعتی) اور انڈسٹریل (صنعت حرفتی) جغرافیہ۔ ریاضی حساب دوکانداری رکھنا اور خطی نقشہ کشی اور یونانی۔ ارمنی۔ جرمنی۔ انگریزی اور لاطینی زبانیں جو اختیاری ہیں۔ غلطہ سرائے کی یونیورسٹی (یا کالج) بیچلر (بی۔ اے) وغیرہ کے ڈپلومے دیتا ہے۔ جو درجہ میں اُن ڈپلوموں کے مساوی ہوتے ہیں۔ جو فرانس میں دئے جاتے ہیں۔ مدارس برائے تعلیم سیکنڈری کے زمرہ میں مندرجہ ذیل بھی شامل ہیں:-

(۱) امپیریل سکول "مکتب ملکیہ شاہانہ" واقع اسٹنبول اس کے مربی اور پیٹرن حضور قدر قدرت۔ فلک شوکت۔ امیر المومنین سلطان البر والبحرین عبد الحمید خان ثانی الغازی ہیں۔ جنہوں نے ہی اس کو قائم کیا۔ اور جو اپنے صرف خاص سے اُس کے تمام اخراجات ادا فرماتے ہیں۔ اس میں کینن لا (فتوائے شریف) کمرشل لا (تجارتی قانون) سول لیجیلیشن (ملکی قانون) عام تاریخ۔ سیاستِ مُدن۔ اڈیٹری حساب کتاب رکھنا۔ جغرافیہ۔ فرانسیسی۔ علم خواص الاشیاء۔ اور کیمسٹری پڑھائے جاتے ہیں جو طالبعلم آخری امتحانات پاس کر کے ڈگری حاصل کرلیں وہ پراونشل ایڈمنسٹریشن (صوبوں کی حکومتوں) میں قائم مقام کے عہدہ کے یا سلطنت کے دوسرے محکموں میں اسی عہدہ کے برابر منصب کے مستحق ہو جاتے ہیں *

(۲) نوجوان لڑکیوں کے لئے انٹرنیشنل (سب قوموں کے لئے) عثمانیہ سکول جسے اعلیٰحضرت المعظم نے جو ہمیشہ سے تعلیم نسواں میں بیحد سرگرمی و جانفشانی سے سعی فرماتے رہے ہیں ۱۲۹۷ھ میں بمقام اسٹنبول قائم کیا تھا۔ تعلیمی کورس یہ ہے۔

ترکی زبان - ارمنی اور یونانی - فرانسیسی - جرمن - انگریزی اور روسی - یہ چاروں آخرالذکر اختیاری ہیں +

جغرافیہ علم خواص الاشیا، پیانو بجانا - گانا - اور سینا پرونا +

۱۸۸۴ء کے قانون متعلقہ تعلیم عامہ کی پابندی میں ہر ایک ولایت میں ڈائرکٹر اور انسپکٹران سررشتہ تعلیم کا محکمہ موجود ہے +

اعلےٰ تعلیم

یورپ میں یونیورسٹیاں پانچ ڈپارٹمنٹ رکھتی ہیں - جن میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ایک فیکلٹی (جماعت پروفیسران و ماسٹران) ہوتی ہے - یعنی لیٹرز (علم ادب) سائنس (علم) قانون طب اور الٰہیات کی - عثمانیہ یونیورسٹی میں میڈیکل فیکلٹی اور ڈپارٹمنٹ کی کوئی ضرورت نہیں تھی - کیونکہ ایک ایسا طبّی مدرسہ پہلے ہی سے موجود تھا - جو اُس شاخ علم کی تمام ضروریات کو بہت اچھی طرح سے پورا کر رہا تھا - اور جو وزارت صیغہ جنگ کے ماتحت اپنا علیحدہ انتظام رکھتا تھا - اور تھیولوجیکل (علم الٰہیات) فیکلٹی اور ڈیپارٹمنٹ کے متعلق بہت بڑی مشکلات حادث تھیں - اگر یہ فیکلٹی قائم کی جاتی تو جس قدر سلطنت میں مختلف المذاہب و الشرائع فرقے ہیں اُسی قدر مذہبی فیکلٹیاں قائم کرنی پڑتی - اس لئے اس کے قیام کی نسبت کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا - علاوہ ازیں اس کے متعلق جماعتیں بنانی اور پروفیسر مقرر کرنے بالکل فضول تھے - کیونکہ تمام فرقوں نے بطور خود اپنے اپنے عقائد کے مطابق الٰہیات کی تعلیم دینے کے لئے انتظام کیا ہوا تھا - اور اس بارہ میں ان کو جہاں تک ممکن ہے نہایت ہی بڑی آزادی حاصل تھی - پس اس طرح سے صرف قانون علم ادب اور سائنس کی فیکلٹیاں باقی رہ گئیں - جن میں سے پہلی کے ماتحت قانونی مدرسہ اور دوسری کے سکول آف لیٹرز اینڈ فلالوجی (علم ادب و صرف نحو) اور تیسری کے ماتحت انجینیرنگ سکول موجود ہے +

(۱) قانونی مدرسہ (حقوق مکتبی) کو اعلےٰ حضرت سلطان المکرم عبد الحمید خان کے تخت پر جلوہ افروز ہونے پر غلطہ سرائے کالج کے ابتدائی قانون اور سیاست مدن

کی جماعتوں کو اعلےٰ حیثیت میں لانے سے بنایا گیا تھا۔ ۱۸۸۰ء میں مستقل بنیاد پر اُس کی از سر نو ترتیب دیگئی تعلیم کی میعاد چار برس ہے۔ اور کورس میں مدارج ذیل شامل ہیں :-

عثمانیہ قانون (مجلّے) شرع محمدی۔ رومن یعنی قانون دیوانی۔ رومن قوانین و آئین تاریخی ترتیب کے موافق۔ عثمانیہ قانون تجارتی۔ دیوانی اور تجارتی ضابطہ۔ تعزیری اور فوجداری قانون۔ انتظامی قانون اور سیاست مدن ؎

(۲) سکول آف لیٹرز اینڈ فلولاجی (ادبیات عالیہ مکتبی) میں تعلیمی کورس یہ ہیں :-

عربی علم ادب۔ یونانی علم ادب۔ لاطینی علم ادب۔ منطق۔ فلاسفی۔ علم عمارات و رواجات قدیمہ۔ تاریخ عالم و فلسفہ تاریخ ؎

(۳) انجینئرنگ سکول (طرق و معابر مکتبی) سابق میں سول انجینئرنگ (ملکیہ مہندسیہ مکتبی) کے نام سے غلطہ سرائے کالج کے ساتھ شامل تھا۔ مگر اعلےٰحضرت سلطان المعظم عبد الحمید ثانی کے پہلے سن جلوس میمنت مانوس میں اُس سے بالکل علحدہ ہو کر موجودہ حیثیت میں آگیا۔ دیگر کالجوں کی طرح میعاد تعلیم اس میں بھی چار برس ہے ؎

خاص مدارس کے زمرہ میں ان مدارس کا جو وزارت تعلیم عامہ کی ماتحتی میں یونیورسٹی کے ساتھ مل کر سلطنت میں اعلےٰ تعلیم پھیلا رہے ہیں۔ اور نیز ان خاص مدارس کا جو دیگر مختلف وزارتوں کے ماتحت ہیں ذکر کرنا نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے ؎

سابق الذکر تعداد میں چھ ہیں :-

(۱) سول سکول آف میڈیسن (مکتب طبیہ ملکیہ) واقع استنبول ۱۸۶۷ء میں امپیریل سکول آف میڈیسن سے علحدہ کر کے وزارت تعلیم عامہ کے ماتحت کر دیا گیا تھا۔ جو طالب علم اس مدرسے سے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کر کے نکلیں وہ درجہ ثالثیہ اور میونسپل طبیب کے عہدہ کے مستحق ہوتے ہیں۔ اور محکمہ سر عسکرت (جنگی) یا امیر البحری کو زائد ڈاکٹروں کے ملازم رکھنے کی ضرورت ہو۔ تو اُن پر فرض ہے

کہ اِس سکول کے طلبار کو ترجیح دیں ✤

(۲) و (۳) و (۴) نارمل سکول ہیں جن میں سے دار المعلمانِ صبیان ابتدائی پرائمری مدارس کے لئے۔ اور دار المعلمان رشدیہ اعلےٰ پرائمری مدارس کے لئے اُستاد بہم پہنچانے کے واسطے اور نمبر ادار المعلمات نوجوان لڑکیوں کو اُستانیاں اور پروفیسرہ بنانے کے لئے ہے ✤

(۵) مدرسہ السنہ جو حسب الحکم سلطانی اکتوبر ۱۸۸۳ء میں بابِ عالی اور وزارت صیغہ خارجیہ کے اُن ملازموں اور عہدہ داروں کے لئے جن کی عمرہ ۲ برس سے زیادہ نہ ہو قائم کیا گیا تھا۔ پانچ برس کے کورس میں گریمر۔ فرانسیسی زبان میں ایڈیٹری کرنا ترجمہ از فرانسیسی بہ ترکی واز ترکی بہ فرانسیسی۔ ترکی۔ عربی اور فرانسیسی (یہ لازمی ہیں) اور یونانی۔ ارمنی۔ انگریزی۔ جرمن اور روسی جو اختیاری ہیں شامل ہیں ✤

اس مدرسہ میں نہ صرف سرکاری ملازم ہی لیکچر سننے کا استحقاق رکھتے ہیں بلکہ ممالک غیر کے طلباء ۲۵ پونڈ ترکی سالانہ ادا کر کے اُس میں داخل ہو سکتے ہیں۔ مدرسہ ہذا کی ڈگری پانے سے طالب علم گورنمنٹ کے مختلف صیغوں اور محکمہ جات ترجمہ میں ملازمت پانے کا مستحق ہو جاتا ہے ✤

(۶) سکول آف فائن آرٹس (مدرسہ فنون لطیفہ) جسے موجودہ فرمانروا نے ۱۸۸۳ء میں قائم کر کے امپیریل عثمانیہ عجائب خانہ کے پہلو بہ پہلو گلخانہ (واقع استنبول) میں جگہ دی۔ اور اِس عجائب خانہ کی منتظمہ جماعت کے ماتحت کر دیا۔ اس میں مصوری بُت تراشی۔ قلم کاری۔ اور فن تعمیر کی جماعتیں ہیں اور اس کا انتظام کم از کم قیاسی طور پر پیرس کے ایکولڈی بوآرٹس (مدرسہ فنون لطیفہ) کے نمونہ پر ہے ✤

سابق میں سلطنت عثمانیہ نے اپنے فنون سے دنیا میں ایک نور تاباں پھیلا دیا ہوا تھا۔ لیکن علم ادب اور سائنس میں۔ اگرچہ وہ مغربی ناموروں کے مقابلہ میں ویسے ہی نامور اشخاص پیدا کرتے رہنے میں ہمیشہ ہمسر رہی ہے۔ مگر کچھ عرصہ سے فنون لطیفہ کے متعلق یہ حالت نہیں رہ گئی تھی۔ وہ معمار جنہوں نے سلیمانیہ۔ سلطان احمد اور ینی جامع وغیرہ وغیرہ ایسی عالیشان مسجدیں جو یورپ کی نہایت ہی شاندار عمارتوں سے گوئے سبقت لے جانے کا دعوےٰ کرتی ہیں۔ بنائی تھیں۔ وہ

بت تراش اور سنگتراش جن کی چھینیوں نے وہ وہ بیل بوٹے بنائے کہ پتھر کے کلابتون معلوم ہوتے تھے۔ اور وہ صناع جنہوں نے چینی کی کھپریلیں بنائیں اور چھتوں پر وہ میناکاری کی جنہیں دیکھ کر اجنبی دنگ رہجاتے ہیں۔ بعد کی نسلوں میں موجود نہیں رہتے تھے۔ مگر جس دن سے امیر المومنین سلطان عبدالحمید خاں نے تخت عثمانی پر قدم رکھا ہے اسی دن سے ٹرکی نے اس خواب غفلت سے جو میدان فنون وصناعت میں اس پر طاری ہو گئی تھی اپنے تئیں بیدار کرنا شروع کردیا ہے سابقاً وہ تمام قدیمی چیزیں جو عثمانیہ قلمرو میں پائی جاتی تھیں۔ ممالک اجنبیہ میں پہنچ جاتیں۔ اور یورپ کی عجائب گاہوں کی زیب و زینت جانتی تھیں۔ اسی امر کی بدولت عالیشان "کیگین تزناشیا" (دیوؤں کی لڑائی کی سنگی تصاویر مترجم) عجائب خانہ برلن کی رونق کو دوبالا کر رہا ہے۔ اور نینوہ کی قدیمی اشیاء پیرس اور لنڈن کے عجائب گھروں میں موجود ہیں۔ مگر اب امپیریل عثمانیہ گورنمنٹ اپنے جائز ورثوں کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتی اور قسطنطنیہ کا عجائب گھر جو اپنے نام کی شان کے قابل ہو گیا ہے۔ سیر کنندہ کو حیران و متعجب بنا دیتا ہے۔ کیونکہ اس میں سکندر اعظم کی قبر جیسے بیش بہا نادرات و عجوبات موجود ہیں (جو پانچ برس ہوئے صیدا میں پائی گئی تھی اور جو تمام مقابلوں سے برتر اور ارفع ہے۔

اعلےٰ تعلیم کے مدارس میں سے جو آج ٹرکی میں اس روشن دماغ شوق کی جو سلطان المکرم اعلےٰ انشاء علم ادب کے رونق دینے میں رکھتے ہیں اور نیز جو اس ناختتام پذیر تردد اور غور و پرداخت کی جن سے حضور ممدوح اپنی سلطنت کی ملازمین کے علم و ہنر کو وسیع کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں متین شہادتیں ہیں۔

ہم سکول آف ہائی ڈپلومیٹک سٹڈیز (اعلےٰ سفارتی تعلیم کا مدرسہ) کا نام لئے بغیر نہیں رہ سکتے جو پیرس کے سکول آف پولیٹیکل سائنس کو ایک دن ماند کردیگا۔

وہ سکول جو وزارت تعلیم عامہ کے سوا دیگر وزارتوں کے ماتحت ہیں حسب ذیل ہیں:۔

(۱) وزارت تجارت و پبلک ورکس اور زراعت کے ماتحت

(الف) حمیدیہ تجارتی سکول جسے سلطان عبدالحمید خاں نے ۱۸۸۲ء میں قائم کرکے

سلطنت عثمانیہ میں ایک ایسا مدرسہ جاری فرما دیا ہے جو پبلک کی صنعت و حرفت اور تجارت کو فروغ دینے میں نہایت ہی مفید چیز ہے ٭

(ب) آرٹس و ٹریڈز سکول (مکاتب صنعتی) یہ تعداد میں دو ہیں ایک لڑکوں کے لئے اور دوسرا لڑکیوں کے واسطے ہے زمانہ مدرسہ کو ۱۳۰۸ھ میں از سر نو ترتیب دیگئی تھی۔ جس سے وہ صنعتی تعلیم نسواں میں اپنی آپ ہی نظیر ہو گیا ہے۔ اُس میں لکھنا پڑھنا۔ سوئی کا کام سکھایا جاتا ہے۔ اور جو کچھ کام لڑکیاں تیار کرتی ہیں وہ اُن کی ہی منفعت کے لئے فروخت ہو کر زر قیمت ایک طرح کے سیونگ بنک میں جمع کر دیا جاتا ہے اور جمع شدہ رقم پاس شدہ لڑکیوں میں حسب لیاقت تقسیم کر دیجاتی ہے ٭

(ج) صنعتی مدارس جو فی ولایت ایک ایک مدرسہ کے حساب سے ۱۳۰۸ھ میں قائم اور جاری کئے جانے منظور ہوئے تھے باقاعدہ طور پر سلسلہ وار برابر قائم ہو رہے ہیں ٭

(۲) وزارت (صیغہ مال کے ماتحت)

(الف) معدنیات و جنگلات کا مدرسہ عہد سعادت مہد اعلےٰ حضرت سلطان عبد الحمید خان میں مدرسہ معدنیات اور جنگلات کے ملا دینے سے ظہور میں آیا ہے ٭

(ب) مدرسہ تار برقی۔ جسے حضور ممدوح کی پر ضیا ظل عاطفت میں موجودہ رونق و فروغ حاصل ہوا ہے ٭

تمام قلمرو عثمانیہ اور اس کے مختلف صوبہ جات میں تعلیم حیرت انگیز طور پر ترقی کر رہی ہے۔ مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے معتقدوں پر یکساں خلیفۃ المعظم کا لطف و کرم مبذول ہے۔ اور یکساں یہ لوگ آپ کی مہربانی سے مستفید ہوتے ہیں ٭

ارمنی شورش

آرمینوں کی پچھلی شورش کی طرف دنیا کی توجہ بہت کچھ مبذول ہوئی ہے اور اسی لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس افترا پردازی کے متعلق بھی یہاں کچھ لکھدیا جائے ✤

ارمنی جس وقعت اور اعتبار سے مغرب اور مشرق میں دیکھے جاتے ہیں اس کا اندازہ پڑھنے والے کو گذشتہ صفحات کے مطالعہ سے اچھی طرح ہوگیا ہوگا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ارمنی خود بھی اپنے اس عیب سے بخوبی واقف ہیں۔ کیونکہ کچھ عرصہ گزرا کہ ایک ارمنی نے نیویارک (امریکہ) کے ایک سربرآوردہ روزانہ اخبار میں ایک خط شائع کرکے اپنے ہم مذہبوں کو اپنے بیانات میں صداقت حرف صداقت اور سوائے صداقت کے اور کچھ زیادہ نہ بیان کرنے میں نہایت محتاط رہنے کی تاکید اکید کی تھی۔ اس سادہ لوح ارمنی کو اپنی کوششوں اور محنتوں میں جو کچھ کامیابی ہوئی ہے۔ وہ مندرجہ ذیل واقع سے معلوم ہوسکتی ہے۔ جو تمام صوبجات متحدہ اور یورپ میں شرقاً غرباً شمالاً وجنوباً مشتہر ہو رہا ہے ✤

"ارمنی سرگروہ گریگوری کی بیوی کی یہ کہانی (جس نے کچھ عرصہ سے تمام دنیا میں ایک ہلچل ڈال رکھی تھی) کہ وہ ترکی ظالموں کے ہاتھوں بے عزتی گوارا نہ کرکے اپنے بچے کو گود میں لئے ہوئے ایک غار عمیق میں کود پڑی تھی۔ اور اس کی تقلید میں دوسری عورتوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ حتےکہ وہ نالہ لاشوں سے پُر ہوگیا تھا جیسے کہ اکثر لوگوں نے اس قصے کے سنتے ہی پیشین گوئی کردی تھی از سرتاپا جھوٹ اور غلط ثابت ہوئی" ✤

"اب یہ معلوم ہوگیا ہے کہ یہ مکروہ اور خوفناک قصہ اس پرانی کہانی سے جسے نظم میں مسٹر ہیمنز نے کئی برس ہوئے اپنی کتاب "سولیوٹ مدر" میں بیان کیا تھا لیا گیا

ہے اور واقعات موجودہ کے مناسب حال بنانے کے لئے اُس پر بہت سی رنگ آمیزیاں اور زیادتیاں کر لی گئی ہیں۔ اِس انکشاف عجیبہ سے بالغلب نہ سہی مگر ممکن تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام "ارمنی مظالم" زیادہ تر کسی تنگ بند جنونی کے دماغی اختراعات ہیں۔ جو ذاتی منفعت۔ کینہ توزی یا کسی اور ویسے ہی مدعا کے لئے گھڑی گئیں مگر یہ یقینی امر ہے کہ اس انکشاف حال نے ماسوا ان ارمنی ایجی ٹیٹروں (شورش برپا کرنے والوں) کے جن کا پیشہ ہی یہی ہے۔ اور جن پر اس ایجی ٹیشن کی مرگی کا ہمیشہ دورہ ہوا کرتا ہے۔ ترکوں کی مخالفت کے جوش کو نمایاں طور پر ختم کر دیا ہے ؎

"یہ مندرجہ بالا ارمنی ایجی ٹیٹر اس بات کو کہ یہ کہانی محض ایک پرانی نظمیہ کتاب سے اخذ کی گئی ہے ورنہ در اصل اس کی کوئی حقیقت یا بنیاد نہیں ہے تسلیم نہیں کرتے اور بڑے اطمینان اور بھروسہ کے ساتھ تحقیقات کنندہ کمیشن کی رپورٹ کا انتظار کر رہے ہیں جو ارمنی سرزمین پر پہنچ گئی ہوئی ہے" ؎

اِس میں کوئی کلام نہیں ہے کہ ضلع ساسون میں کچھ شورش ہوئی ہے مگر اُس کی پوری پوری تحقیقات ہوگی۔ کیونکہ اعلیٰحضرت کی یہ مستقل اور مضبوط خواہش ہے کہ اُس کی تمام رعایا کے ساتھ منصفانہ برتاؤ کیا جائے اور تمام مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیجائے۔ لیکن ہمارے خیال میں سب سے پہلے یہ معلوم کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ کہ وہاں دراصل وقوع میں کیا آیا ہے اور ثانیاً یہ کہ واقعی ابتدا کرنے والے کون تھے۔ واقعات گذشتہ مندرجہ ذیل مختصر طرز میں جیسا کہ اُن کو نیویارک ہیرلڈ نے شائع کیا ہے بہت عمدگی سے یہاں بیان کئے جا سکتے ہیں ؎

"ارمنی فتنہ پردازوں نے تالوری کے دشوار گذار پہاڑوں میں جو موش (واقع ولایت بطلس) کے جنوب مشرق میں ساسون اور ضلع قال واقع متصرفات دکشنزی) گنج کے درمیان ہیں۔ سر آنکالا۔ اور اپنی فوجوں کو مسمی حمپرط زوم کے اغوا پر جو مورٹ کے فرضی نام سے ان علاقوں میں پہلے سے شورش برپا کرتا تھا جمع کیا ؎

یہ حمپرط زوم ولایت ادانہ کے قصبہ حجین میں پیدا ہوا تھا اور آٹھ برس قسطنطنیہ

ارمغان



کے سول میڈیکل سکول میں تعلیم پاتا رہا۔ مگر قوم قاپو کے ہنگاموں میں شریک ہونے کی وجہ سے انھیں گواور وہاں سے جنوا کو بھاگ گیا۔ بعد ازاں وہ بھیس بدل کر اور اپنا نام بدلا کر اسکندریہ کے راستہ دیار بکر سے بطلس کے نواح میں پہنچ گیا۔ اور وہاں پہنچتے ہی پانچ اور شخصوں کے ساتھ ملکر اسی وقت سے اپنی باغیانہ ایجی ٹیشن (شورش) شروع کر دی ✤

حمیر طزوم بھولی رعیت کو یہ یقین دلاتا پھرتا تھا کہ وہ ایک اجنبی ایجنٹ ہے اور ترکی حکومت کو تہ و بالا کرنے کے متعلق جس قدر وہ تجویزیں کر رہا ہے۔ اُن میں وہ دول یورپ اُس کی مدد و معاون ہیں۔ چنانچہ اس طرح سے دیہات سار۔ رسمائی گلی گوزات تا ہی۔ خدنگ۔ سیتانک جقند۔ الفرد۔ مسونی۔ اتک۔ آق جسر اور علاقہ تالوری کے آرمینیوں کو جس میں چار ضلعے شامل ہیں وہ اپنی مجرمانہ اغراض میں شامل کرنے پر کامیاب ہو گیا ✤

"پس ان باغیوں نے زیر کمان حمیر طزوم جولائی گذشتہ (۱۸۹۳ء) کے آخری حصہ میں اپنے دیہات کو ترک کر دیا۔ اور اپنی عورتوں۔ بچوں اور املاک کو نا قابل گذر اور ممتنع الوصول مقامات میں چھوڑ کر دوسرے مسلح باغیوں کو بھی جو وادئے موش اور قال وسلوان کی قضاؤں (علاقہ جو قاضی کے ماتحت ہو یعنی تحصیل) سے آئے تھے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور تین ہزار سے زیادہ کی تعداد میں بمقام اندوق داغ جمع ہو گئے۔ ان میں سے پانچ سو یا چھ سو باغیوں نے موش پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور ابتداءً قبیلہ ولیقان پر جو کوہ قورلنگ پر موش کے جنوب میں آباد ہے حملہ کر کے اُن میں سے کئی ایک کو قتل کیا۔ اور اُن کی تمام جائدادیں لوٹ لیں جس قدر مسلمان اُن کے ہاتھ لگے۔ پہلے ان کی سخت مذہبی توہین کی گئی۔ اور بعد میں اُن کو نہایت خوفناک اذیتیں اور تکلیفیں پہنچا کر قتل کیا گیا۔ باغیوں نے نواح موش کی باقاعدہ فوج پر بھی حملہ کیا۔ مگر وہ خاص شہر موش پر وہاں کی زبردست جنگی فوج کے خوف سے حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے ✤

"یہ گروہ پھر ان باغیوں کے ساتھ مل کر جو اندروق داغ پر اکٹھے ہوئے تھے

علیحدہ علیحدہ جماعتوں میں ہوگیا۔ جنہوں نے آس پاس کے قبیلوں پر بڑی خونخواری سے حملہ کرکے نہایت مہیب اور خوفناک جرائم کا ارتکاب کیا۔ اور چاروں طرف لوٹ مار کا بازار گرم کردیا۔ اُنہوں نے عمر آغا کے بھتیجے کو زندہ آگ میں جلا دیا۔ اور گلی گوزات کے گاؤں میں تین چار مسلمان گھروں کی عورتوں کو ہلاک کردیا۔ علاوہ بریں اُنہوں نے بے تعداد مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں۔ اُن کو صلیب کے چومنے پر مجبور کیا۔ اُنکی آنکھیں نکال ڈالیں۔ کان کتر دئیے۔ اور اسی طرح کے اور ہزاروں نہایت دردانگیز ظلم و ستم ان غریبوں پر کئے ۔

"انہی باغیوں نے اگست گذشتہ کے شروع میں مقامات بکران و بادیکان کے قبیلہ جات فنی نار پر حملہ کرکے اُسی طرح کے جور و ستم کئے۔ جیسے کہ اُوپر لکھے جا چکے ہیں۔ ان باغیوں کے علاوہ دیہات علی غرنق وبرموش کے باغیوں نے جو ضلع کلب کے پرگنہ جنان میں واقع ہیں۔ اُن کردوں پر جو ان مواضعات میں آباد تھے اور نیز اُن کردوں پر جو دیہات قبیصہ وجاٹ جاٹ میں بستے تھے حملہ کردیا ۔

"اگست کے اخیر میں ارمنی موش کے قرب وجوار میں کردوں پر حملہ کر رہے تھے۔ اور موضع گلی گوزات اور دو تین اور موضعوں کو جلا کر راکھ سیاہ کر چکے تھے تالوری کے باغی تعداد میں تین ہزار سے متجاوز تھے۔ اور عیسائی اور مسلمان دونو میں ہلاکت و تباہی برپا کر چکنے کے بعد اپنے ابلیسانہ کام میں برابر لگے ہوئے تھے۔ چنانچہ جب اُن کو ہتھیار رکھ دینے اور مطیع ہو جانے کا حکم دیا گیا۔ تو انہوں نے انکار کردیا۔ اس پر بغاوت کے فرو کرنے کے لئے باقاعدہ فوج موقع پر روانہ کی گئی۔ سرغنہ حمپرطزوم گیارہ خطا کار ساتھیوں کے ہمراہ بلند پہاڑوں کیطرف بھاگ گیا۔ مگر آخرکار زندہ پکڑ لیا گیا۔ لیکن گرفتاری سے پہلے اس نے دو سپاہیوں کو قتل اور چھ کو زخمی کیا۔ اگست کے اخیر تک تمام باغی گروہ منتشر کردئیے گئے ۔

عورتوں۔ بچوں اور بیماروں کی حسب اقتضائے انسانیت۔ احکام اسلام کے مطابق پوری پوری خبرداری کی گئی۔ اور وہی صرف باغی فوج کی باڑھوں سے ہلاک ہوئے جنہوں نے ہتھیار رکھ دینے سے انکار کیا۔ اور اپنے ملک کے جائز حکام

سے مقابلہ کرنے کو ترجیح دی ۔

ان واقعات متذکرہ بالا کے بعد میں ایک چشم دید شاہد یعنی مسٹر زیمی نیز اندلسوئی سیاح اور فیلو رائل جغرافیکل سوسائٹی آف انگلینڈ کی شہادت سے تصدیق ہو گئی مصائب ساسون کی نسبت جو کچھ اُن کا بیان ہے اُسے اخبارات نے مندرجہ ذیل پیرایہ میں شائع کیا ہے :-

"سینور زیمی نیز مشہور اندلسوئی سیاح اُس جغرافیکل مشن کو جس ٹرکی کی گورنمنٹ نے کردستان اور میسوپوٹیمیا (دوآبہ فرات و دجلہ) میں بھیجا تھا۔ مارچ سے شروع کر کے ماہ نومبر اُسے ختم کر کے اب حال ہی میں یہاں واپس آئے ہیں۔ مفروضہ مظالم ساسون کے وقت وہ ارمنی صوبہ بطلیس میں موجود تھے اور اُن کا بیان ہے کہ اُنھوں نے وہاں کوئی ایسی چیز دیکھی یا سُنی نہیں جس سے ان درد انگیز کہانیوں کی جو مظالم آرمینیا کی نسبت مشہور کی جارہی ہیں۔ کوئی اصلیت یا بنیاد قرار دی جاسکے"۔

"سینور زیمی نیز ایک مہینہ قسطنطنیہ میں رہے۔ مگر وہاں اُنھوں نے اس معاملہ پر کسی طرح کی بحث کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اب وہ بمعیت وڈر پاشا لنڈن میں ہیں۔ اور اس سے زیادہ عرصہ تک خاموش رہنے کی کوئی وجہ نہیں دیکھتے اُن کے خیال میں آرمینیا کی موجودہ متوحش حالت کا الزام بہت کچھ ان امریکن میتھوڈسٹ مشنوں کے ذمہ عاید ہوتا ہے۔ جو ایشیا کوچک میں ڈیرہ ڈالے ہوئے ہیں۔ ان کا بیان ہے کہ یہ مشنیں آرمینیوں کو ایسی سطحی تعلیم دیتی ہیں جو جماعت مذکور کی ضرورتوں کے بالکل متناقض ہے۔ ان مشنوں کے طلباء اپنے گھروں کو واپس جانے اور اپنی اراضیات پر محنت کرنے پر کبھی راضی نہیں ہوتے۔ ان کو ہر وقت امریکن آزادی کا خبط سمایا رہتا ہے اور سو میں سے ننانوے صورتوں میں ارمنی ایجی ٹیٹر (شورش کنندگان)، وہ شخص پائے گئے ہیں۔ جو اُن کی مشنوں کے شاگرد رہ چکے ہیں ۔

"سینور زیمی فرماتے ہیں کہ یہ امر بالکل غلط ہے کہ ترکی باقاعدہ یا بےقاعدہ فوج نے عورتوں اور بچوں پر ظلم کئے یا ان کو بےحرمت کیا ہے۔ یہ کل واقعہ صرف ایک

مقام کی شورش پر محدود ہے جو وہیں اسی مقام پر دبا دی گئی۔

"پچھلے موسم سرما میں آرمینیوں اور کردوں کے درمیان جو لڑائیاں اور ہنگامے ہوئے ہیں۔ ان کو بیان کرنے کے بعد صاحب موصوف ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ ارمنی ایک بہت بڑی تعداد میں ساسون کے قریب وادیئے تالوری میں جمع ہوئے۔ گورنر بطلس کی درخواست پر ترکی پاشا کی فوج کو حرکت دینے اور امن قائم کرنے کا حکم بھیجا گیا۔ اس پر چار پلٹنیں جن میں تقریباً بارہ سو سپاہی تھے جلدی جلدی اکٹھی کی گئیں۔ اور آرمینیوں کو منتشر کرنے کے لئے بھیجی گئیں۔ فوج نے باغیوں کو بتاریخ ۲۸۔ اگست ایک میدان مرتفع پر آدبوچا۔ اور ان کو ہتھیار رکھ دینے کا حکم دیا گیا"۔

"آرمینیوں نے جو تعداد میں تین ہزار سے زیادہ تھے سپاہیوں کو منہ چڑانا۔ اور ان پر پتھر پھینکنے شروع کر دیئے۔ اور آخر میں انہوں نے فوج پر چند گولیاں بھی چلا دیں جس پر فوج نے بھی ایک باڑھ ماری۔ اس پر ارمنی بھاگ گئے۔ اور ایک تنگ گھاٹی میں اکٹھے ہو گئے۔ جہاں پر ترکی فوج پھر ان کے تعاقب میں پہنچ گئی۔ اور ترکی کمان افسر نے آشتی آمیز تقریر میں ان کو منتشر ہو جانے کی نصیحت کی۔ چند نے اس نصیحت کو قبول کر لیا۔ مگر اکثروں نے ایسا کرنے سے انکار کیا۔ جس پر فوج نے دوسری باڑھ ماری۔ اور کل تین سو ارمنی مارے گئے اور کل معاملہ میں صرف ایک یہی واقع کسی قدر سنگین ظہور میں آیا۔ یہ سچ ہے کہ بہت سی قیدی گرفتار کئے تھے۔ مگر وہ بعد میں رہا کر دیئے گئے تھے"۔

اب رہا یہ امر کہ اصلی محرک کون تھے اور کن کی مہربانی سے یہ حالت حادث ہوئی ہے۔ سو ہمارے خیال میں انگریزی زبان بولنے والی قوموں کو پادری سرس ہیملن صاحب جیسے معتبر اور متدین شخص کے بیان سے بڑھ کر جس نے اس قدر عرصہ پہلے یعنی ۲۳ دسمبر ۱۸۹۳ء کو اخبار "کان گری گیشنسٹ" (یعنی مذہبی پرچہ) میں مندرجہ ذیل بے نظیر خط شائع کر کے ان سوالوں کا جواب دیدیا ہے۔ کوئی اور جواب زیادہ مقبول نہیں ہو سکتا۔

"ایک ارمنی فتنہ پرداز جماعت سلطنت عثمانیہ کے بعض حصوں کی تمام



ارشی نفیسہ

عیسائی آبادی اور مشنری کام کو نہایت سخت نقصان اور زیان پہنچا رہی ہے۔ یہ ایک خفیہ انجمن ہے۔ اور وہ اپنا کام ایسی باہنر مکاری اور چالاکی سے کر رہی ہے کہ اس مکاری کو صرف مشرق کے لوگ ہی اچھی طرح سے سمجھ سکتے ہیں +

ایک پمفلٹ میں جو بڑی کثرت سے تقسیم کیا گیا ہے اخیر پر یہ اشتہار درج کیا گیا ہے۔ "یہی صرف ارمنی ایسی جماعت ہے جو آرمینیا میں انقلابی تحریک کی رغبت دلا رہی ہے۔ اور اس کو پھیلا رہی ہے۔ اس کا صدر مقام انھنز (دارالخلافہ یونان) میں ہے۔ اور اس کی شاخیں آرمینیا کے ہر ایک قصبہ اور گاؤں میں اور نیز نوآبادیوں میں موجود ہیں +

"انجمن ہذا کے بانیوں میں سے ایک مسمی نشان غراب دیان امریکہ میں ہے۔ اور جو شخص مزید حالات دریافت کرنا چاہیں وہ اس سے یا مرکزی کمیٹی کے ایم مینی آر کے ذریعہ سے خط وکتابت کر سکتے ہیں۔ سابق الذکر کا یہ پتہ ہے نشان غرابدیان نمبر ۱۰ فونٹین سٹریٹ قصبہ ووسٹر ریاست مسیسپی (صوبجات متحدہ امریکہ) اور آخر الذکر کو ڈاکخانہ انھنز۔ یونان کی معرفت خطوط بھیجے جا سکتے ہیں +

"ایک بڑے عقیل و فہیم ارمنی جنٹلمین نے جو نہ صرف ارمنی زبان بلکہ انگریزی بھی بہت شستہ اور پاکیزہ بولتا ہے اور انقلاب حکومت کا بڑا زبردست حامی ہے۔ مجھے یقین دلایا ہے کہ آرمینیوں کو بڑی زبردست امیدیں ہیں۔ کہ وہ روسیوں کے لئے ایشیا کوچک میں داخل ہو کر اس پر قابض ہونے کا راستہ تیار کر رہے ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ کس طرح؟ جس کے جواب میں اس نے کہا۔ کہ

"یہ تمام ہنچاگواسٹ (باغی ارمنی) گروہ جو کل سلطنت میں قائم ہو چکے ہیں موقع مناسب کے ملتے ہی ترکوں اور کردوں کو قتل کر دینگے۔ اپنے دیہات کو جلا دینگے۔ اور پھر خود پہاڑوں میں جا چھپینگے۔ اس کارروائی سے مسلمان سخت غضب آلود ہو جائینگے۔ اور وہ یکبارگی اُٹھ کر بے پناہ آرمینیوں پر جا پڑینگے۔ اور ان سخت وحشیانہ طریقوں سے ذبح کرنا شروع کر دینگے۔ جس سے روس انسانیت اور عیسوی تہذیب کی حمایت کرنے کے لئے حملہ آور

ہو جائیگا اور قبضہ کر لیگا"۔

یہ سنکر جب میں نے اس تجویز کو نہایت ہی سفاکانہ اور ابلیسانہ کہا تو پھر مجھے بڑی متانت اور سنجیدگی سے یہ جواب دیا۔

"تمہیں بیشک ایسی ہی معلوم ہوتی ہو گی۔ مگر ہم آرمینیوں نے آزاد ہونے کی ٹھان لی ہے۔ یورپ نے بلغاری مظالم کی طرف توجہ کی اور بلگیریا کو آزاد کرا دیا۔ اسی طرح جب لاکھوں عورتوں اور بچوں کے خون کی ندیاں بہینگی۔ اور اُن کی آہ و بکا آسمان تک پہنچے گی تو وہ ہماری فریاد کو بھی سُنے گا"۔

میں نے اُسے یہ سمجھانے کی بے فائدہ کوشش کی کہ یہ تجویز آرمینیوں کا نام تک تمام مہذب لوگوں میں قابل نفرت بنا دیگی۔ مگر اُس نے جواب دیا کہ "ہم مایوس ہو گئے ہیں۔ اور ہم یہی کرینگے"۔

میں نے کہا "مگر تمہاری قوم روسی حفاظت کی خواہشمند نہیں ہے وہ تو ٹرکی ہی کو خواہ وہ کیسی بُری ہو ترجیح دیتی ہے۔ دونو سلطنتوں کی صدیں کئی سو میل تک ایک دوسرے سے ملحق ہیں۔ اور ایک سے دوسری میں ہجرت کر جانا ہر وقت نہایت آسان ہے اور یہ اتصال آجکا ہی نہیں ہے۔ بلکہ اسلامی حکومت کے آغاز ہی سے یہی کیفیت ہے۔ پس اگر تمہاری قوم روسی گورنمنٹ کو پسند کرتی تو آج ٹرکی میں ایک خاندان بھی نظر نہ آتا۔ اُس نے جواب دیا۔ ہاں جو کچھ تم نے کہا ہے درست ہے۔ مگر اسی حماقت کے بدلے تو وہ تکلیفیں اُٹھا رہے ہیں اور بھی اُٹھائینگے"۔

میری اور بھی کئی لوگوں سے گفتگو ہوئی جو اسی طرح کے ارادے رکھتے ہیں۔ مگر یہ بات کوئی بھی تسلیم نہیں کرتا۔ کہ وہ انجمن مذکور کا ممبر ہے۔ لیکن جو لوگ قتل و آتشزدگی کو مباح سمجھتے ہوں جھوٹھ بولنا اُن کے سامنے کیا حقیقت رکھتا ہے۔

"ٹرکی میں جماعت مذکور ترکوں کو پروٹسٹنٹ پادریوں اور پروٹسٹنٹ آرمینیوں کے برخلاف برانگیختہ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ مقام مارسووان میں جس قدر ہنگامے ہوئے تھے وہ سب اسی جماعت کی کرتوتوں سے ہوئے تھے

وہ سب کے سب بڑے مکّار۔ بے آبرو لے اور ظالم ہیں۔ وہ خود اپنی جماعت کے لوگوں کو قتل کر دینے کی دھمکیں دیکر ان سے زرچندہ جبراً طلب کرتے ہیں۔ اور یہ دھمکیاں محض ڈراوا ہی نہیں۔ بلکہ اکثر عمل میں بھی لائی جاتی ہیں۔ میں نے اس ہنچاگو اسٹ (انقلابی جماعت) کی ناپاک اغراض میں سے صرف چند ایک ہی کا۔ اور وہ بھی حتے الامکان نہایت ہی نرم اور رعائتی انداز سے پردہ فاش کیا ہے۔ اُس کا آغاز روس سے ہوا ہے۔ اور روسی سونا اور روسی چالبازی ہی اس کی روح رواں ہیں تمام پادریوں کو جو خواہ وہ وطنی ہوں یا اجنبی لازم ہے کہ اس انجمن کی برملا مذمت کریں اور پروٹسٹنٹ پادریوں کو تو خاصکر بڑے زور سے اس کی مذمت کرنی واجب ہے اسی جماعت کے ممبر ہر ایک اتوار ی سکول میں داخل ہونے اور معصوم بھولے بھالے لوگوں کو دھوکہ دینے اور اس طرح سے باغی بنانے اور اپنے ساتھ شامل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس لئے ہم کو ہوشیار رہنا چاہئے۔ کہ آرمینیوں کی حمایت کرتے وقت ہم کوئی ایسا فعل تو نہیں کر رہے۔ جو کسی طرح سے اس کمبخت انجمن کی اغراض کا جس سے ہر ایک شخص کو نفرت کرنی چاہئے موید ہو سکے۔ ہم مانتے ہیں کہ ممکن ہے۔ اس ملک (امریکہ) کے چند ارمنی ہنچاگو اسٹ انجمن کے ظالمانہ ارادوں اور اُس کے اصلی مدعا سے ناواقف ہوں۔ اور محض حب الوطنی سے ان کے ساتھ شامل ہو گئے ہوں۔ ماسوائے ازیں ہم صوبۂ آرمینیا کے ارمنی باشندوں کی مصیبتوں سے ہمدردی بھی رکھتے ہیں۔ لیکن ایسی سربستہ اور مہلک کوششوں سے جن کا نتیجہ پروٹسٹنٹ مشنوں۔ گرجوں۔ سکولوں اور انجیلی تبلیغ سب کو ایک ایسی عام تباہی میں جس کے ہم پہنچانے کی بڑی مستعدی اور مکّاری سے کوشش کی جا رہی ہے ڈالدینے کا ہو بالکل الگ رہنا اشد ضروری ہے۔ میں تمام وطنی اور غیر وطنی پادریوں کو آگاہ کرتا ہوں۔ کہ وہ ہنچاگو اسٹ لوگوں سے کسی طرح کا کوئی تعلق ہرگز نہ رکھیں اور نہ اُن سے کوئی اتحاد و موانست ہی کریں ۞

راقم سیرس ہیملن از لیکسنگٹن (امریکہ) مورخہ ۲۲ دسمبر ۹۳ء

اس سچی پیشگوئی کرنے والے خط کے ساتھ ہم ایک اخبار کے خاص نامہ نگار کے خط سے مندرجہ ذیل اقتباسات درج کر دینے مناسب خیال کرتے ہیں۔ نامہ نگار

مذکور بالیقین ترکوں اور ترکی گورنمنٹ کا دوست نہیں ہے۔ مگر پھر بھی جو کچھ لکھتا ہے وہ یہ ہے :۔

"یہ ایک امر واقع ہے کہ چند ارمنی مفسدوں نے مقام مارسودان کے پادری ایڈورڈ رگز اور دیگر امریکن پادریوں کو خود قتل کر کے الزام ترکوں کے سر تھوپنے کی صلاح کر لی تھی۔ تاکہ صوبجات متحدہ ترکی گورنمنٹ سے لڑائی شروع کر دے۔ جس سے آرمینیوں کا آزاد ہونا ممکن ہو جائیگا۔ اللہ اکبر۔ یہ ایک ایسی ابلیسانہ سازش ہے کہ تواریخ عالم کے ہزاروں صفحے اُلٹنے پر بھی اس کی نظیر بمشکل ملیگی اور غضب یہ ہے کہ اگر پادریوں کو ان کا ایک ارمنی دوست خبردار نہ کر دیتا۔ تو وہ ضرور ہلاک کر دیئے جاتے ۔

ڈاکٹر رگز نے بڑی نفس کشی سے محض للّٰہی طور پر اپنی عمر مشنری سکولوں میں ارمنی نوجوانوں کے تعلیم دینے پر خرچ کر دی ہے۔ اور آرمینیوں کو لائق اور حکومت کرنے کے قابل بنانے میں جو کچھ اُس نے کیا ہے۔ کسی ارمنی نے اس کا عشر عشیر بھی کر کے نہیں دکھلایا۔ لیکن افسوس سازشیوں نے اس کا بھی کوئی لحاظ نہ کیا .... یہ کہنا تو بیشک ناممکن ہے کہ انقلاب پسند لوگوں میں آزادی کے خیالات فلاں حد تک غالب ہیں۔ لیکن بعض سرغناؤں کی تجویز بلاشبہ ایسی خوفناک ہیں کہ اُن کو سنکر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بالاختصار اُن کی تجویزیں یہ ہیں۔ کہ ترکوں پر ناگفتنی مظالم توڑے جاویں۔ تاکہ وہ غضب میں آکر اُن کے جواب میں ایسی وحشیانہ حرکات کے مرتکب ہوں کہ عیسائی دنیا اُن سے چونک اُٹھے ۔

زیادہ تر قابل افسوس یہ امر ہے کہ جب اِن تجویز کنندگان کو نصیحت کی جاتی ہے کہ تمہاری یہ تدبیریں عیسائیت کی نقیض ہیں تو وہ جواب دیتے ہیں۔ کہ "تم کو ظالمانہ اور وحشیانہ معلوم ہوتی ہونگی۔ مگر جو کچھ ہم کر رہے ہیں اور جس غرض کے لئے کر رہے ہیں اانہیں ہم خوب سمجھتے ہیں" ۔

اِن لوگوں نے حصول روپیہ کے لئے جو طریقے مقرر کئے ہوئے ہیں وہ بھی پولیٹکل ایجی ٹیشن کی تجاویز سے کچھ کم نفرت انگیز نہیں ہیں۔ گانٹھ کے پورے اور عقل کے اندھے آرمینیوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ کمیٹی کو اتنے اتنے ہزار پاپیسہ

کی امداد دیں اور روپیہ حاصل کرنے کے وسائل بھی بڑی ضاحت کے ساتھ مقرر کئے گئے ہیں۔ اس کی مثال میں ہم ایک واقعہ ذیل میں درج کرتے ہیں :۔

"ایک متمول ترک کو جو قسطنطنیہ میں سرکاری ملازم ہے۔ ایک دن یہ خط ملا کہ اگر وہ چوبیس گھنٹے کے اندر فلاں مقام پر بارہ ہزار پیا سٹر نہ رکھدے گا تو وہ قتل کر دیا جاویگا۔ تحقیقات شروع ہونے پر معلوم ہوا کہ خط مذکور ایک ارمنی کا لکھا ہوا تھا۔ جو کئی برسوں سے اسی ترک کا ملازم تھا۔ اور بڑا اعتباری سمجھا جاتا تھا۔ نوکر مذکور نے اپنے جرم سے اقبال کیا۔ مگر ساتھ ہی اپنے بچاؤ میں یہ عذر کیا۔ کہ انقلاب پسند مفسدوں نے اُسے قتل کرنے کی دھمکی دے کر اس خط کے لکھنے پر مجبور کیا تھا۔ پس ظاہر ہے کہ وہ دو بلاؤں میں گرفتار تھا۔ اور بیچارہ نے چند برسوں کی قید کے عوض اپنی جان کو مفسدوں کے ہاتھ سے بچالیا۔ یہ عام یقین ہے کہ اس طریقہ سے بہت روپیہ بہم پُہنچایا جاتا ہے۔ مگر یہ کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ آیا وہ روپیہ انقلابی مفسدوں کی جیبوں سے بھی باہر نکلتا ہے یا نہیں۔ البتہ عام خیال ہے کہ یہ روپیہ بندوقوں اور گولی بارود کے خریدنے پر صرف ہوتا ہے۔ لیکن اس کا علم بھی اس انقلاب چاہنے والے مفسدوں کو ہی ٹھیک طور پر ہو سکتا ہے۔"

مندرجہ بالا عبارت کو پڑھ کر روے زمین پر کیا کوئی ایسا شخص جس میں صداقت اور عام دانائی کا ایک ذرہ بھی ہو یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ ترکی گورنمنٹ اور ترک لوگ ہی ہیں جو آرمینیوں کو ستارہے ہیں۔ اور اُن کے مذہب اور نسل کو روے زمین پر سے نیست و نابود کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بلکہ برخلاف اس کے یہ امر واقع ہے کہ وفادار اور قانون کی متابعت کرنے والے ارمینیوں کی نہ فقط حفاظت ہی کیجاتی ہے۔ بلکہ وہ بڑے بڑے اعلےٰ سرکاری عہدوں پر مامور کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک دآرتیان وادیان پاشا۔ مترجم) اس وقت امپیریل گورنمنٹ کا ایک وزیر بھی ہے۔ نیز یہ بھی ایک امر واقع ہے۔ کہ ٹرکی کے ارمنی جو تعداد میں ۱۰ لاکھ سے کچھ زیادہ نہیں (کیونکہ ان کی تعداد اس سے متجاوز نہیں ہے) اپنے سکول رکھتے ہیں۔ اُن کی زبان اور علم ادب محفوظ ہے۔ ان کی قومیت کی عزت کیجاتی ہے۔ اور اُن کے سرکردہ آدمی بڑے بڑے اعلےٰ اور رومی عزت عہدوں پر مامور کئے جاتے

ہیں۔ درانحالیکہ عیسائی یورپ اور امریکہ۔ یہودیوں کی خس کے برابر بھی پروا نہیں کرتے اور رومن کیتھولک ہسپانیہ نے اپنے یورپی علاقہ میں ایک واحد مسلمان کو رہنے نہیں دیا۔ اور صدیاں گذریں کہ اُن کو دیس نکالا دیدیا۔ اس عظیم الشان فرق کی یہ وجہ ہے کہ اسلام فی الحقیقت اصولاً اور رواجاً ہر طرح سے ایک نہایت بے تعصب اور صلح کل مذہب ہے۔ اگر وہ ایسا نہ ہوتا تو آج اس وقت ٹرکی کے وسیع مقبوضات میں ایک عیسائی رعایا کا نام نہ پایا جاتا۔ مگر ساتھ ہی ترکوں کی خوش قسمتی سے وہ نہ ختم ہونے والا تنازعہ جسے مشرقی مسئلہ کہا جاتا ہے۔ اس کا بھی آج کے دن کوئی وجود نہ ہوتا۔ ترک فی زمانا اس بے تعصبی کی وجہ سے سختیاں جھیل رہے ہیں جو اُن کے مذہب کا ایک اصلی اور لازمی اور ضروری جزو ہے۔ یورپ اور امریکہ کو ان کا مشکور ہونا چاہیئے۔ لیکن اس کے عوض ہم بہت سے فصیح و بلیغ عیسائی جنونیوں کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ ٹرکی میں اُس چیز یعنی سرکشی و بغاوت کی حمایت کر رہے ہیں جسے وہ اپنے ملکوں میں کبھی رونق دینے کی کوشش نہ کریں ۔

یہی ناانصافی ٹرکی سے اُس کی اس پالیسی کی نسبت ظاہر کی جاتی ہے جو وہ امریکہ کے باشندگان بن گئے ہوئے۔ آرمینیوں سے اُن کے اپنے مولد و وطن (آرمینیا) کو واپس آنے پر برتتی ہے۔ اور باب عالی پر بے تعداد نامعقول اور بے بنیاد اتہام اس لئے لگائے جاتے ہیں۔ کہ خواہ امریکہ و ٹرکی میں نیچرلائی زیشن (دوسرے ملک کی رعیت کو اپنی رعیت بنانا) کے متعلق کوئی معاہدہ موجود نہیں مگر وہ اس قانون پر کیوں کاربند ہوتی ہے۔ جو نہ صرف ضروری اور نہایت مدبرانہ ہے۔ بلکہ ان ارمنی ہنگاموں کے شروع ہونے سے برسوں پہلے جاری کیا گیا تھا ۔

اس لئے اصلی واقعات کا (جیسا کہ وہ دراصل ہیں۔ نہ کہ ویسے جیسا کہ ترکی کے بدنام کنندگان نے اُس کو توڑ مروڑ کر ظاہر کیا ہوا ہے) بیان کر دینا ہمیں یقین ہے کہ اس مقدمہ کے سمجھنے کے لئے نہایت کارآمد ثابت ہوگا ۔

عثمانیہ نیچرلائی زیشن کے متعلق قانون ۱۹ جنوری ۱۸۶۹ء کو نافذ کیا گیا تھا۔ اور وہ حسب ذیل ہے:۔

ہیں۔ درانحالیکہ عیسائی یورپ اور امریکہ۔ یہودیوں کی خس کے برابر بھی پروا نہیں کرتے اور رومن کیتھولک ہسپانیہ نے اپنے یورپی علاقہ میں ایک واحد مسلمان کو رہنے نہیں دیا۔ اور صدیاں گذریں کہ اُن کو دیس نکالا دیدیا۔ اس عظیم الشان فرق کی یہ وجہ ہے کہ اسلام فی الحقیقت اصولاً اور رواجاً ہر طرح سے ایک نہایت بے تعصب اور صلح کل مذہب ہے۔ اگر وہ ایسا نہ ہوتا تو آج اس وقت ٹرکی کے وسیع مقبوضات میں ایک عیسائی رعایا کا نام نہ پایا جاتا۔ مگر ساتھ ہی ترکوں کی خوش قسمتی سے وہ نہ ختم ہونے والا تنازعہ جسے مشرقی مسئلہ کہا جاتا ہے۔ اس کا بھی آج کے دن کوئی وجود نہ ہوتا۔ ترک فی زمانا اس بے تعصبی کی وجہ سے سختیاں جھیل رہے ہیں جو اُن کے مذہب کا ایک اصلی اور لازمی اور ضروری جزو ہے۔ یورپ اور امریکہ کو ان کا مشکور ہونا چاہئے۔ لیکن اس کے عوض ہم بہت سے فصیح و بلیغ عیسائی جنونیوں کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ ٹرکی میں اُس چیز یعنی سرکشی و بغاوت کی حمایت کر رہے ہیں جسے وہ اپنے ملکوں میں کبھی رونق دینے کی کوشش نہ کریں ✤

یہی ناانصافی ٹرکی سے اُس کی اس پالیسی کی نسبت ظاہر کی جاتی ہے جو وہ امریکہ کے باشندگان بن گئے ہوئے۔ آرمینیوں سے اُن کے اپنے مولد و وطن (آرمینیا) کو واپس آنے پر برتتی ہے۔ اور باب عالی پر بے تعداد نامعقول اور بے بنیاد اتہام اس لئے لگائے جاتے ہیں۔ کہ خواہ امریکہ و ٹرکی میں نیچرلائی زیشن (دوسرے ملک کی رعیت کو اپنی رعیت بنانا) کے متعلق کوئی معاہدہ موجود نہیں مگر وہ اس قانون پر کیوں کاربند ہوتی ہے۔ جو نہ صرف ضروری اور نہایت مدبرانہ ہے۔ بلکہ ان ارمنی ہنگاموں کے شروع ہونے سے برسوں پہلے جاری کیا گیا تھا ✤

اس لئے اصلی واقعات کا (جیسا کہ وہ دراصل ہیں۔ نہ کہ ویسے جیسا کہ ترکی کے بدنام کنندگان نے اُس کو توڑ مروڑ کر ظاہر کیا ہوا ہے) بیان کر دینا ہمیں یقین ہے کہ اس مقدمہ کے سمجھنے کے لئے نہایت کار آمد ثابت ہوگا ✤

عثمانیہ نیچرلائی زیشن کے متعلق قانون ۱۹ جنوری ۱۸۶۹ء کو نافذ کیا گیا تھا۔ اور وہ حسب ذیل ہے:۔

لازمی) یہ اثر ہو گا۔ کہ وہ شخص جس نے وہ حیثیت کھوئی ہو گی سلطنت عثمانیہ کو واپس نہیں آسکیگا۔

دفعہ ۷۔ وہ عثمانیہ عورت جس نے کسی اجنبی مرد سے شادی کرلی ہو بیوہ ہونے پر اپنے خاوند کی وفات کے تین برس کے اندر درخواست دینے سے عثمانیہ قومیت کی حیثیت کو پھر حاصل کرسکتی ہے۔ لیکن یہ شرط صرف اُس کی ذات سے متعلق ہے۔ اُس کی جائداد بہر حال ملک کے عام قواعد اور قوانین کے تابع ہو گی۔

دفعہ ۸۔ ایسی عثمانیہ رعیّت کا بچّہ خواہ وہ نابالغ ہی ہو جس نے اجنبی قومیت اختیار کرنے سے اپنی قومیت کھو دی ہے اپنے باپ کی حیثیت پر نہیں جاتا۔ بلکہ عثمانیہ رعیت ہی رہتا ہے۔ اور اسی طرح سے کسی ایسے اجنبی کا بچّہ خواہ وہ نابالغ ہی ہو۔ جس نے خود کو عثمانی بنا لیا ہو۔ اپنے باپ کی حیثیت کی تقلید نہیں کرتا۔ بلکہ برابر اجنبی رہتا ہے۔

دفعہ ۹۔ ہر ایک شخص جو قلمرو عثمانیہ میں رہتا ہے عثمانی رعیت سمجھا جاتا ہے اور اسی حیثیت سے اُس کے ساتھ برتاؤ کیا جاتا ہے۔ مگر یہ کہ اُس کے اجنبی ہونے کی حیثیت باضابطہ طور پر ثابت کی گئی ہو۔

مندرجہ ذیل سرکلر مورخہ ۲۶ مارچ ۱۸۶۹ء از جانب وزیر اعظم بنام جملہ گورنر جنرلان میں اس قانون کے مضامین کی بخوبی توضیح کردیگئی۔ اور اس کے اصلی معنی بتادیئے گئے تھے۔

"عثمانیہ نیشنلٹی (قومیت) کا قانون جو ۶۔ شوال ۱۲۸۵ ہجری (مطابق ۱۹۔ جنوری ۱۸۶۹ء) کو نافذ ہوا۔ میں نے بذاتِ خاص تمہارے پاس بھیجا تھا۔ اور اگرچہ اس کا متن ایسا نہیں ہے کہ اُس سے متعدد معانی مستنبط ہو سکیں۔ تاہم میں اس کے نہایت ضروری شرائط کی غرض و غایت کی تشریح کردینا ضروری خیال کرتا ہوں"۔

سب سے اول میں اس امر کے بیان کرنے کی ...... حاجت نہیں پاتا کہ قانون مذکور کسی دوسرے قانون کی طرح اثر پس بینی نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ تمام اشخاص جو اس سے پہلے عثمانیہ قوم میں داخل شدہ تسلیم ہو چکے ہیں اور نیز وہ کل دیسی عثمانی

رعایا جن کو بروے معاہدات یا اُن خاص قراروں کے رو سے جو باب عالی اور دول غیر کی سفارت ہاے متعینہ دربار ہمایوں کے درمیان طے ہوچکے ہیں شہنشاہی گورنمنٹ اجنبی قومیت میں داخل شدہ تسلیم کرچکی ہے۔ برابر بطور سابق عثمانیہ یا اجنبی رعایا متصوّر ہونگے ✦

دفعات ۱-۲-۳ و ۴ کی عبارت ایسی صاف ہے کہ اُس کی توضیح کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ یہ اشارہ کئے دیتا ہوں کہ چونکہ ہر ایک شخص کی بلوغت کا وقت صرف اس شخص کا پرسنل (ذاتی) قانون یعنی اُس کے حسب و نسب کے ملک کا قانون معین کرتا ہے اور یہ قانون مختلف ممالک میں مختلف ہے بعض میں حد بلوغت پچیس برس ہے اور اس سے بھی زاید مقرر ہے اور بعض میں اس سے کم۔ اس لئے اول تمام اجنبی رعایا پر جو عثمانیہ گورنمنٹ میں داخل ہونے کی درخواست کرے یہ ثابت کرنا لازمی ہوگا۔ کہ وہ اپنے اپنے ملک متوطنہ کے قانون کے مطابق بالغ ہوچکے ہیں ✦

دفعہ پانچ کے رو سے رعایاے عثمانی کے ہر ایک شخص کو جو کسی خارجی ملک کی رعایا بننا چاہتا ہو۔ لازم آتا ہے کہ وہ اس سے پہلے ایک تحریری پروانہ حاصل کرے جو اس کو ایک فرمان شاہی کے رو سے عطا کیا جاویگا۔ جس کے بغیر کسی دوسرے ملک کی رعایا سے اس کی شمولیت بے سود اور فضول سمجھی جاویگی۔ بلکہ دولت عالیہ اس کی نسبت اس امر کا اعلان کرنے کی مختار ہوگی (بروے دفعہ ۶) کہ وہ رعایاے عثمانی سے خارج ہے۔ جس سے کہ بجاے خود دولت عثمانیہ سے اس کی بازآمد مسدود ہوجائیگی ✦

دفعہ ۶ میں جس سزا کا ذکر ہے۔ اس کی تعمیل تمام تر دولت عالیہ سے ہی تعلق رکھتی ہے۔ اگر کوئی شخص رعایاے دولت عثمانی ہو۔ مگر بلا سرکاری پروانہ حاصل کئے کسی دوسرے ملک کی رعایا بن گیا ہو۔ عہدہ داران دولت عالیہ اس کی اس شمولیت کو بیکار سمجھینگے۔ اور اس کے اخراج کے واسطے کوئی کارروائی عمل میں نہ لائینگے جب تک کہ پہلے براہ راست باب عالی سے ہدایت نہ ہو ✦

چونکہ رعایاے عثمانیہ کی کوئی عورت جب کسی پردیسی سے شادی کرلے۔

رعایا جن کو بروے معاہدات یا اُن خاص قراروں کے رو سے جو باب عالی اور دول غیر کی سفارت ہاے متعینہ دربار رہا یون کے درمیان طے ہوچکے ہیں شہنشاہی گورنمنٹ اجنبی قومیت میں داخل شدہ تسلیم کرچکی ہے۔ برابر بطور سابق عثمانیہ یا اجنبی رعایا متصور رہینگے ✤

دفعات ۱ - ۲ - ۳ و ۴ کی عبارت ایسی صاف ہے کہ اُس کی توضیح کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ یہ اشارہ کئے دیتا ہوں کہ چونکہ ہر ایک شخص کی بلوغت کا وقت صرف اس شخص کا پرسنل (ذاتی) قانون یعنی اُس کے حسب و نسب کے ملک کا قانون معین کرتا ہے اور یہ قانون مختلف ممالک میں مختلف ہے بعض میں حد بلوغت پچیس برس ہے اور اس سے بھی زاید مقرر ہے اور بعض میں اس سے کم۔ اس لئے اول تمام اجنبی رعایا پر جو عثمانیہ گورنمنٹ میں داخل ہونے کی درخواست کرے یہ ثابت کرنا لازمی ہوگا۔ کہ وہ اپنے اپنے ملک متوطنہ کے قانون کے مطابق بالغ ہوچکے ہیں ✤

دفعہ پانچ کے رو سے رعایاے عثمانی کے ہر ایک شخص کو جو کسی خارجی ملک کی رعایا بننا چاہتا ہو۔ لازم آتا ہے کہ وہ اس سے پہلے ایک تحریری پروانہ حاصل کرے جو اس کو ایک فرمان شاہی کے رو سے عطا کیا جاویگا۔ جس کے بغیر کسی دوسرے ملک کی رعایا سے اس کی شمولیت بے سود اور فضول سمجھی جاویگی۔ بلکہ دولت عالیہ اس کی نسبت اس امر کا اعلان کرنے کی مختار ہوگی (بروے دفعہ ۶) کہ وہ رعایاے عثمانی سے خارج ہے۔ جس سے کہ بجاے خود دولت عثمانیہ سے اس کی باز آمد مسدود ہوجائیگی ✤

دفعہ ۶ میں جس سزا کا ذکر ہے۔ اس کی تعمیل تمام تر دولت عالیہ سے ہی تعلق رکھتی ہے۔ اگر کوئی شخص رعایاے دولت عثمانی ہو۔ مگر بلا سرکاری پروانہ حاصل کئے کسی دوسرے ملک کی رعایا بن گیا ہو۔ عہدہ داران دولت عالیہ اس کی اس شمولیت کو بیکار سمجھینگے۔ اور اس کے اخراج کے واسطے کوئی کارروائی عمل میں نہ لائینگے جب تک کہ پہلے براہ راست باب عالی سے ہدایت نہ ہو ✤

چونکہ رعایاے عثمانیہ کی کوئی عورت جب کسی پردیسی سے شادی کرلے۔

گورنر جنرل صاحب آخر میں میں آپ کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کراتا ہوں۔ کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے ملک کی رعایا میں شامل ہو جاوے تو اس شمولیت سے وہ ان دیوانی یا فوجداری جرائم کی پاداش سے بری نہیں ہو سکتا۔ جو اس کی شمولیت سے پہلے اس کے برخلاف اس ملک میں عائد تھے۔ جس ملک کی وہ رعایا تھا ؞

"گورنر جنرل صاحب آپ براہ مہربانی اس نئے قانون کی تعمیل شرائط میں اُن ہدایت کے سخت پابند رہیں۔ آپ کے فرائض کی آسانی کے خیال سے یہ مراسلہ غیر افواہ میں بھی روانہ کر دیا جاویگا۔ جن کا باب عالی سے تعلق ہے تاکہ ان کے ملک کے متعلقہ مقاموں میں اعلےٰ افسروں کو اس سے اطلاع ملجاوے ؞

قسطنطنیہ

"ایشیا کی طلائی کلید"



احوال بالاجمال

(۲)

کاروباری حصص شہر اور مکانات۔ امراء و وزراء اور سرکاری دفاتر سے نکل کر قسطنطنیہ تمام دنیا میں سب سے بڑھ کر ساکن شہر ہے۔ یہاں وہ حرکت بالکل مفقود ہے۔ جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ ترکوں کی زندگی جو گھر میں بسر ہوتی ہے وہ عام نظروں کے سامنے ہرگز نہیں آسکتی۔ مگر ساتھ ہی اس کے اتنا اخفا بھی نہیں ہوتا۔ جس قدر کہ عام طور پر اہل مغرب نے اکثر بیان کیا ہے۔ تجارت کی منڈی سے نکل کر شہر کی مغربی سمت میں ترکی حصہ شروع ہوتا ہے۔ اور ایڈریا نوپل دروازہ اور قاہریہ مسجد کی طرف چلا گیا ہے۔ مکان عموماً دو منزلہ ہیں۔ نہایت محفوظ۔ باقاعدہ۔ اور نفیس۔ مگر بعض بعض مقامات پر نہایت بے قاعدگی اور بے ترتیبی بھی نظر آتی ہے۔ ایک مکان نہایت عمدہ بنا ہوا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ایک چوبی مکان چھوٹا سا ایسا پرانا اور شکستہ ہے کہ مرکز ثقل کے قیام کے تمام مسائل اس کے سامنے بیکار ہیں ٭



زغله مسجد سرعسکرت

کسی جگہ ایک کنشں دوزایک چھوٹی سی دوکان میں بیٹھا ہُوا ہے۔ کسی جگہ دو چارگز زمین پر ایک دو قبریں بنی ہوئی ہیں۔ کچھ پتھر کچھ اینٹیں اِدھراُدھر پڑی ہوئی ہیں۔ آگے بڑھو تو پھر وہی شستہ اور نفیس مکانات شروع ہو جاتے ہیں تھوڑی دور تک باقاعدہ قطار چلی گئی ہے۔ لیکن ابھی یہاں سے چند قدم آگے نکلو کہ ایک کافی خانہ مل گیا۔ ایک چھوٹی سی مسجد آگئی۔ پھر دو ایک مکان۔ اور ایک جگہ دو ایک اُن کے چند مضبوط شاندار گھوڑے پکڑے کھڑے ہیں۔ جو اسی طرح کرایہ پر مل سکتے ہیں جس طرح گاڑیاں اور بگھیاں +

غرض اسی طرح پختہ فرش پہاڑی کی اونچی نیچی سطح پر بھی یہی حالت موجود ہے۔ یہاں تک کہ وہ مقام آجاتا ہے۔ جہاں دفعتہً زمین بلند ہوگئی ہے۔ اور کسی بڑے سبزہ زار میدان کے واسطے کسی بلندی پر واقع ہو پشتہ کا کام دیتی معلوم ہوتی ہے +

جو شخص قسطنطنیہ میں سیر کو جاتا ہے۔ وہ **قاھریہ** مسجد ضرور دیکھتا ہے جو کسی زمانہ میں یونانی راہبوں کا مکان اور کنیسہ تھی۔ یہ عمارت بہت پُرانی ہے۔ اور اس کی تعمیر پر اچھی صنعت صرف کی گئی ہے۔ اس مسجد کا مُلّا۔ ایک روشن خیال اعلےٰ تعلیم یافتہ تُرک ہے۔ آنکھیں نیلی۔ ہلکے بھورے بال۔ اور رنگ نکھرا ہُوا۔ مگر سر پر سبز عمامہ ہے۔ یہ فرانسیسی زبان سے بھی ماہر ہے۔ اور مسجد کی عمارت کے متعلق ہر ایک نکتہ سے جو فن تعمیر سے تعلق رکھتا ہو۔ اسی طرح واقف ہے جس طرح تاریخ قدامت کا طالب علم۔ اور یہ اس کی نفاست اور شستگی مزاج کی برکت ہے کہ مسجد کی قلعی اور صفائی چاند کی طرح چمکتی ہے۔ اور جسکو دیکھکر طبیعت خوش ہوتی ہے" +

جو مقام ہم بیان کر آئے ہیں کہ تُرکی محلہ کے اختتام پر یکایک بلند ہو جاتا ہے۔ وہاں ایک قہوہ خانہ بنا ہُوا ہے۔ اور یہ ایسے مقام پر ہے جہاں سے تمام شہر کا نہایت عمدہ نظارہ ہو سکتا ہے اس مقام سے قسطنطنیہ کا نظارہ بالکل نیا دکھلائی دیتا ہے۔ حالانکہ باسفورس سے صرف مسجدوں کی عمارتیں ہی عمارتیں دکھلائی دیتی ہیں۔ جا بجا سبزہ زار شمشاد کے درختوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ مگر اس مقام سے بہ نسبت مکانات کے درخت زیادہ دکھلائی دیتے ہیں بھوری چھتوں کے درمیان جا بجا سبزی کا جلوہ ہے۔ بائیں جانب اور کسی قدر عین نیچے

گولڈن ہارن کی بھی ایک جھلک موجود ہے۔ اور ناظر کے عین دامن میں جو کھلی جگہ باقی رہ گئی ہے۔ اس میں مشہور مسجد سینٹ سوفیا۔ اور نیز وہ عمارتیں ہیں جو سرعسکرت اور اُس کے گرد واقع ہیں۔ مگر فاصلہ کے باعث ان کی صرف جھلک ہی دکھلائی دیتی ہے *

یہ حصہ شہر کا نہایت کم آباد ہے۔ اور ناظر کے دل پر کسی قدر ویرانگی کا اثر پیدا کرتا ہے۔ جوں جوں زمین بلند ہوتی جاتی ہے۔ مکانات کم ہیں۔ اور بہت سے ناہموار کھلے میدان ہیں۔ جن پر بہار میں سبزہ لہلہاتا ہے۔ گرمی میں گرد اُڑتی ہے اور سردی میں کیچڑ سے لبریز ہوتے ہیں۔ اس کے بعد گولڈن ہارن سے بحیرۂ مارمورا تک وہ عظیم الشان فصیل برابر چلی گئی ہے۔ جس نے ایوب جیسے جری سپاہی اور تیغ زن کے دانت کھٹے کر دئیے تھے۔ جس کی قبر اسی جگہ بنی ہوئی ہے۔ جہاں یہ آب شمشیر سے سیر ہوا تھا۔ اور یہ وہی فصیل ہے جس نے محمد فاتح کے مقابلہ میں عرصہ تک اپنا استحکام برقرار رکھا تھا *

سمندر کے پاس ہی قلعہ ییدی قول "ہفت مینار" کھڑا ہے۔ جو محمد فاتح نے تعمیر کیا تھا۔ یہی قلعہ جو اب بالکل کھنڈر ہے۔ مع اپنے بیشمار برجوں دروازوں فصیلوں اور وسیع صحن کے وہ واقعات ہیں ایک ارمنی موچی کا گھر بنا ہوا ہے عرصہ تک یہ قلعہ شہر کا فوج گاہ رہا۔ اس کے بعد قید خانہ بنایا گیا۔ جس میں ایک زمانہ میں سلاطین عثمانیہ اُن ممالک کے سفیروں کو قید کر دیتے تھے۔ جنکے مقابلہ پر وہ اعلان جنگ دیا کرتے تھے۔ اسکے بعد یہاں ایک مدرسہ بنا۔ اور اب کھنڈر پڑے ہوئے ہیں *

ایک انگریز سیاح لکھتا ہے۔ کہ پچھلی مرتبہ جب میں نے اس کو دیکھا۔ ایک روز میں کھنڈرات میں یونہی بیکار دفع الوقتی کی غرض سے ٹہل رہا تھا۔ کہ ارمنی موچی نے جو یہاں رہتا ہے۔ مجھ کو ایک کنواں دکھلایا۔ جس کا نام "چاہ خون" بتلایا۔ اور جس میں بقول اس کے محمود مصلح نے بیشمار ینگ چریوں کو قتل کر کے۔ انکی لاشیں ڈلوا دی تھیں۔ یہ کنواں گہرا اور بالکل تاریک ہے۔ پانی بھی اس میں ہے۔ مگر اب تو غالباً ایک ہڈی بھی مقتولوں کی باقی نہ ہوگی۔ دروازہ میں سے گزرتے وقت مجھ کو ایک پتھر کی ٹھوکر لگی جو دروازہ کے نیچے پڑا ہوا تھا *

یہ پتھر دراصل کسی عورت کی قبر کا تعویذ تھا جیسا کہ اس کی قطع سے ظاہر ہو رہا تھا۔ اس تعویذ پر جو کچھ لکھا ہوا تھا۔ وہ اب بھی ذرا غور کرنے پر بخوبی پڑھا جا سکتا تھا پہلے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" لکھا ہوا تھا۔ اور اس کے نیچے جو عبارت تھی اس کا ترجمہ اس طرح ہو سکتا ہے :۔

"میں زیر فلک اس باغ عالم میں آئی۔ مگر شفقت نہ نصیب ہوئی"

"اس کے بعد بھی کچھ لکھا ہوا تھا۔ مگر افسوس کہ صرف اسی قدر ٹکڑا یہاں پڑا ہوا تھا۔ باقی نہ معلوم کہاں تھا۔ اس عبارت کو پڑھ کر میرے دل پر ایک کیفیت سی طاری ہو گئی۔ وہ عورت بیچاری نہ معلوم کون تھی۔ اور کب فوت ہوئی تھی بہرحال اس قلعہ کی دیوار کے نیچے اس کا مدفن تھا۔ مگر مجھ کو ایسا تصور بندھا۔ کہ بیچاری پھر ایک مرتبہ اس "باغ عالم" کے دروازے پر آئی ہے اور دست تک دیکر وہ شفقت مانگ رہی ہے۔ جو اس کو جیتے جی نصیب نہیں ہوئی۔ چاروں طرف سناٹا اور ہُو کا عالم چھایا ہوا تھا۔ قلعہ کے صحن میں ایک باغ کے آثار بھی پائے جاتے تھے۔ جو ایک زمانہ میں یقیناً دلکشی اور دلفریبی کے ساتھ خوشگواری کا حق ادا کرتا ہوگا۔ مگر اب جس کی دھول پر آفتاب کی دھوپ طپش پیدا کر رہی تھی۔ مسجد کے کھنڈر ایک طرف علٰحدہ ہویدا تھے۔ اور اسی چاہ خون کے دہن اور دروازہ کے درمیان اس ترکی عورت کی روح بھی کھڑی ہوگی۔ جو شفقت اِس دنیا سے مانگ رہی تھی۔ مگر نہیں ملی تھی "

"قلعہ کی وسعت کا اندازہ کرنے کے واسطے سیاح کو لازم ہے کہ ایک مینار پر چڑھ جائے۔ کیونکہ فصیل پر اگر چڑھ کر دیکھا جائے۔ تو اس قدر کم منظر دکھلائی دیتا ہے۔ جو تکان اور تکلیف کا کافی معاوضہ نہیں ہو سکتا۔ مگر مینار پر چڑھنا بھی آسان کام نہیں تاریکی کی یہ کثرت ہے کہ روز روشن میں بھی اس موچی کو ضرورت پڑتی ہے کہ لالٹین لے کر سیاح کو راستہ دکھلاتا ہے۔ اس قلعہ میں زمین کے نیچے اور میناروں کے اوپر اکثر قید خانے بنے ہوئے ہیں۔ آخری سفیر جو یہاں قید کیا گیا۔ فرانسیسی تھا۔ اور اُس زمانہ میں قید ہوا تھا۔ جب فرانس اور ترکی میں ۱۷۹۸ء میں لڑائی چھڑی تھی۔ اِس فرانسیسی کا نام زمن تھا۔ اور جس کمرہ میں یہ قید ہوا تھا۔

اس میں روشنی کے واسطے ایک چھوٹا سا سلاخدار دریچہ ہے۔ دو فٹ لمبا اور اس قدر بلند کہ معمولی قد سے بہت ہی زیادہ طویل آدمی ہو۔ جس کا سر اس تک پہنچ سکے۔ اسمیں کچھ شک نہیں کہ اس طرح سفیران دول خارجیہ کو علی رؤس الاشہاد قید کرنے کے طریق میں قانون بین الاقوام یورپ کی طرف سے لاپرواہی اور اس کے خلاف ورزی کرنے کے متعلق کچھ ایسی سادگی اور بیباکی ہے۔ جو بجائے خود نہایت درجہ مؤثر ہے۔ جابجا مٹی اور گرد کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ اور یہی موچی کی زبانی ہے۔ کہ مقتول سفیروں کے تن بے سر (سفیروں کو قتل کر کے ان کے سر فصیل پر رکھے جاتے تھے) اس باغ میں رات کو پھرا کرتے ہیں +

مشرقی دنیا کے اکثر ممالک کی طرح قسطنطنیہ میں دو طریق حیات بسری ہیں ایک **درون خانہ** اور ایک **برون خانہ**۔ بکثرت ترک ایسے ہیں جو صبح کو اپنے گھروں سے نکلتے ہیں۔ اور کام ختم کر کے شام کو دیر بعد لوٹتے ہیں۔ دن بھر گھر سے باہر بازار میں یا کسی اور جگہ علیحدہ علیحدہ اپنے کام پر رہتے ہیں۔ مگر کام ختم کیا۔ اور سیدھے گھر پہنچے۔ اب اگر کوئی شخص کسی ترک سے ملنا چاہے۔ تو اس کے بعد نہیں مل سکتا۔ تو کرتک اس کو کسی ملاقاتی کی آمد سے اطلاع دینا پسند نہ کرینگے۔ ہاں اگر بہت ہی ضروری کام ہو۔ تو ملاقات کے کمرہ میں بیٹھنا پڑتا ہے اور زنان خانہ سے فارغ ہو کر یہ خود ہی اس کمرہ میں آکر اس سے مل سکتا ہے +

ترک بیرون خانہ زندگی میں کھانا بھی باہر ہی کھاتے ہیں۔ اور کافی سگرٹ کا تو کچھ ذکر ہی نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ شہر کے کاروباری حصے کافی خانوں اور کھانوں کے کمروں سے پر ہیں +

علاوہ مختلف سودے بیچنے والوں کے بہشتیوں کی جابجا کثرت ہے ایک ڈھول کی قطع کا آب دان ان کی پشت پر ہوتا ہے۔ جس پر سبزی پھول وغیرہ پانی میں تر پڑے رہتے ہیں۔ جن سے دھوپ سے حفاظت مقصود ہوتی ہے ایک ہاتھ میں اس آبدان کا پیتل کا مونہہ ہوتا ہے۔ اور ایک ہاتھ میں بڑے بڑے گلاس۔ جنسے انگلیوں کی نہایت مشاق حرکت سے ایک ایک باقاعدہ آواز پیدا



بازاری سقّه



ہوتی ہے۔ جس سے ان کی آمد و رفت کا حال راہگیروں اور تشنہ دہانوں کو معلوم ہوتا رہتا ہے ❖

اکثر یورپین بھی قسطنطنیہ میں کھانے کی قسم کی اشیاء فروخت کرنے والوں اور دوکانداروں کی صفائی اور نفاست اور ستھرے پن سے متعجب ہوجاتے ہیں۔ اکثر دوکانیں بالکل ہندوستانی نانبائیوں کی طرح ہوتی ہیں۔ کباب بھی دکھلائی دیتے ہیں۔ مگر صفائی اور قرینہ اور ستھراپن واقعی انہی کا حصہ ہے اور ہر ایک چیز ایسی سلیقہ سے سجی رہتی ہے۔ اور ظاہری سامان ایسا مؤثر ہوتا ہے۔ کہ خواہ مخواہ بھوک لگتی ہے ❖

یورپین تہذیب اور شائستگی قسطنطنیہ میں سب طرح پہنچتی جاتی ہے۔ ہر ایک گاہک کھاتے وقت دوکاندار سے چھری کانٹے کا امیدوار ہوتا ہے اور ان چیزوں سے نہایت تیز دستی اور مشاقی سے کام لیتا ہے ❖

مگر ترک جو کچھ بازار میں کھاتا ہے وہ صرف بطور تفریح ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ہمیشہ اپنا کھانا شام کے بعد گھر میں کھاتا ہے۔ بازستان کے ایک تاریک گوشہ میں ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ سہ پہر کو بازار کھلا ہوتا ہے۔ اور نماز کا وقت۔ مؤذن مینار پر چڑھ جاتا ہے۔ اور بانگ دیتا ہے۔ اور تمام دیندار اس وقت اپنے اپنے کام چھوڑ کر نہایت مستعدی سے آتے ہیں۔ اور خدائے واحد کی درگاہ میں سر بسجود ہوتے ہیں ❖

ترک جب گھر سے باہر ہو اُس کے کھانے پینے کا کوئی وقت معین نہیں ہوتا صرف شام ہی کا کھانا ایسا ہے جو باقاعدہ طور پر گھر میں میز پر چنا جاتا ہے۔ اور تمام کنبہ اس پر بھوک کا حق انصاف ادا کرتا ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ یہ دسترخوان غریب و امیر سب کے واسطے یکساں ہر ایک گھر میں کھلا رہتا ہے۔ کوئی شخص آجائے فوراً اپنی منزلت اور مرتبہ کے مطابق میز پر بٹھلا دیا جائیگا۔ اور کھانا اس کے سامنے پیش ہوگا۔ اور ترکوں میں شام کا کھانا کھانے کے معنی ہیں شب بسری بھی کرنا۔ چنانچہ اس شخص کے واسطے شب باشی کا سامان بھی حسب حیثیت اسی طرح کشادہ دلی سے مہیا کیا جائیگا۔ شب خوابی کے کپڑے دئے جائینگے۔ بلکہ سلیپر تک موجود ہونگے ❖

مسٹر میرین کرافورڈ لکھتے ہیں۔کہ میرے ایک ترک دوست کے خانساماں نے ایک مرتبہ مجھ سے کہا کہ ہم کو تو مہمان بہت دق کرتے ہیں۔علے الصباح اُٹھتے ہیں۔اور شب خوابی کے کپڑے اور سلیپر تک سنبھال کر چنپت ہو جاتے ہیں۔چنانچہ اسقدر کشادہ دلی سے بھری مہماں نوازی کا یہ صلہ دیتے ہیں +

ترک میز پر بہت دیر تک نہیں بیٹھتے (برخلاف انگریزوں کے) ایک خاب کھانے کی میز پر آتی ہے۔اور جس وقت خالی ہو فوراً دوسری پیش کر دیجاتی ہے۔اور پہلی اٹھالی جاتی ہے +

جو سڑک ڈاکخانہ سے نورعثمانی کو جاتی ہے۔وہ قسطنطنیہ میں ایک مشہور خصوصیت رکھتی ہے۔کیونکہ غلطہ پل اور بازار میں یہی شارع عام ہے۔اس سڑک پر خلقت کا اژدہام اور ایک میلہ لگا رہتا ہے۔ہر قوم اور ہر ملک کے آدمی۔ہر چیز اور ہر چیز کی دوکانیں موجود ہیں۔اور مختلف دفاتر بنے ہوئے ہیں +

یہاں ایک مسجد بھی ہے۔جو قسطنطنیہ کی اعلےٰ درجہ کی خوبصورت مسجدوں میں شمار ہوتی ہے۔اور جس میں بکثرت نمازی اپنا فرض ادا کرنے جاتے ہیں۔ذرا تھوڑی دیر کے واسطے خلقت بھری سڑک کی بھیڑ۔اور سمندر کی دریا حرکت سے کنارہ کرو اور مسجد کے اندر قدم رکھو۔بالکل برعکس سماں نظر آئیگا۔ورا ایسا جو اپنی سادگی میں شاندار اور مؤثر ہے۔ٹھنڈے سایہ کے نیچے مسلمان ہر عمر کے قبلہ کے سامنے خدائے وحدہٗ لاشریک کے حضور میں خشوع وخضوع سے سر جھکائے باقاعدہ طور پر صفوں میں کھڑے ہیں۔ان کی طرز ان کی قطع اور ظاہری صورت سے مسٹر میرین کرافورڈ کے الفاظ سے ایک ایسا اعتقاد ظاہر ہو رہا ہے۔جو جس طرح سادگی اور صدق دلی میں عیسائی اعتقاد سے بڑھ کر ہے۔اسیطرح دور دراز مشرق کی بُت پرستی پر ہزار درجہ فضیلت رکھتا ہے۔اور اس میں شک نہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص مسلمانوں میں ہوئے اور اُس کو یقین نہ ہو جائے کہ مذہبی معاملات میں تمام تر صدق دلی سے لبریز ہے۔اور اس وقت اس کا کامل یقین ہو جاتا ہے اور ثبوت مل جاتا ہے کہ اس علم کے کھلنے سے جس کی دھمکی کو ایک معمولی بات سمجھا گیا ہے۔اگر خدانخواستہ کھولا گیا۔تو ایسے نتائج پیدا ہونگے جو یورپ کے فلسفے

خواب میں بھی آج تک نہیں آئے +

تمام دنیا میں قسطنطنیہ اسی زبردست تفاوت کے باعث بھی دلچسپ ہے۔ جو ہر ایک گوشۂ سڑک پر اسے دکھلائی دیتا ہے۔ اور یہ تفاوت یہ ہے کہ یکایک جاندار اور راسی بازاروں سے گزر کر جن میں شور وغل اور حرکت کا ایک سیلاب اُمڈا ہوا ہے۔ انًا فانًا پہنچ جاتا ہے مسجدوں اور مقبروں کے سنجیدہ سکون اور مساجد میں حیرت انگیز سجاوٹ ہے۔ صنعت کے کمال کے نمونے بکثرت دیکھے جاتے ہیں +

محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ کی مسجد کے شرق جانب گھوڑوں کا نخاس ہے۔ عربی گھوڑا تمام دُنیا میں مشہور ہے نخاس بھی اسی لئے شہرت رکھتا ہے مگر ترکی قانون کی سخت ممانعت ہے کہ کوئی گھوڑا حدود سلطنت عثمانیہ سے باہر نہیں جا سکتا۔ اور اس قانون کا ایسی سختی سے عملدرامد ہوتا ہے۔ کہ بڑے بڑے ذی رتبہ اور منزلت لوگ بھی کبھی اس کی خلاف ورزی کی جرأت نہیں لا سکتے +

دیوان یول کے پاس زین سازوں کا بازار ہے۔ اور یہ بھی کم مشہور نہیں۔ ایک زمانہ میں ہر ملک میں جیسے اونٹ۔ گھوڑے اور اور لدو حیوان ہیں۔ صرف ذریعہ نقل وحرکت باربرداری تھے۔ زین سازی اور عام طور پر چمڑہ کمانے کا ہنر انہیں لوگوں پر ختم تھا۔ امراء اپنے گھوڑوں کے واسطے نہایت شاندار زین بنواتے تھے اور صناع ان پر نہایت جانسوزی سے اپنا کمال ختم کیا کرتا تھا۔ لیکن یہ فن بھی دیگر ترکی صنعت وحرفت کی طرح بہت کچھ تنزل میں آگیا ہے۔ مگر تاہم اکثر اشیاء اب بھی یہاں تمام دُنیا سے افضل اور بہتر بنتی ہیں +

زین سازوں کے بازار میں کوئی سو سے زائد دوکانیں ہیں لیکن اعلےٰ درجہ کی زین ہر وقت فروخت کے واسطے موجود رہتی ہیں۔ ان زینوں پر نہایت بیش قیمت کام کیا ہوتا ہے۔ اور ترک اب بھی گو بہ نسبت سابق کے کم ان زینوں کو شوق سے استعمال کرتے ہیں۔ مگر سب سے بڑھکر جو صنعت قابل تعریف ہے اور جس کی نظیر یورپ میں بھی نہیں مل سکتی۔ وہ چھروں پر لادنے کے صندوق آتے ہیں۔ جو چمڑے کے بنتے ہیں۔ اور بڑی تعجب انگیز کاریگری صرف کی ہوتی ہے +

شہر کے اندر تدفین کی نسبت ترکوں میں شائد کوئی قانون نہیں ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ علاوہ جا بجا اکثر مقبروں کے۔ استنبول۔ پیرا۔ اور سقوطری میں قریباً ہر ایک مسجد کے ساتھ ایک چھوٹا سا قبرستان بھی بنا ہوا ہے ⁂

دستور کے موافق ہر ایک مسجد کے ساتھ اس کے بانی اور اس کی بیوی اور اولاد کی قبریں بنی ہوئی ہیں۔ قبرستان جیسے چاہیئے ویسی حالت میں نہیں ہیں۔ شہر کے اندر مساجد کے ساتھ جو قبرستان ہیں۔ وہ چھوڑ کر فصیل کے ساتھ ہی شہر کے باہر ایک پرانے زمانے کا بڑا بھاری قبرستان ہے۔ جو دُور تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں شمشاد کے درخت بیشمار کھڑے ہیں۔ قبروں اور اُن کے تعویذوں کا ایک سیلاب اُمڈا ہوا ہے۔ چونکہ شمشاد کسی درخت کو اپنے زیر سایہ پناہ نہیں دیتا۔ لہذا اس سرے سے اُس سرے تک شمشاد ہی شمشاد ہیں ⁂

اِس قبرستان میں دن کو بھی اندھیرا ہی رہتا ہے اور رات کو تو شام سے ہی خوف معلوم ہوتا ہے۔ مگر باوجود اس کے کہ کل قبرستان ویرانہ اور تاریک اور بالکل منہدم حالت میں ہوتے ہیں۔ تاہم بقول ایک انگریزی سیاح کے بلحاظ کتبوں اور تعویذوں کے اور نیز ساخت قبر کے عیسائیوں کے بے مذاق قبرستانوں سے جو گرجوں کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں کئی درجہ بہتر ہوتے ہیں ⁂

سلطان المعظم یلدیز کوشک میں رہتے ہیں۔ جو باسفورس پر واقع ہے۔ اور جیسا کہ قدرتی امر ہے۔ فرمانروا کی موجودگی سے بڑے بڑے ذی رتبہ امیر اس قرب وجوار میں رہتے ہیں۔ مگر پیرا۔ اور غلطہ میں خاصکر عیسائی اور یہودی رہتے ہیں جن میں سے اکثر یورپین ہیں۔ اور اس وجہ سے سڑکوں کا سماں بہ نسبت شہر کے کم مشرقی اور اسی واسطے دلچسپ ہے۔ پیرا میں متمول اشخاص رہتے ہیں۔ سفیران دول یورپ اسی جگہ سکونت رکھتے ہیں ⁂

غلطہ کا حال یہ ہے کہ تمام دنیا اس میں گڈ مڈ ہو رہی ہے یہ امر ابھی فیصلہ طلب ہے کہ آیا کرۂ ارض پر کوئی اور مقام بھی ایسا ہے۔ جہاں قاسم پاشا سے لیکر ٹو فینی تک لب آب اس قدر مخلوط آبادی کھچا کھچ بھری ہو ⁂

ادنٰے سے ادنٰے کمینہ لوگ جن کو ہم اپنی اصطلاح میں مہذب بدمعاش یا مجرم کہہ سکتے ہیں

پیرامن میونسپل باغ کا داخلہ - شام و شفق میں



اسی حصہ کی غلیظ سڑکوں اور کوچوں میں بھرے ہوئے ہیں۔ زہر دار گلیاں۔ نفرت انگیز بھٹیاں۔ ایک طرف یوروپین کے واسطے باعث خوف وخطر اور دوسری طرف ترکوں کے واسطے باعث حقارت و نفرت یہاں موجود ہیں ؛

یونانی اور ارمنی یہاں پیٹ بھر کر روٹی کھا لیتے ہیں نہ صرف آوارہ گردی سے کمائی کر کے بلکہ اور مختلف قابل اعتراض و شرم طریقوں سے۔ چونکہ یہ خیر سے عیسائی ہیں۔ کسی نہ کسی یوروپین سفارت کی حمایت و پناہ میں رہا کرتے ہیں۔ اور ٹرکی کا پولیٹیکل وقوع ایسا ہے۔ کہ جس سے عملی طور حکام عثمانی کسی بدمعاش کو سزا دینے یا گرفتار کرنے میں بہت کچھ تامل کرتے ہیں۔ کیونکہ جس سلطنت کی سفارت کی حفاظت اور حمایت میں وہ ہیں۔ اس سے فوراً بدمزگی پیدا ہونے کی وجہ نکلنے کا اندیشہ دامنگیر ہوتا ہے ؛

غلطہ میں نہ کوئی شراب خانہ ایسا ہے اور نہ پیرا میں کوئی معزز کافی خانہ جہاں قمار بازی کے واسطے ایک کمرہ علیحدہ وقف نہ ہو۔ یہ کمرہ ہمیشہ مکان کے پس پشت ہوتا ہے۔ اگر تازہ وارد جوار ئے کی قسمت یاور ہوئی اور کچھ ان سے جیتا۔ تو ممکن ہے کہ وہ اس کو اپنے ساتھ وہاں سے نکال کرلے جا سکے۔ ہر ایک مکان میں ایک نج کی پولیس ملازم رہتی ہے۔ اور جس کا کام یہی ہوتا ہے کہ فی الفور ایسے شخص کے پاس سے کوڑی کوڑی چھین لے۔ ایک حبہ نہ چھوڑے۔ اور اگر ضرورت تو سر تن سے جُدا کر دے ؛

اس کے علاوہ سقوطری ہے۔ جو باسفورس کے دوسرے کنارہ پر آباد ہے۔ اور جو بالکل مختلف ہے۔ ترک آخر کار ایشیائی ہیں۔ ایشیائی جانب عیسائی بہت ہی کم ہیں ؛

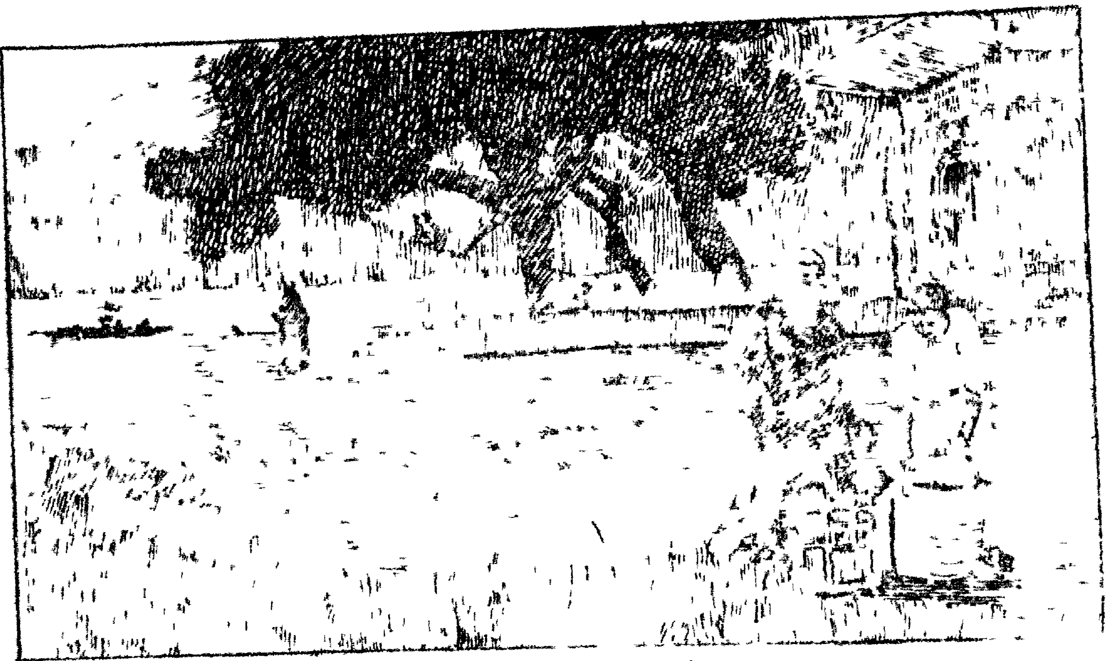
سقوطری میں ایک طمانیت اور قرار کا سماں ہے جو استنبول کی خلقت سے لبریز۔ بازاروں اور غلطہ کے زہر آلودہ اور بیہودہ ناگوار شور و غل کو چھوڑ کر نہایت آسائش دہ اور آرام بخش معلوم ہوتا ہے۔ دراصل سقوطری کے نظارے کا جو لطف حاصل ہو سکتا ہے وہ صرف کسی مینار پر چڑھ کر ہی میسر ہوتا ہے ؛

قاضی کوئی حصہ بھی اپنی جگہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ اس کا وقوع بھی قابل تعریف

ہے۔اور اس کی زیادہ دلچسپی کی وجہ ایک ترکی تھیٹر ہے۔اور در اصل یہی ایک تھیٹر قسطنطنیہ میں ہے۔ہفتہ میں ایک دو تماشہ ایسے ہوتے ہیں۔اور عموماً دن کو ہُوا کرتے ہیں اور اکثر مسٹر تی چلین پر منحصر ہُوا کرتے ہیں ❖

قاضی کوئی سے نکلکر بحیرۂ مارمورا پر پرنسس جزائر کے سامنے تمام گرد و نواح وہ مقام ہے۔جو سب سے بڑھکر دلچسپ مقامات میں شمار ہوتا ہے۔یہ فنشار باغچہ کہلاتا ہے۔یعنی باغ۔روشنی گھر۔یہاں ایک نہایت پسند جھنڈ درختوں کا لبِ آب عجب بہار دکھلاتا ہے۔یہ وہی مقام ہے جو کسی زمانہ میں جسٹینین کی رہائش موسم گرما میں بنتا تھا۔یہاں گرمی کے موسم میں باد بحر برابر رواں رہتی ہے۔یونانی ماہی گیر دھوپ میں اپنا جال سکھلاتے ہیں۔اور کچھ فاصلہ پر چند نہایت ضعدار اور امیرانہ کشتیاں ساز و سامان سے سجی ہوئی تیار رہتی ہے۔موسم گرما کے لئے یہ مقام دنبدان باسفورس سے بڑھکر زیادہ قدر پاتا جاتا ہے۔اور زمین کی قیمت روزافزوں بڑھ رہی ہے۔ہُوا خشک۔اور شام کے وقت وہ مرطوب ہوا بھی نہیں دخل پاتی جو عموماً بحیرہ اسود کی طرف سے آجایا کرتی ہے۔صرف کنارے میں اتنا نقص ہے کہ درخت بالکل کوئی نہیں ہے۔شاید ہی کسی جگہ فاصلہ پر گنتی کے ایک دو ہی ہوں ❖

باسفورس ایسا مقام ہے جس کی کیفیت دیکھنے اور صرف دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہے۔کسی سیاح میں اتنی طاقت و امکان ہی نہیں کہ جو کیفیت اس کو حاصل ہوئی ہے وہ بیان کر سکے یا اس کا مفصل حال اس طرح لکھ سکے جس سے اسکے حسن و خوبصورتی اور تمام خصوصیات کا حق ادا ہو سکے۔ایک امریکن سیاح نے تو اس پر محو ہو کر اس کی اس قدر تعریف کی ہے کہ وہ مبالغہ کی حد سے بھی شاید کچھ بڑھ گئی ہے۔عالیشان برج رومیلی اور اناطولی حصار یعنی ایشیائی اور یورپین قلعے محمد فاتح کے اس قدر موثر اور لطف خیز ہیں کہ ناظر کے دل پر اچنبا چھا جاتا ہے۔اور باسفورس کی جو دھار ان دونو کے درمیان سے گزرتی ہے۔اس قدر تیز ہے۔کہ وہ شیطان کی دھار کے نام سے مشہور ہو گئی ہے۔اور اسکے سوائے سقوطری اور بحیرہ اسود کے درمیان اور کوئی مقام ایسا نہیں جو عالیشان کہلا سکے ❖



ایشیا کا آبِ شیریں باسفورس

کناروں پر دیہات ۔ موسمی مکانات ۔ اور سیر گاہیں ۔ اور ہر قسم کے مکانات ۔ شاہی محلات سے لے کر ماہی گیر غریبوں کے مکان تک بنے ہوئے ہیں ❖

ابھی تھوڑے ہی عرصہ تک وزرائے سلطنت ۔ سفیرانِ دول خارجیہ اور بڑے بڑے مالدار یونانی موسم گرما میں وضعداری کے پاس سے اسی کو پسند کرتے تھے ۔ اور رہتے تھے ۔ مگر جیسا کہ ذکر آچکا ہے ۔ اس کی یہ قدر و منزلت رو بہ تنزل معلوم ہوتی ہے ۔ تاہم اس کی خوبی و خوبصورتی اپنی جگہ سب سے علحدہ ہی ہے ۔ نچلی ناہموار اونچی نیچی پہاڑیوں پر باغات پھیلے ہوئے ہیں ۔ لبِ ساحل بہت سے خوبصورت مکانات ہیں ۔ اور جو وسطِ بحر پر تمام اقسام کی کشتیاں دکھلائی دیتی ہیں ۔ ایک گاؤں سے دوسرا گاؤں تمیز ہونا بہت مشکل ہے ۔ گو اکثر اور ہر ایک سے دوسرے میں باہم زیادہ خصوصیت کے بھی ہوں ۔ کیونکہ خوبصورتی اور حُسنِ قدرت میں ایک سے دوسرا بڑھ کر ہے اور کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دیجا سکتی ❖

بالخصوص سب سے بڑھ کر وہ مقام ہے ۔ جو دَرۂ آبِ نیلی کہلاتا ہے ۔ اور یوروپین جس کو اپنی اصطلاح میں "ایشیاء کا آبِ شیریں" کہتے ہیں ۔ اور جہاں ترک بعد جمعہ جمع ہوتے ہیں ۔ اس کے علاوہ نظر آپیا ۔ بالقندیر ۔ اور دَرۂ گلاب بھی بہت مشہور ہیں ۔ بالقندیر ہی سے وہ مشہور جنگل بلغریز کا شروع ہوتا ہے ۔ جو میلوں بحیرہ اسود کے کناروں تک چلا گیا ہے ۔ جو دلربائی اور حسنِ قدرت میں دونو اس قدر زبردست ہیں کہ اس سے بڑھ کر دلچسپ قطعہ ارض شاید ہی تصور میں آسکتا ہے ❖

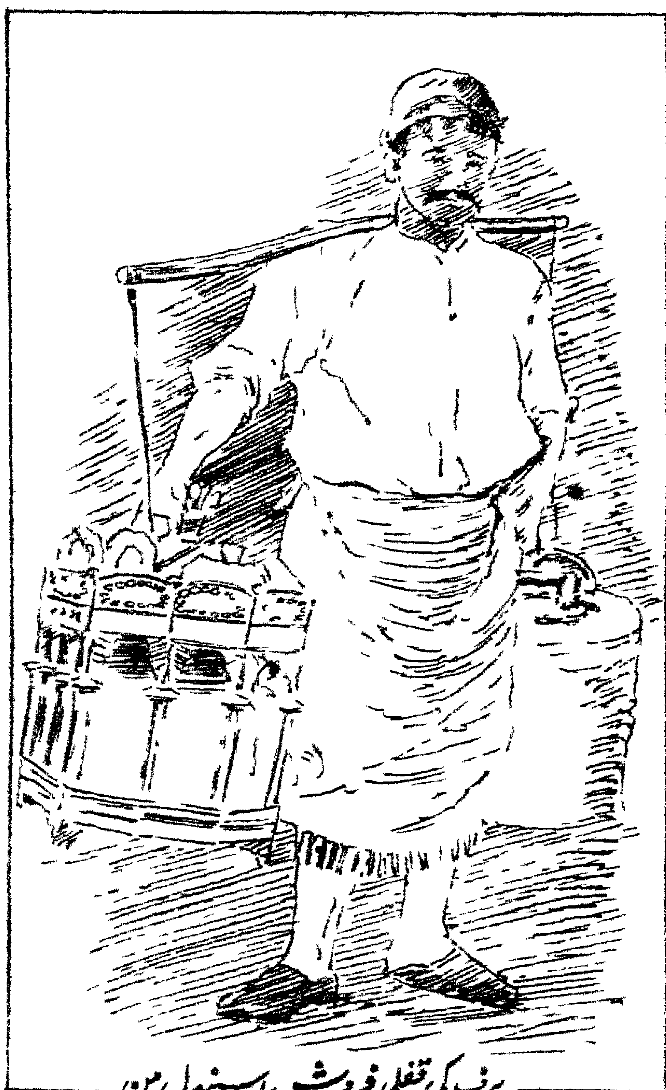
اس جنگل میں نہایت عمدہ سڑکیں مختلف اطراف کو بنی ہوئی ہیں ۔ اور ایسی پک ڈنڈیاں بنی ہوئی ہیں کہ سوار گھوڑے پر چڑھ کر موسم گرما کی سہ پہر کو بآرام تیس میل تک خواہ چلا جائے ممکن نہیں کہ ایک لحظہ کے واسطے بھی اس کے سر پر سے درختوں کا سایہ اُٹھ سکے ❖

چار بجے ہیں ۔ اور بالقندیر کے گھاٹ پر جماؤ شروع ہو گیا ۔ آگبوٹوں کی آمد و رفت نہایت سرعت سے جاری ہے ۔ ایرانی سوداگروں نے درختوں کے نیچے اپنے قالین کھولنے شروع کر دئے ۔ کوئی ایک درجن سائیس گھوڑوں کو لئے

ادھر اُدھر ٹہل رہے ہیں۔ ایک حجام ایک طرف سایہ میں بیٹھا ایک کشتیبان کی حجامت بنا رہا ہے۔ اور برف کی قلفی بیچنے والا **دوندا ما قیماق** کا آواز دے رہا ہے ٭

ایک طرف دو تین ملازم کسی سفارت خانہ کی کشتی پر سوار لہروں کے ہچکولے سمندر میں لے رہے ہیں۔ اور خوش ہو رہے ہیں۔ اور ہر آدمی کو سفارت خانہ کے باغ سے گلاب کی گرم خوشبو دماغ معطر کر رہی ہے۔ آگے بڑھ کر سڑک سے گزر کر قصائیوں اور نانبائیوں اور غلہ فروشوں کی دوکانوں سے آگے میدان آتا ہے۔ داہنے ہاتھ پر درہ چلا گیا ہے۔ اس کے بعد پُر اسرار جنگل شروع ہو جاتا ہے اور یہاں پہنچ کر استنبول۔ باسفورس۔ یونانی۔ ترک۔ ارمنی۔ اور سفیر سب پیچھے چھوٹ جاتے ہیں۔ اور آخر کار دور جا کر ایک مقام آجاتا ہے۔ جہاں آفتاب ایک عمودی پہاڑ سی جھکا دکھلائی دیتا ہے۔ اب یہاں سے انسان نیلگوں لہریں اور سمندر کی موجیں دیکھے۔ اور اس سرزمین کو دور نہ سمجھے جو اُن تمام نسلوں۔ بری یا بھیلن کا گہوارہ رہی ہے اور اب بھی ہے۔ جنہوں نے دنیا کی سب سے زبردست اور بڑی بھاری جھگڑے کی ہڈی قسطنطنیہ۔ کے واسطے باہم جد و جہد کی ہے اور اب بھی کر رہی ہیں۔ اور کریں گی ٭





برف کی قلفی فروش اسنبول مین



قسطنطنیہ کا میوہ فروش

قسطنطنیہ کے مختلف شعبے

پہلے لکھا جا چکا ہے کہ تمام عالم میں مشہور ہے کہ قسطنطنیہ کے برابر کوئی شہر خوش منظر نہیں۔ اس وجہ سے اس کے بندرگاہ کو انگریزی میں "گولڈن ہارن" طلائی سینگ" کہتے ہیں۔ کہیں کہیں عین لبِ آب دور دور تک عمارتوں کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ اور ان کے آگے جو زمین ہے وہ نہایت ہموار اور صاف ہے۔ سطح اس کی بالکل سمندر کے برابر ہے۔ اور عجب خوشنما منظر اس طرح پیدا ہو گئے ہیں *

شہر کی وسعت اور تمدن کا صرف اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس میں پانچ سو جامع مسجدیں۔ ۱۷۱ حمام۔ ۳۲۳ سرائیں۔ ۱۲۴ مدارس قدیم۔ اور ۵۰۰ مدارس جدید۔ ۱۲ کالج۔ ۵۴ کتب خانہ۔ ۳۰۵ خانقاہیں۔ اور ۴۸ چھاپے خانے ہیں۔ کاروبار اور آمد و رفت کی یہ کیفیت ہے۔ کہ متعدد ٹرام وے عام گاڑیاں۔ بارہ دخانی جہاز۔ زمین کے اندر کی ریل۔ معمولی ریلیں (جو ہر آدھ گھنٹہ کے بعد چھوٹتی رہتی ہیں) ہر وقت چلتی رہتی ہیں۔ اور باوجود اس کے کثرت آمد و رفت کا یہ حال ہے کہ پیدل چلنے والوں سے ہر وقت ایک میلہ لگا رہتا ہے غلطہ اور استنبول کے درمیان جو پل ہے اس کی اترائی ایک پیسہ فی شخص ہے اور اس کی روزانہ آمدنی پانچ ہزار روپیہ سے کم نہیں *

قہوہ خانوں کی یہاں بہت کثرت ہے۔ کوئی دس ہزار کے قریب بعض ایسے عالیشان ہیں کہ شاہی عمارت کا گمان ہوتا ہے۔ ان میں ہر وقت چاء قہوہ شربت وغیرہ مفرحات تیار رہتے ہیں۔ اکثر قہوے خانے لبِ ساحل ہیں بعضے دریا کے اندر ہیں۔ جن تک پہنچنے کے واسطے چوبی پل بنے ہوئے ہیں۔ اور اس طرح علاوہ خورد و نوش کے دل و دماغ کی تفریح بخوبی رہتی ہے۔ اور قہوہ خانوں میں روزانہ اخبارات ہر وقت موجود رہتے ہیں اور قہوے کے ساتھ ان کا

مطالعہ عجیب لطف دیتا ہے۔ اور نہ صرف قسطنطنیہ بلکہ مغربی دنیا میں تو قہوہ خانے ضروریاتِ زندگی میں سمجھے جاتے ہیں ❖

یہی قہوہ خانے نہ صرف افراد واسطے ذاتی طور پر بلکہ دوستوں کی مجلسوں تفریحی جلسوں دل بہلاؤ کے مشغلوں کے واسطے نہایت مُناسب ذریعہ ہے عام دوستوں کے مجمعے انہیں میں ہوتے ہیں۔ اور کاروبار کی محنت سے تھک کر دو گھڑی دوستوں کی گرمی صحبت کا لُطف اُٹھانے کے واسطے لوگ اِنہیں کی طرف رجوع ہوتے ہیں ❖

قسطنطنیہ کے مکانات سہ منزلہ وچو منزلہ ہیں۔ اور تمام ترلکڑی[ا] کے۔ صحن مطلق نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے امراء اور پاشا ایسے ہی لکڑی کے مکانات میں رہتے ہیں۔ اور اس وجہ سے یہاں آگ اکثر لگا کرتی ہے۔ کوئی مہینہ یا ہفتہ شاید ہی خالی جاتا ہو کہ کوئی گھر نہ جلتا ہو۔ بلکہ بعض اوقات محلے کے محلے خاکستر ہو جاتے ہیں۔ اور اس باعث سے آگ بجھانے کے واسطے سلطنت کی طرف سے نہایت معقول انتظام ہے۔ کئی سو آدمی خاص اس کام پر مقرر ہیں۔ ایک نہایت بُلند مینار بنا ہوا ہے۔ اس پر ملازم ہر وقت موجود رہتے ہیں اور چاروں طرف دیکھ بھال رکھتے ہیں۔ جہاں کہیں آگ لگی اور اُنہوں نے فوراً خبر دی۔ اس قسم کے اور چھوٹے چھوٹے مکانات بھی اکثر مقامات پر بنے ہوئے ہیں۔ جس وقت آگ لگے فوراً توپیں سر ہوتی ہیں۔ توپوں کی آواز سُنتے ہی شہر کے ہر حصّہ سے آگ بجھانے والے محکمہ (یہ ایک علیحدہ محکمہ خاص اسی غرض سے قائم ہے) کے ملازم سامان لے کر موقع ضرورت پر آناً فاناً جا پہنچتے ہیں۔ ان لوگوں کو یہاں تک تاکید ہے کہ بے تحاشا دوڑتے ہوئے جائیں۔ بلکہ اگر کوئی راہ گیر بھی ان کی جھپیٹ میں آکر پس جائے۔ تو کچھ پرواہ نہیں کی جاتی۔ اور کسی طرح کا الزام نہیں ❖

[ا] لکڑی کے مکانوں سے سردی کا بچاؤ اور تندرستی بھی مدنظر رہتی ہے۔ اور مولوی شبلی کی دریافت پر یہی وجہ معلوم ہوئی تھی۔ اگر پتھر کے مکانات بنوائے جائیں۔ تو سرما میں تکلیف اور صحت کو نقصان پہنچے ❖

اس شہر کی آب و ہوا کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ اور خود سیاحوں نے ان کی تصدیق کی ہے۔ جاڑوں میں سخت سردی پڑتی ہے۔ بلکہ برف باری بھی ہؤا کرتی ہے۔ مگر موسم گرما بے نظیر خوشگوار ہوتا ہے۔ میوہ جات کی کثرت ہے یہاں کے میوے نفاست اور عمدگی اور ذائقہ کے لحاظ سے قابل تعریف اور بہت سستے ہیں۔

گو ان کے لباس اور وضع بالکل یوروپین [illegible] پر عیسائی یا مسلمان کی تمیز نہیں [illegible] قیفز [illegible] ترکی ٹوپی [illegible] ترکوں [illegible] لباس پوشاک بھی عیسائی [illegible] سب [illegible] کرتے ہیں [illegible] لئے کسی طرح بظاہر تمیز نہیں ہو سکتی۔ کہ کون عیسائی [illegible] کون۔ اور یہودی کون ہے۔

یہ [illegible] ایوانات [illegible] جامع [illegible] ان شاہی جن کو یہاں سرائے کہتے ہیں [illegible] ہیں اور سب دور دور فاصلہ پر واقع ہیں۔ یہ ایوانات مختلف [illegible] ان کے [illegible] عہد کے تعمیر کردہ ہیں۔

ترکوں [illegible] حالت حیرت انگیز [illegible] ہمارا مطلب ہے [illegible] ان کی ترقی [illegible] ابتدائے زمانہ اسلام سے جب مسلمانوں نے کسی ملک [illegible] اس کی اصل زبان [illegible] گئی۔ تو اس کی علمی حیثیت اس سے چھن کر عربی کو مل گئی۔ اور ہرچند مسلمانوں کے عہد میں علمی زبان عربی ہی رہی۔ لیکن ترکوں میں ایک خصوصیت یہی رہا کہ وہ عربی کی قدر و منزلت کرتے۔ ترکی زبان میں عربی علوم قدیمہ کا ذخیرہ برابر موجود رہا اور اب بھی ہے۔ اور باوجود اس کے خود ترکی زبان موجودہ فنون کمال علم اور سائنس سے اس قدر مالا مال ہو گئی ہے کہ تعجب آتا ہے۔ چنانچہ ترکی کی اصلی تصنیفات کے علاوہ ترجمہ شدہ کتابوں کا ذکر کیا جاوے تو ایک بڑی فہرست تیار ہو جائیگی۔

مولوی شبلی اپنے سفرنامہ میں لکھتے ہیں کہ میرے ایک ترک دوست نے

جو متعدد زبانوں سے ماہر ہیں مجھ سے بیان واقعہ کے طور پر (نہ تحریراً) بیان کیا کہ فرنچ زبان کی تاریخیں۔ ڈرامے۔ ناول۔ سفرنامے۔ کتب انشاء و بلاغت اس کثرت سے ترجمہ ہو گئے ہیں کہ یہ کہنا کچھ مبالغہ نہیں کہ فرانس کا پورا علم ادب ترکی زبان میں آگیا ہے۔ علوم و فنون جدیدہ کی بھی سینکڑوں کتابیں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ اور یہی کا اثر ہے کہ ترکی کے تمام کالجوں میں بجز مکتب سلطانیہ کے ان علم و فنون کی تعلیم ترکی ہی زبان میں ہوتی ہے ٭

مستقل تصنیفات کا رواج بھی کچھ کم نہیں علوم و فنون جدیدہ کی تمام شاخوں پر کثرت سے کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ اور کالجوں اور سکولوں میں بھی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ عموماً مستقل تصنیفات ہیں ....

(صرف تاریخ کے ہی لحاظ سے) عربی زبان کے سوا ایشیا کی کسی زبان میں اس قدر تاریخی سرمایہ موجود نہیں۔ بلکہ ایک لحاظ سے اس کو عربی پر ترجیح حاصل ہے۔ عربی زبان میں جس قدر تاریخیں ہیں۔ وہ واقعات کا مجموعہ ہیں اور جس قدر کوشش و اہتمام ہے۔ صرف اصول روایت کے متعلق ہے۔ بخلاف اس کے ترکی تاریخیں ان اصول و قواعد کے موافق لکھی جاتی ہیں جو فلسفہ تاریخی کے اصول ہیں۔ اور جس کی بنا پر یورپ نے اس فن کو معراج کمال تک پہنچا دیا ہے ٭

تاریخ کو ترکوں نے اپنی زبان میں مکمل کر لیا ہے۔ بیوگرفی (Biography) کا ایک نہایت مفید سلسلہ ہے۔ جس کا نام مشاہیر رجال ہے۔ اس میں مشہور اہل کمال کے حالات زندگی نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے لکھے گئے ہیں۔

.... ایک خاص قسم کی بہت بڑی انسائیکلوپیڈیا زبردست تصنیف ہے جس کا نام قاموس الاعلام ہے۔ اس میں رجال کے علاوہ مشہور شہروں اور عمارتوں اور تاریخی مقامات کا تذکرہ ہے۔ عربی اور فرنچ وغیرہ کی جن تصنیفات سے اس کتاب میں مدد لی گئی ہے۔ ان کی فہرست ان کے ساتھ شامل ہے

.... ٭

ترکوں کو فن نقشہ اور جغرافیہ سے خاص دلچسپی ہے۔ اس علم میں بھی انہوں نے

جو متعدد زبانوں سے ماہر ہیں۔ مجھ سے بیان واقعہ کے طور پر (نہ تجربہ) بیان کیا کہ فرنچ زبان کی تاریخیں۔ ڈرامے۔ ناول۔ سفر نامے۔ کتب انشاء و بلاغت اس کثرت سے ترجمہ ہو گئے ہیں کہ یہ کہنا کچھ مبالغہ نہیں کہ فرانس کا پورا علم ادب ترکی زبان میں آگیا ہے۔ علوم و فنون جدیدہ کی بھی سینکڑوں کتابیں ترجمہ ہو چکی ہیں۔ اور یہی کا اثر ہے کہ ترکی کے تمام کالجوں میں بجز مکتب سلطانیہ کے ان علم و فنون کی تعلیم ترکی ہی زبان میں ہوتی ہے ✤

مستقل تصنیفات کا رواج بھی کچھ کم نہیں علوم و فنون جدیدہ کی تمام شاخوں پر کثرت سے کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ اور کالجوں اور سکولوں میں بھی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ عموماً مستقل تصنیفات ہیں . . . .

(صرف تاریخ کے ہی لحاظ سے) عربی زبان کے سوا ایشیا کی کسی زبان میں اس قدر تاریخی سرمایہ موجود نہیں۔ بلکہ ایک لحاظ سے اس کو عربی پر ترجیح حاصل ہے۔ عربی زبان میں جس قدر تاریخیں ہیں۔ وہ واقعات کا مجموعہ ہیں اور جس قدر کوشش و اہتمام ہے۔ صرف اصول روایت کے متعلق ہے۔ بخلاف اس کے ترکی تاریخیں ان اصول و قواعد کے موافق لکھی جاتی ہیں جو فلسفہ تاریخی کے اصول ہیں۔ اور جس کی بنا پر یورپ نے اس فن کو معراج کمال تک پہنچادیا ہے ✤

تاریخ کو ترکوں نے اپنی زبان میں مکمل کر لیا ہے۔ بیوگرفی (Biography) کا ایک نہایت مفید سلسلہ ہے۔ جس کا نام مشاہیر رجال ہے۔ اس میں مشہور اہل کمال کے حالات زندگی نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے لکھے گئے ہیں۔

. . . . ایک خاص قسم کی بہت بڑی انسائیکلوپیڈیا زبردست تصنیف ہے جس کا نام قاموس الاعلام ہے۔ اس میں رجال کے علاوہ مشہور شہروں اور عمارتوں اور تاریخی مقامات کا تذکرہ ہے۔ عربی اور فرنچ وغیرہ کی جن تصنیفات سے اس کتاب میں مدد لی گئی ہے۔ ان کی فہرست ان کے ساتھ شامل ہے

. . . . ✤

ترکوں کو فن نقشہ اور جغرافیہ سے خاص دلچسپی ہے۔ اس علم میں بھی انہوں نے

ایک امر نہایت افسوسناک ہے کہ ٹرکی عملداری میں پریس کو آزادی نہیں
اخبارات پر محکمہ احتساب قائم ہے۔ اور کوئی مضمون اس محکمہ کی نظر سے گزرے
بغیر چھاپہ خانہ سے نہیں نکل سکتا۔ اس واسطے اخبارات میں معمولی خبروں اور گورنمنٹ
کے احکام کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ یہ قاعدہ اس میں شک نہیں کہ افسوسناک ہے
مگر ٹرکش سلطنت کا وقوع ایسا ہے کہ اس کے واسطے قانون کا اجراء ناگزیر ہے
اور اس میں سلطنت کی بہبودی اور امن ہے۔ آئے دن جو پولیٹیکل شورشیں اٹھتی
رہتی ہیں۔ جب ان کا خیال کیا جاتا ہے۔ اور نیز ہمسایہ سلطنتوں کی چالبازیاں۔
حرص اور مکاریاں دیکھی جاتی ہیں اور خاصکر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ٹرکش گورنمنٹ
میں مختلف المذہب لوگ جو رہتے ہیں۔ وہ دن رات کن کن منصوبوں میں ڈوبے
رہتے ہیں اور کس طرح ان کو دوسری یورپ انگیز رہتی ہیں۔ اس وقت پریس کو آزادی
نہ ہونا عین قرین مصلحت وبہتر ہی ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ جو حالات اس قانون کے
اجراء کا باعث رہے ہیں۔ وہ ایسے ہیں کہ ان کے مقابلہ میں آزاد سے آزاد
گورنمنٹ بھی بجز اس کے اور کچھ نہیں کر سکتی۔ فرانسیسیوں نے جن کی سلطنت سب سے
بڑھکر آزاد یعنی جمہوری ہے۔ ٹیونس میں جو کچھ پریس کی آزادی کے متعلق کیا
وہی ہے۔ جو ٹرکی میں ہے۔ مگر بمجبوری قرین مصلحت اور دانشمندی یہی نظر آیا۔
اور رعایا کا امن اور بہبودی اسی طرح محفوظ رہ سکتی ہے ٭

اخبارات کے علاوہ جو رسالہ جات یہاں سے شائع ہوتے ہیں وہ نہایت
باوقعت اور مفید ہیں اور اعلےٰ درجہ قابل قدر ہیں۔ سب سے زیادہ مشہور رسالہ
"معارف" ہے جو ہفتہ وار نکلتا ہے۔ اس میں اکثر اہل کمال عالم ترکوں کے مضامین
زیادہ تر شائع ہوتے ہیں۔ سائنس کی تحقیقات جدید اسی کے ذریعہ زیادہ تر
ملک میں پھیلی ہے۔ اور مضامین کے ساتھ تصویریں بھی ضروری درج کی جاتی ہیں
جو ایسی ہی مکمل اور خوبصورت ہوتی ہیں۔ جیسا کہ یورپین زبان کے رسالہ میں
ہو سکتی ہیں۔ غرض اس رسالہ کے سوا اور بھی بہت سے رسالے ہیں جو نہایت
عمدگی اور آب وتاب سے علمیت ولیاقت سے مملو۔ عمدہ کاغذ اور خوشخط نفیس چھپکر
ملک کے ہاتھ میں جاتے ہیں ٭

غرض یہ کہنا کسی طرح مبالغہ نہیں کہ ترکی میں علوم و فنون کی جو روز افزوں ترقی ہوئی ہے اور جس پر کثرت سے اس زبان میں نئی تصانیف دن بدن شائع ہوتی ہیں۔ اس لحاظ سے اس زبان کو آج کل تمام ایشیائی دنیا پر فضیلت و تفاخر معزز رتبہ حاصل ہے ✤

قسطنطنیہ کے چھاپے خانے مشہور ہیں۔ مگر ایک عجیب اتفاق سے بجائے قسطنطنیہ کے بیروت کو شہرت حاصل ہوئی ہے۔ اصل یہ ہے کہ قسطنطنیہ کے چھاپہ خانوں میں عموماً ترکی زبان کی کتابیں شائع ہوتی ہیں۔ اور بیروت میں زیادہ تر عربی۔ عربی ٹائپ ایک ترکی عالم ابوالضیا کی ایجاد ہے۔ اور تمام دنیا میں بے نظیر تسلیم کیا گیا ہے۔ چھاپہ خانوں کی صفائی صحت اور ٹائپ کی عمدگی۔ اور موزونی بھی نہایت قابل تعریف ہے۔ کاغذ کتابوں کو اعلےٰ درجہ کا قیمتی لگایا جاتا ہے۔ اور اس طرح بھی کتاب بہت کچھ قابل قدر ہو جاتی ہے ✤

ترکوں میں جو چیز سب سے زیادہ قابل فخر و ناز ہے وہ ان کے کتب خانے ہیں اور یہ ان کے علمی کارناموں میں شمار ہوتے ہیں۔ اور اس میں کچھ مبالغہ نہیں کہ عربی تصانیف کا دنیا بھر میں سب سے بڑا مرکز قسطنطنیہ ہے ✤

اس شہر میں جس قدر کتب خانے ہیں۔ ان کی تعداد ۴۰ ہے۔ اور شاہی کتب خانہ قصر ہمایوں ان کے علاوہ ہے یہ کتب خانہ نہایت قدیم اور اکثر اور کتب خانوں پر بلحاظ کتابوں کی عمدگی کے فضیلت رکھتا ہے ✤

ان کل کتب خانوں میں گو کتابوں کی تعداد اس قدر کثیر نہیں مگر جو چیز قابل تعریف ہے وہ یہ ہے کہ کمیاب نسخے اور اعلےٰ تصانیف زمانہ قدیم کی مشہور مصنفین کی جمع کی گئی ہیں۔ ان کتب خانوں میں سے اکثر مشہور حسب ذیل ہیں:۔

کتب خانہ جامع ایا صوفیہ ✤ — کتب خانہ لالولی ✤
کتب خانہ جامع یول ✤ — کتب خانہ جامع بایزید ✤
کتب خانہ عاشقہ آفندی شیخ الاسلام ✤ — کتب خانہ حمیدیہ قدیم ✤
کتب خانہ جامع محمد فاتح ✤ — کتب خانہ اسعد آفندی نقیب الاشراف ✤
کتب خانہ علی پاشا شہید ✤ — کتب خانہ حمیدیہ جدید ✤

کتب خانہ نور عثمانیہ ✤ کتب خانہ سلیمانیہ ✤
کتب خانہ حکیم اعلیٰ علی پاشا ✤ کتب خانہ قلیم مین پاشا ✤
کتب خانہ محمد پاشا کوپرلی ✤ کتب خانہ سلیمیہ ✤
کتب خانہ ولی الدین آفندی ✤ کتب خانہ سلطان محمد قاضی زادہ ✤
کتب خانہ فیض اللہ آفندی ✤ کتب خانہ عاطفت آفندی ✤
کتب خانہ جامع والدہ سلطان ✤ کتب خانہ خسرو پاشا ✤
کتب خانہ شہزادہ داماد ابراہیم پاشا ✤ کتب خانہ محمد آفندی ✤
کتب خانہ مہرشاں ✤ کتب خانہ توفیق آفندی ✤
کتب خانہ مصطفےٰ آفندی ✤ کتب خانہ محمد آفندی مراد ✤
کتب خانہ راغب پاشا ✤

یہ کتب خانے جیسا کہ خود ان کے ناموں سے ظاہر ہے اگلے پاشاؤں اور امیروں نے قائم کئے ہیں۔ اور سب کے سب وقف عام ہیں۔ اور ہر کتب خانے کے ساتھ اس قدر جائداد بھی وقف ہے۔ کہ جس سے اس کے معمولی مصارف یعنی مکان کی تجدید و ترمیم فرش اور معمولی فرنیچر۔ ملازموں کی تنخواہ ادا ہوتی رہتی ہے۔ ان امور کے لحاظ سے اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ کہ یعنی فیاضی میں ترکوں کا رتبہ تمام اسلامی قوموں سے بالاتر ہے ✤

ان کتب خانوں سے اس بات کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ ترکوں میں امرا کا گروہ (جو اور قوموں میں نسبتاً ایک جاہل گروہ ہوتا ہے) تعلیم یافتہ اور اعلیٰ درجہ کا تعلیم یافتہ تھا۔ اکثر کتب خانوں میں وقف کرنے والوں کی ذاتی تصنیفات یا اُن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابیں موجود ہیں۔ جو اُن کے مذاق اور وسعت نظر کی شاہد ہیں اس کے علاوہ جس قسم کی عمدہ اور نایاب کتابیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کی گئی ہیں خود ان سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے۔ کہ جمع کرنے والوں کا علمی مذاق معمولی نہ تھا ✤

چونکہ تمام اوقاف کا انتظام حکومت سے تعلق ہے۔ کتب خانے بھی گورنمنٹ کے زیر اہتمام ہیں اور یہی وجہ ہے کہ باوجود ابتدار زمانہ کے کتابیں اس احتیاط

سے محفوظ ہیں کہ ایک پرچہ بھی ضائع نہیں ہونے پایا ہے۔ ملازمین باوجود قلت تنخواہ کے نہایت متدین اور راست کردار ہیں ۞

کتب خانہ عائشہ آفندی کا وقف اس قدر کم ہے کہ لائبریرین کو معمولی خوراک اور دو روپیہ ماہوار سے زائد نہیں مل سکتے۔ لیکن جو شخص لائبریرین مقرر کیا گیا ہے اس قدر دیانت دار اور اپنے فرائض کا پابند ہے کہ اس سے زیادہ ہونا ممکن نہیں کتب خانہ کی دیواروں پر انگور کی بیلیں چڑھی ہیں۔ ایک دن میں نے اس سے کہا کہ اگر تم انگوروں کو بیچ ڈالو تو تم کو معقول آمدنی ہو سکتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ وقف کی شرط کے موافق یہ انگور صرف اُن لوگوں کے لئے ہیں۔ جو کتب خانہ میں کتاب پڑھنے کی غرض سے آئیں۔ اس لئے میں ان سے کسی طرح کا فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ قلت تنخواہ کی وجہ سے بیچارے نے شادی بھی نہیں کی ہے۔ نہ رہنے کا کوئی مکان ہے کتب خانہ ہی میں رات کو پڑا رہتا ہے ۞

ان کتب خانوں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے۔ کہ ان میں ایسی ایسی نایاب کتابیں ہیں۔ جن کے نسخے دنیا میں کمیاب ہیں۔ اگر کسی جگہ ایک دو اتفاق سے ملتے بھی ہیں تو نا قابل اعتبار اور اکثر غلط۔ مگر یہاں ان کے صحیح نسخے اور معتبر دستیاب ہوتے ہیں۔ کتابیں نہایت خوشخط قدیم تحریر ہیں۔ اعلٰے درجہ کی مجلد اور بعض زرافشاں کاغذ پر ہیں ۞

ترکی عملداری میں ایک عجیب فیاضانہ طریق مہمان نوازی کا ہے۔ جو در حقیقت حیرت انگیز ہے۔ تمام بڑے بڑے شہروں میں مسافر نوازی کے واسطے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ جو تکیہ یا خانقاہیں کہلاتی ہیں۔ ان کو تکیہ یا مکان بھی کہتے ہیں اور ایسے مکانات ہر ملک اور ہر فرقہ کے لئے جُدا جُدا ہیں اور ان کی قسطنطنیہ میں بہت کثرت ہے یعنی کوئی ساڑھے تین سو کے قریب ۞

جب کسی ملک اور فرقہ کا مسافر اس خانقاہ میں آنکلے جو اس کے واسطے وقف ہو بغیر کسی قسم کی روک ٹوک کے وہاں جا سکتا ہے اور مختار ہے جب تک چاہے مقیم رہے کھانا اور ایک وقت کا چاء مفت ملتی ہے۔ اس فیاضی کی وسعت کا حصہ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے۔ کہ باوجود دوری کے قسطنطنیہ

دمشق۔ بیت المقدس حلب۔ موصل دیار بکر۔ ان تمام مقامات میں ہندوستانیوں کے واسطے بھی علیحدہ علیحدہ خانقاہیں وقف ہیں۔ اور ان کے رہنے والوں کے لئے معقول جنس گوشت وغیرہ مقرر رہے ٭

یہ خانقاہیں یہاں کے امرا اور روسا کی کشادہ دلی کا اظہار ہے۔ ہر ایک خانقاہ کے ساتھ اس قدر جائداد وقف ہے کہ مقررہ خرجات اس کے بخوبی ادا ہوتے رہتے ہیں۔ ہر ایک خانقاہ میں ایک شخص مقرر ہوتا ہے جسکو معقول تنخواہ اور خوراک اس کے انتظام اور نگرانی کے واسطے ملتی ہے ٭

اکثر خانقاہوں کی عمارت بھی نہایت عمدہ اور خوشنما ہے۔ مکان بھی اچھا اور کافی ملتا ہے۔ اور صرف قسطنطنیہ کی خانقاہوں کا خرچ سالانہ تخمیناً چار پانچ لاکھ سے کم نہیں ہو سکتا۔ اور درحقیقت ترکوں کی فیاضی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے ٭

جامع مسجدوں کی یہاں کثرت ہے۔ اور اس کثرت اور نیز ان مساجد کی خوبی عمارت اور عظمت و شان کے لحاظ سے قسطنطنیہ دنیا میں بے مثل ہے اس شہر کے پہلے تخت نشین اور متصرف محمد فاتح کے عہد سے آج تک جس قدر فرماں روا گزرے ہر ایک (سوائے چند مستثنیات کے) ایک ایک جامع مسجد ہے اور جس کی شان و شوکت میں کلام کی گنجائش نہیں ٭

ان مساجد میں جامع فاتحہ (محمد فاتح) جامع سلیمان (سلیمان عالیشان) جامع بایزید (بایزید الاسلام) جامع والدہ سلطان۔ جامع سلطان احمد۔ اور جامع ایاصوفیہ زیادہ ممتاز ہیں۔ اور خصوصاً جامع ایاصوفیہ سب سے بڑھ کر عالیشان و پُرشوکت ہے ٭

مسجدوں کی وضع علی العموم دیگر ایشیائی ممالک کی وضع سے بالکل علیحدہ ہے۔ نہ دالان نہ محراب۔ نہ صحن۔ صرف ایک گنبد ہوتا ہے۔ لیکن گنبد بھی وہ اس قدر وسیع کہ کئی ہزار آدمی بے تکلیف اس میں سما سکتے ہیں۔ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ گنبد کی بے انتہا وسعت اور عمارت کا ارتفاع انسان کو دفعتاً متحیر بلکہ ایک گونہ مرعوب کر دیتا ہے اور ہر مسجد میں کئی کئی سو تیلوں کے آہنی

جھاڑ ہیں ✦

ہر ایک مسجد میں ایک خصوصیت ہے کہ چار بڑی بڑی ڈھالیں چاروں کونوں پر رہتی ہیں اور ان پر آب زر سے نہایت خوشخط اور جلی حرفوں میں ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی لکھا ہوتا ہے ✦

اس سے صاف ظاہر ہے کہ تمام سلاطین ترک کو مذہب اہلسنت والجماعت سے کس قدر محبت تھی۔ اور ہر ایک بات میں اس کا اظہار پسند کرتے تھے۔ تمام مسجدیں نہایت پرتکلف و آراستہ ہیں۔ جمعہ اور عیدین کو ان پر بیش قیمت قالین کے فرش بچھتے ہیں۔ اور ان موقعوں پر اور بھی زیب و زینت کے سامانوں سے یہ آراستہ اور شاندار نظر آتی ہیں ✦

قابل دید مقامات یہاں بکثرت ہیں مثلاً۔ یونانیوں کے معبد قدیم سلح خانہ۔ خزانہ جن میں تمام سلاطین عثمانیہ کی پورے قد کی تصویریں مع اصل لباس و اسلحہ و جواہرات کے موجود ہیں۔ اس کے علاوہ توپیں ڈھالنے کا کارخانہ۔ موزہ خانہ۔ یعنی عجائب خانہ جہاں قدیم زمانے کے نایاب اور سکندر یونانی کا سنگین تابوت بھی ہے ✦

ترس خانہ یعنی جہازوں کے بنانے کا کارخانہ۔ یہ بہت بڑا عظیم الشان کارخانہ ہے۔ اور چونکہ حربی صیغہ سے تعلق رکھتا ہے۔ محکمہ حربیہ کی تحریری اجازت کے بغیر کوئی شخص وہاں نہیں جا سکتا . . . . یہ کارخانہ مختلف حصّوں میں منقسم ہے۔ جس کا صدر مقام بہت بڑی مستطیل دو منزلہ عمارت ہے جہاں متعدد بڑے بڑے انجن ہیں۔ اور ان کے ذریعہ سے سینکڑوں کلیں چلتی ہیں۔ ہمارے رہنما نے اول ہمکو اوپر کے درجہ کی سیر کرائی۔ پہلے ایک بڑے کمرے میں لے گئے۔ جہاں چند معزز افسر ایک لمبی میز کے گرد بیٹھے ہوئے ایک جہاز کا نقشہ تیار کر رہے تھے۔ جب نقشہ تیار ہو جاتا ہے تو دوسرے آفس میں بھیج دیا جاتا ہے۔ جہاں اس نقشے کے مطابق جہاز کا مختصر سا نمونہ تیار کیا جاتا ہے یہ نمونہ لکڑی کا ہوتا ہے۔ اور باوجود مختصر ہونے کے جہاز کی پوری تصویر ہوتا ہے ✦

یہ نمونہ اول سلطان کے ملاحظہ میں پیش ہوتا ہے اور منظوری کے بعد

سلہ سفرنامہ مولوی شبلی نعمانی ✦

اس کے نمونہ کے موافق جہاز تیار کیا جاتا ہے۔ان القفلی جہازوں کے دقائق اور نکتے تو میں کیا سمجھ سکتا۔لیکن بظاہر نہایت دقت نظر اور اُستادی کا کام معلوم ہوتا تھا" ٭

ان چیزوں کو دیکھکر ہم نیچے اُترے یہاں سینکڑوں کلیں چل رہی تھیں۔ اور جدا جدا کام ہوتے تھے۔ایک طرف پُرزے ڈھل رہے تھے۔ایک طرف لوہے کی موٹی موٹی سلاخوں پر سینکڑوں من کا گھن پڑتا تھا۔اور چادریں بنتی جاتی تھیں۔اس عمارت کے آگے ایک بہت بڑا لمبا احاطہ ہے۔وہاں ایک جہاز تھا۔جو بالکل تیاری کے قریب تھا صرف چادر چڑھانی باقی تھی ٭

ہم نے یہاں تارپیڈو کی بہت سی کشتیاں دیکھیں جو اس کارخانہ سے تیار ہوئی تھیں۔اور سمندر میں ڈالی گئی تھیں۔ان جہازوں میں اوپر کے درجہ میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔سارا جہاز لکڑی کا ایک وسیع تختہ نظر آتا ہے۔آلاتِ حرب اور ہر قسم کی ضروری چیزیں۔یعنی باورچیخانہ۔خوابگاہ۔کھانے کا کمرہ۔ غرض جو ضروری چیز ہو اندر ہی ہوتی ہے ٭

ہمارے رہنما نے ہم کو ایک کشتی کی سیر بھی کرائی۔مگر چونکہ اندر جگہ بہت کم ہوتی ہے تھوڑی دیر میں ہمارا دم گھٹنے لگا۔اور ہم جلد باہر نکل آئے۔نہایت قابل تعریف بات یہ ہے کہ اتنا بڑا کارخانہ عظیم الشان صرف ترک چلاتے ہیں۔تمام افسر اور کاریگر ملازم ترک ہیں۔صرف ایک یوروپین معمولی درجے کا ملازم ہے۔اور وہ بھی قدامت کے لحاظ سے بحال رکھا گیا ہے ٭

انجن بھی اسی کارخانہ میں تیار ہوتے ہیں۔اور ترکوں کا بیان ہے۔کہ یورپ کے بنے ہوئے انجنوں سے کسی بات میں کم نہیں ہوتے۔ایک افسر نے مجھ سے یہ بھی کہا۔کہ اس قسم کے تمام کاموں میں ہم کو اب یورپ کی احتیاج نہیں رہی ٭

ٹرکی پر جو کتابیں چھپی ہیں۔ان میں ناظرین نے ینگ چری (جس کو اکثر اردو میں بگاڑ کر جان نثاری لکھا گیا ہے) کا لفظ بہت جگہ پڑھا ہوگا۔یہ ایک فوج کا نام تھا۔"ینگ" کے معنی ترکی زبان میں "نئے" اور "چری" کے معنی سپاہی کے ہیں ٭

اس کی حقیقت اس طرح ہے کہ سلطان آرخاں نے جو سلاطین عثمانیہ میں دوسرا تخت نشین تھا۔ ۱۳۶۳ء ہجری میں حکم دیا کہ اسیران جنگ سے جو ہر سال کثرت سے گرفتار ہو کر آتے تھے۔ ایک خاص تعداد منتخب ہو کر ایک فوج تیار ہو۔ حاجی بکتاش نے جو سلطان کا مرشد تھا۔ اس فوج کا نام ینگ چری رکھا یعنی فوج جدید (ترکی زبان میں)۔

اس زمانہ میں اسلامی تلوار کا لوہا تمام دنیا نے مانا تھا۔ فتوحات کی روز افزوں کثرت سے اس فوج کی تعداد میں بہت اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ دو تین نسل کے بعد یہی فوج حکومت کی دست بازو بن گئی۔ اور اس سے تعجب ہوتا ہے۔ کہ گو یہ اسیران جنگ عموماً عیسائی نسل سے ہوتے تھے۔ اور فوج میں بھرتی ہو کر بھی مدتوں اپنے قدیم مذہب پر قائم رہتے تھے۔ تاہم ترکی حکومت کے ساتھ ان کو یہ اخلاص تھا کہ خود ترکوں کو اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اور بالکل بجا کہا گیا ہے کہ ترکوں نے جو ایک عصر تک یورپ کو اپنا صیدگاہ بنا رکھا تھا۔ وہ انہیں جانبازوں کی بدولت تھا ۱۸۲۶ء میں سلطان محمود نے جس کو ترک "مصلح" کہتے ہیں یورپ کے اصول پر فوج کو مرتب کرنا چاہا۔ تو ان لوگوں نے جوش میں آکر مخالفت کی اور علم بغاوت بلند کیا۔ مگر سلطان نے ایک جدید فوج پہلے ہی سے تیار کر رکھی تھی۔ اہل شہر نے اس نئی شاہی فوج کا ساتھ دیا۔ اور خاص قسطنطنیہ میں ایک ہنگامۂ عظیم برپا ہوا۔ ینگ چری فوج بالکل تباہ ہو گئی۔ مگر اس کے ساتھ ہی شاہی فوج کو بھی سخت نقصان پہنچا۔ اور وزیر اعظم اور شیخ الاسلام اس معرکہ میں کام آئے۔ اس عبرت انگیز واقعہ سے متعلق ایک مکان موسوم بہ "مقتولان ینگ چری" قسطنطنیہ میں ہے۔ وزیر اعظم اور شیخ الاسلام اور ینگ چری فوج کے تمام بڑے بڑے نامور افسروں کی پورے قد کی مورتیں اس میں موجود ہیں۔ سپاہیوں اور سپہ سالاروں کی بارعب شکلیں۔ زمانہ قدیم کا لباس اور اسلحۂ حرب سکوت اور خاموشی کا عالم یہ تمام باتیں مل ملا کر ایک ایسا رعب اور ہیبت انگیز ہوکا سماں پیدا ہو گیا ہے کہ دن کو بھی یہاں جاتے ڈر لگتا ہے۔

سپاہی سر سے پیر تک لوہے میں غرق۔ سر پر خود چہرہ پر چلم۔ اور ہاتھوں میں آہنی دستانے پہنے۔ بدن پر زرہ اور چار آئینہ۔ ٹخنوں تک آہنی موزے غرض

آنکھوں کے سوا جسم کا کوئی حصہ نہیں نظر آتا۔ ان میں سے بعض سپاہیوں کے لباس عجیب قسم کے ہیں۔ بعض کے سر پر پگڑیاں ہاتھ ہاتھ بھر اونچی ہیں۔ اور بعینہ پنجاب کے اکالی سکھوں کی طرح۔ یہاں ہر وقت سرکاری پہرا رہتا ہے۔ اور بغیر ٹکٹ حاصل کئے کوئی شخص نہیں جا سکتا +

یہاں دو عجائب خانے ہیں۔ ایک سرکاری جس کا حوالہ اس سے پہلے آ چکا ہے اس میں قدیم زمانہ کے پتھر کے گھنٹے اور سب سے مشہور چیز سکندر یونانی کا سنگین تابوت ہے۔ اور اس کے علاوہ اس قسم کے بعض کمیاب زمانہ قدیم کی یادگاریں ہیں +

دوسرا عجائب خانہ ایک عیسائی سوداگر نے قائم کیا ہے۔ اس کی عمارت اچھی ہے اشیاء یہاں معمولی ہیں۔ البتہ جو کچھ قابل دید ہے وہ دنیا کے مختلف حصوں کے باشندوں کی مورتیں ہیں۔ یہ مورتیں اس خوبی سے بنائی ہیں۔ کہ بالکل اصلی معلوم ہوتی ہیں" +

مولوی شبلی صاحب نعمانی کہتے ہیں کہ اس عجائب خانہ میں میں نے ایک عجیب دردانگیز تماشہ دیکھا جس کا اثر دیر تک میرے دل پر رہا۔ ایک جداگانہ کمرہ میں چند عورتیں ہیں۔ جو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ ایک شکنجہ میں دابی جا رہی ہے۔ ایک کی پیٹھ پر جلتے ہوئے لوہے کی پٹڑی رکھدی ہے۔ کہ گردن سے لے کر کمر تک چار چار انگل کھال میں اُڑ گئی ہے۔ اسی طرح اوروں کو عجیب عجیب طریقہ سے اذیت دی جا رہی ہے یہ عورتیں صورت وضع اور لباس سے دولتمند اور شریف معلوم ہوتی ہیں۔ اکثر کم سن اور خوبصورت و نازک اندام ہیں۔ سخت متعجب ہوتا تھا۔ کہ کن ظالم ہاتھوں نے ان حسن کی دیبیوں پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت کی ہو گی !!

دریافت سے معلوم ہوا کہ سپین (ہسپانیہ۔ اندلس) میں جب اسلامی حکومت برباد ہو کر عیسائیوں کی سلطنت قائم ہوئی۔ تو عموماً مسلمان تبدیل مذہب پر مجبور کئے گئے۔ اور چونکہ اسلام کا اثر آسانی سے دلوں سے مٹ نہ سکتا تھا۔ ان کو انواع و اقسام کی اذیتیں دیجاتی تھیں۔ اور بیکسی اور کمزوری کے لحاظ سے

عورتوں پر زیادہ ظلم کیا جاتا تھا۔ یہ مظلوم عورتیں اُسی عبرت انگیز واقع کی یادگار ہیں اس وقت مجھ کو خیال آیا۔ لہ آہا ! یہی عیسائی ہیں جو ہم کو طعنہ دیتے ہیں کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا !!!

یہ معما سمجھ میں نہیں آیا کہ عجائب خانہ کے بانی نے جو عیسائی ہے۔ ان تصویروں کو کس غرض سے یہاں رکھا ہے۔ کیا وہ عیسائیوں کا پرفخر کارنامہ دکھانا چاہتا ہے؟ اور حکومت ترک جو اس سے تعرض نہیں کرتی تو کیا اپنی بے تعصبی کا ثبوت دینا چاہتی ہے؟ میں تو اس بات کو نہایت ناپسند کرتا ہوں کہ دنیا کی مختلف قوموں میں جو ناگوار واقعات کسی قدیم زمانہ میں پیش آئے وہ بار بار منظر عام پر لائے جائیں ✲

قسطنطنیہ کو ایک خوبی اور فوقیت جو تمام عالم کے شہروں پر حاصل ہے۔ وہ اس کے منظروں کے باعث ہے۔ اس کے اطراف میں عجیب عجیب دلفریب اور پُرلطف کرشمے۔ قدرتی سیرگاہیں ہیں۔ اور جیسے ہیں ویسی ہی لوگ اس کی قدر بھی کرتے ہیں اور اس نعمت سے فائدہ اُٹھاتے ہیں ✲

ہر سیرگاہ کے واسطے یہاں ایک ایک خاص دن مقرر ہے۔ اور اُس روز لوگ وہاں جوق جوق جمع ہوتے ہیں۔ اور عجب لطف خیز مجمع ہوتا ہے۔ ان سیرگاہوں میں ایک خون کرصوی کے نام سے موسوم ہے۔ خون کر۔ کے معنی ہیں ترکی زبان میں "خون کا مالک" اور بادشاہ وقت پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور صوی کے معنی ہیں پانی کے اور اس طرح اس کا ترجمہ ہے شاہی چشمہ ✲

یہ مقام شہر سے بیس پچیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ دور تک مسلسل پہاڑ چلے گئے ہیں۔ جو نہایت سرسبز اور شاداب ہیں۔ اس میں ایک قطعہ نہایت موزوں نکل آیا ہے یہ سلسلہ کوہ کی بلند سطح پر واقع ہے جس خاص جگہ اہل مذاق اور شوقین جمع ہوتے ہیں وہ نہایت ہی دلکش ہے۔ سبزہ زار۔ قدرت کا مخملی فرش۔ درختوں کی دورویہ قطاریں۔ جہاں تک نظر کام کرتی ہے۔ دلفریبی کا قدرتی سامان موجود ہے۔ ایک طرف آبشار ہے۔ جس کا پانی ایک حوض میں جمع ہوجاتا ہے یہاں درختوں کے نیچے جابجا لوگ علیحدہ علیحدہ جتھوں میں بیٹھتے ہیں۔ قہوہ کا دور چلتا ہے۔ باجہ بجتا ہے۔ فرانسیسی اور ترکی راگ گائے جاتے ہیں۔ اور زندگی کا قدرت کی ودیعت کی امداد سے

حظ اُٹھایا جاتا ہے +

تھوڑی دُور اور اُوپر چڑھ کر پہاڑ کی چوٹی آجاتی ہے ۔ یہ نہایت مسطح اور سایہ دار ہے ۔ اور عورتوں کے واسطے مخصوص ہے ۔ کثرت سے ٹرکش لیڈیاں یہاں جمع ہوتی ہیں ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ بیس تیس میل کی مسافت پہاڑ کی چڑھائی گھوڑے یا خچر کی سواری ۔ نازک اندام لیڈیوں کے واسطے کچھ کم باعث تکلیف و دقت نہیں ۔ لیکن یہ سیرگاہ کچھ ایسی دلاویز ہے ۔ کہ اس کے واسطے سب تکلیفیں نہایت خوشی سے گوارا کیجاتی ہیں ۔ اور ان کا صلہ بھی کافی ملجاتا ہے +

قسطنطنیہ کا محرم بھی خاص کر قابل ذکر ہے ۔ عجمی یہاں پچاس ۔ ساٹھ ہزار سے کچھ زائد ہی ہونگے ۔ اکثر یہاں دفاتر میں ملازم ہیں ۔ بعض تاجر ہیں ۔ اور اکثر کچھ اور پیشے کرتے ہیں ۔ بعض مزدوری سے حیات بسری کرتے ہیں ۔ اور گو شہر کے مختلف حصوں میں بود و باش رکھتے ہیں ۔ مگر جہاں ان کی بہت کثرت ہے اس محلہ کو وآلدہ خانہ کہتے ہیں ۔ ایام محرم میں زیادہ تر اسی محلہ میں صوم و صلٰوۃ کی مجلسیں ہوتی ہیں ۔ اور نوحہ و بکا کا بازار گرم ہوتا ہے ۔ مگر یہاں سوز و تحت اللفظ کا دستور بالکل نہیں ۔ صرف حدیث خوانی ہوتی ہے +

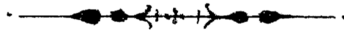
عام طریقہ یہ ہے کہ اول ممبر کے قریب ایک شخص کھڑے ہو کر بانی جناب امیر علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے فضائل و مناقب کے متعلق اشعار پڑھتا ہے، پھر ایک مستعد عالم ممبر پر بیٹھ کر حالاتِ کربلا کو وعظ کے طور پر نہایت خوبی اور صفائی سے بیان کرتا ہے .... +

ماتم کے چند طریق ہیں ۔ اور بعض نہایت ہی عجیب اور مؤثر ہیں ۔ ادنٰے درجہ کا ماتم تو یہی ہے کہ نہایت زور سے چھاتی پیٹتے ہیں ۔ یہاں تک کہ اس جگہ کا گوشت اُبھر آتا ہے +

دوسرا طریقہ زنجیروں سے ماتم کرنے کا ہے ۔ تیس تیس ۔ چالیس چالیس آدمیوں کا حلقہ ہوتا ہے ۔ اور سینہ یا پشت پر اس زور سے زنجیریں مارتے ہیں کہ دُور تک آواز جاتی ہے +

تیسرا طریقہ تلواروں سے ماتم کرنے کا ہے ۔ اور وہ شب شہادت کے ساتھ

مخصوص ہے ۔ ماتم کرنے والے ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے صف باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں ۔ اور عجیب جوش اور خود رفتگی کے عالم میں "یا حسین" کہے جاتے ہیں ۔ اور سر و پیشانی اور شانوں پر تلواریں مارتے جاتے ہیں ۔ زخموں سے خون کی چھینٹیں اُڑ اُڑ کر تمام بدن پر پڑتی ہیں ۔ اور حلقہ ماتم گویا لڑائی کا میدان بنجاتا ہے *



(از سفرنامہ مولانا مولوی محمد شبلی صاحب نعمانی)

سلاملق یا موکب سُلطانی

اور

عید الضحیٰ

قسطنطنیہ میں سلاملق سے زیادہ کوئی چیز پر اثر اور دلچسپ نہیں ہے سلاملق ترکی لفظ ہے جس کا لفظی ترجمہ سلام کرنا ہے چونکہ اس موقع پر فوج اور سرداران فوج سلطان کے سلام کو آتے ہیں۔ اس لئے اس رسم کو سلاملق سے تعبیر کیا جاتا ہے سلطان عام طور پر قصر شاہی سے کبھی باہر نہیں نکلتے[1] صرف نماز جمعہ پڑھنے کے لئے جامع مسجد میں تشریف لاتے ہیں اور وہیں نماز جمعہ کے بعد یہ رسم ادا ہوتی ہے ✤

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت جو شان و شوکت اور عظمت و جلال ظاہر ہوتا ہے۔ زبان یا قلم کے ذریعہ اس کی تصویر کھینچنی مشکل اور سخت مشکل ہے۔ باوجودیکہ مہینہ میں چار بار اور سال میں اڑتالیس دفعہ یہ موقع پیش آتا ہے۔ اور اس وجہ سے اس کو ایک معمولی چیز خیال کیا جاسکتا ہے۔ تاہم ہمیشہ تماشائیوں کا یہ ہجوم ہوتا ہے کہ لوگ درختوں اور آدمیوں کے کندھوں پر چڑھ کر تماشہ دیکھتے ہیں ✤

---

[1] درحقیقت قصر شاہی سے باہر نکلنے کی انکو ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ کیا وجہ کہ قصر کے ساتھ کئی میل تک کارگاہیں سبزہ زار اور سیرگاہیں بنی ہوئی ہیں۔ سلطان المعظم گاڑی پر سوار ہو کر انہیں باغات اور سیرگاہوں میں تفریح کے واسطے جاتے ہیں۔ نیز حصہ بحر بھی احاطہ قصر ہی میں محصور ہے۔ اس جگہ بجرہ میں پہنچ کر پانی کی سیر کا لطف اٹھاتے ہیں (مؤلف) ✤

یورپ کے اکابر اور سیاح جو قسطنطنیہ کی سیر کو آتے ہیں۔ اس موقع کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ موکب ہمایوں کی گذرگاہ پر ایک بالاخانہ ہے۔ معزز لوگوں کو ٹکٹ لے کر وہاں بیٹھنے کی اجازت ملتی ہے۔ چنانچہ ہر جمعہ کو ان معزز تماشائیوں کا ایک معتدبہ مجمع موجود رہتا ہے۔ میرے زمانہ اقامت میں کینیڈے کے بڑے بڑے ارکان سلطنت قسطنطنیہ کی سیر کو آئے تھے اور اس مجمع میں شریک ہوئے تھے۔

میں ہندوستان میں یہ حالات سن چکا تھا۔ اس لئے قسطنطنیہ پہنچ کر اول اس کی سیر کا ارادہ کیا۔ ایک شامی عرب کو جن سے حال میں ملاقات ہو گئی تھی ساتھ لیا اور جامع مسجد حمیدیہ پہنچا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا تو دور دور تک سپاہیوں کے پرے جمع اور موکب ہمایوں تک نظر کی رسائی ہی مشکل ہے۔ مجبوراً واپس آیا۔ حسین حبیب آفندی جو کسی زمانہ میں بمبئی میں ٹرکش کونسل تھے اور اب قسطنطنیہ میں پولیس کمشنر ہیں۔ وہ مجھ کو اس ذریعہ سے جانتے تھے کہ محاربہ روس میں میں نے بحیثیت سکرٹری انجمن تین ہزار کی رقم انہی کے ذریعہ سے قسطنطنیہ کو روانہ کی تھی۔ اس تعارف کی بنا پر میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ نہایت مہربانی سے پیش آئے اور کہا کہ جمعہ کے دن جامع حمیدیہ میں آنا۔ میں تمہارے واسطے ٹکٹ لے رکھونگا۔ لیکن بدقسمتی سے (اور سچ پوچھو تو خوش قسمتی سے) جب میں وہاں پہنچا تو وہ وہاں موجود نہ تھے۔

دیر تک مسجد کے دروازے پر ان کا انتظار کرتا رہا۔ قریباً ایک بجے جب سلطان کی آمد آمد کا غل ہوا۔ تو فوجیں دور دور تک پھیل کر ہلال کی شکل میں صف آرا ہو گئیں۔ اور تمام راستے رک گئے۔ میں مایوس ہو کر مسجد میں داخل ہوا۔ اور افسوس کرتا تھا کہ یہ جمعہ بھی خالی گیا۔ تھوڑی دیر گذری تھی کہ ایک گرج کی سی آواز آئی۔ یہ چوق یشا[۱] کا نعرہ تھا جو ترکوں کا قومی نعرہ ہے۔ یہ نعرے پے درپے تین بار بلند ہوئے۔ کوکب سلطان مسجد تک آپہنچا۔ اور نعروں کی گونج ابھی تھم نہیں چکی تھی کہ موذن نے جو سلطان کے مشاہدہ جمال کا انتظار کر رہا تھا۔ اللہ اکبر کا نعرہ

---

[۱] اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے "ہمارا بادشاہ زندہ رہے"۔ ؛ دستخط حیدر حسین

دو لو آوازیں ملکر دل پر عجیب اثر کرتی تھیں ٭

سلطان کھلی ہوئی گاڑی پر سوار تھے۔ چونکہ مسجد کا صحن داخل مسجد نہیں ہے۔ یعنی وہاں نماز نہیں پڑھتے اور جوتے پہن کر جا سکتے ہیں۔ گاڑی صحن تک آئی۔ اور دیوار کے قریب آ کر ٹھیری۔ مسجد دو منزلہ ہے۔ اور اوپر کی منزل میں گیلری بنی ہے۔ جو خاص سلطان کے نماز پڑھنے کی جگہ ہے۔ سلطان گاڑی سے اُتر کر اُوپر کی منزل میں گئے۔ اور ان کے جانے کے ساتھ گیلری کے دریچوں پر اطلسی پردے چھوڑ دیئے گئے کہ ان پر کسی کی نگاہ نہ پڑ سکے ٭

لوگ اطمینان کے ساتھ بیٹھ چکے تو خطیب نے خطبہ شروع کیا۔ افسوس ہے کہ خطیب ترک تھا۔ عرب نہ تھا۔ اِس لئے اِس کے لہجہ میں وہ اثر اور کیفیت نہ تھی۔ جو عرب کے ساتھ مخصوص ہے۔ تاہم جب دوسرا خطبہ شروع ہوا اور اس نے سلطان المعظم کی طرف اشارہ کر کے پُرجوش آواز میں یہ الفاظ پڑھے اللھم انصر ھذا السلطان السلطان ابن السلطان الخاقان ابن الخاقان السلطان عبد الحمید خان۔ تو عجب کیفیت پیدا ہوئی میرا یہ حال تھا کہ آنکھ سے متصل آنسو جاری تھے اور بے اختیار زبان سے دعائیہ الفاظ نکلتے رہے ٭

عین اس موقع پر ایکبارگی پندرہ بیس شخص جن کے ہاتھوں میں عرض حال اور درخواستیں تھیں۔ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ لوگ سلطان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر دعائیں دیتے جاتے تھے اور رقعیاں پیش کرتے جاتے تھے۔ عرض بیگی ان کاغذوں کو لے کر جمع کرتا جاتا تھا۔ بعضوں کو میں نے دیکھا کہ سلطان کی طرف اشارہ کر کے زمین تک جھکے اور زمین کو ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو چوما۔ اگرچہ یہ تمام باتیں خطبے کے داب اور سکون کے خلاف تھیں۔ تاہم کیفیت سے خالی نہ تھیں۔ دریافت سے معلوم ہوا۔ کہ جن لوگوں کو کسی طرح سلطان المعظم تک رسائی کا امکان نہیں ہوتا۔ وہ اس ذریعہ سے اظہار مطلب کرتے ہیں۔ اور چونکہ سلطان کا مزاج قدرتی طور پر رحیمانہ اور فیاض ہے۔ اس طریقہ کو بند نہیں کیا جاتا ٭

نماز کے بعد اتفاق سے حسین حبیب آفندی ملے اور شکایت کی کہ میں ڈھونڈتا

تھا۔ تم کہاں غائب ہو گئے تھے ؟ بالاخانہ کا ٹکٹ تو اب نہیں مل سکتا۔ لیکن میں تمہارے لئے اس سے زیادہ عمدہ موقع نکالتا ہوں۔ نماز پڑھ کر تمام لوگ باہر چلے گئے تو سلطان گیلری سے اترے۔ اور ایک زینہ پر جہاں سے سلاملق کی بخوبی سیر ہو سکتی تھی۔ اور سلطان کو کوئی شخص نہیں دیکھ سکتا تھا۔ آکر ٹھیرے۔ افسران فوج اور پاشا صحن کی دائیں طرف صف باندھ کر کھڑے ہوئے حسین حبیب نے مجھ کو اسی صف میں لاکر کھڑا کر دیا۔ اور لوگوں سے کہا کہ یہ ہمارے مہمان ہیں ایک معزز افسر (حسن اخلاق کی وجہ سے) پیچھے ہٹ گیا۔ اور میرے لیے جگہ خالی کردی ✢

تھوڑی دیر کے بعد فوجوں کی آمد شروع ہوئی۔ ایوان شاہی سے مسجد تک وسیع اور ڈھلوان سڑک ہے۔ فوجیں جو دو رویہ دور تک ہلال کی صورت میں صف آرا کھڑی تھیں۔ ایوان شاہی کے سامنے گذرتی ہوئی مسجد کے دروازہ سے داخل ہوتی تھیں۔ اور دوسرے دروازہ سے نکلجاتی تھیں ✢

صفوں کی ترتیب۔ سوار۔ پیادہ۔ بحری۔ بری۔ توپچی۔ برق انداز۔ ترک کرد۔ عرب کے جدا جدا دستے۔ موزون اور باقاعدہ رفتار۔ زرق برق اسلحہ مختلف اور خوشنما وضع وردیاں۔ فوجوں کا پے درپے آنا اور وفا دارانہ جوش کے ساتھ اپنے شاہنشاہ کے سامنے سے گذرنا۔ ایسا عجیب و غریب سماں تھا جو کسی طرح بیان نہیں ہوسکتا ✢

عربوں کا رسالہ امپیریل گارڈ (شاہی دستہ) ہے ان کے سروں پر عمامے تھے اور سبز شملے ہوا میں اڑ کر عجب لطف دکھاتے تھے متصل تین گھنٹہ تک یہ فوجی دریا لہریں لیتا رہا۔ اور کم و بیش دس ہزار فوجیں گذریں آخر میں سلطان کے دو نوشہزادے آئے۔ اور عجیب شان سے آئے۔ فوجی لباس تھا اور کمر سے تلواریں بندھی تھیں۔ اگرچہ دس دس بارہ بارہ برس کا سن تھا۔ لیکن جس انداز سے وہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور ان کے چہروں سے جس جرأت اور شان کا اظہار ہوتا تھا۔ بیان نہیں ہوسکتا۔ شہزادے بھی جاچکے تو سلطان زینہ سے اترے۔ اور افسران فوج اور پاشاؤں کی صفیں جن میں میں بھی شامل تھا۔

دفعتہً سلام کو جھکیں۔ میں ابتدا سے محو حیرت تھا۔ اور آنکھوں کو ٹکٹکی لگ گئی تھی پہلے سے ارادہ تھا کہ سلطان کی زیارت ہوگی تو نہایت نیازمندی کے ساتھ آداب بجالاؤنگا۔ لیکن از خود رفتگی کا یہ عالم ہؤا کہ تمام صف کی صف دیوبکر کوع میں رہی۔ اور میں اسی طرح ٹکٹکی باندھے کھڑا رہا۔ البتہ زبان پر دعائیہ الفاظ جاری تھے۔ اور وہ بھی قصداً نہیں۔ بلکہ ایک بے اختیاری حالت میں ❊

پانچ چار قدم پیادہ چل کر سلطان گاڑی پر سوار ہوئے۔ افسروں نے دوبارہ سلامی دی۔ اور وہ عجیب وغریب سماں دفعتہً آنکھوں سے چھپ گیا ع

دیدۂ من باز و بنجرایم ہنوز

سلطان جس وقت زینہ سے اُتر کر گاڑی کی طرف بڑھے۔ ہماری صف سے اُن تک صرف تین چار ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ اور اس وجہ سے میں اُن کو اچھی طرح دیکھ سکتا تھا۔ سلطان کا حلیہ یہ ہے۔ قد میانہ۔ بلکہ کچھ نکلتا ہؤا۔ بدن چھریرہ چہرہ کتابی۔ صورت سے وقار اور متانت ٹپکتی ہے مگر یہ خیال ہوتا ہے۔ کہ کسی فکر میں ہیں۔ لباس بالکل سادہ یعنی سیاہ بانات کا کوٹ۔ اور معمولی ترکش ٹوپی تھی ❊

ترکوں میں "سلاملق" کا طریقہ ایک مدت سے چلا آتا ہے۔ اور رسوم سلطنت کا ایک جزو بن گیا ہے۔ اس سے فقط شاہانہ جاہ وجلال کا اظہار محض نہیں ہے بلکہ بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہر ہفتہ میں فوج کے ایک بڑے حصہ کا جائزہ ہوجاتا ہے اور اس طرح فوجیں جو پایہ تخت اور اس کے اطراف میں رہتی ہیں۔ سال میں چند بار ملاحظہ سلطان سے گزر جاتی ہیں۔ سلطان وقت فوج کی حالت کا کافی اندازہ کرسکتا ہے۔ اور فوج کے دل میں بادشاہ کی طرف سے جوش اور وفاداری کے خیالات تازہ ہوجاتے ہیں ❊

. . . .

عید کے دن سلاملق نہ تھی اور اس واسطے فوج کی تعداد کم تھی۔ لیکن شان وشوکت جاہ وجلال۔ جوش و اثر سلاملق سے بھی کچھ بڑھ کر تھا۔ قریباً آٹھ بجے فوجوں کی

آمد شروع ہوئی۔ اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تک تانتا بندھا رہا۔ اس کے بعد بہت سی خالی گاڑیاں آئیں۔ لوگوں کو تعجب تھا کہ اس سے کیا مقصد ہے۔ یکایک دو رسی پیادہ صفیں نمودار ہوئیں معلوم ہُوا کہ تمام وزرا۔ پاشا۔ افسران فوج اور بڑے بڑے عہدہ داران ملکی سلطان کے جلو میں پیادہ پا آرہے ہیں۔ یہ صفیں سڑک کے دونو جانب متصل آدھ میل تک تھیں۔ اور ان کی وضع اور لباس سے عجیب شان و شوکت کا اظہار ہوتا تھا۔ شانوں پر زرین جھبل۔ دامن اور آستینوں پر کلابتون کی تحریر سینے مرصع اور طلائی تمغوں سے ڈھکے ہوئے۔ ان سب پر آفتاب کا عکس۔ تمام میدان جگمگا اُٹھا۔ یہ صف جاچکی تو سلطان کا جمال جہان آرا نظر آیا جناب ممدوح گھوڑے پر سوار تھے۔ لباس بالکل سادہ تھا۔ چند بڑے بڑے نامور فوجی افسر رکاب میں تھے۔ گھوڑا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا تھا۔ اور ہر قدم پر اس زور سے "بادشاہم چوق یشا" کا نعرہ بلند ہوتا تھا۔ کہ تمام میدان گونج اُٹھتا تھا ✤

ترکوں کی مہمان پرستی اور عام خوش اخلاقی کی جس قدر تعریف کی جائے بجا ہے اور اس میں مطلق کلام نہیں کہ ترکوں کے اخلاق نہایت وسیع اور فیاضانہ ہیں۔ غرور و نخوت ان میں نام کو نہیں۔ امیر و غریب مزدور و عہدہ دار وضیع و شریف۔ جاہل و عالم ہر ایک میں خوش اخلاقی اور فیاضی۔ بخشش کوٹ کوٹ کر بھری ہے ✤

ترکوں کی معاشرت کا طریقہ نہایت پسندیدہ اور قابل تقلید ہے امرا و معزز عہدہ دار۔ ایک طرف معمولی حیثیت کا آدمی بھی حسن صفائی اور خوش سلیقگی سے بسر کرتا ہے۔ ہمارے ملک میں بڑے بڑے امیروں کو وہ بات نصیب نہیں دس ہزار سے لے کر بیس ہزار تک کے تنخواہ دار کو دیکھو۔ دونو حالتوں میں جو تفاوت ہونا چاہیئے وہ نہ ہوگا۔ مگر خوش سلیقگی اور ترتیب و صفائی میں برابر اور یکساں ہیں ✤

ڈرائنگ روم کا قدیم طریقہ یہ تھا۔ اور متوسط حیثیت والوں میں اب بھی جاری ہے کہ دیوار سے متصل دو ڈھائی فٹ اونچے اور دیوار کے طول کے برابر لمبے چبوترے بنے

ہوئے ہیں۔ اور اُن پر گدا اچھا ہوتا ہے۔ آج کل اگرچہ میز و کرسی کا زیادہ رواج ہے۔ تاہم چونکہ معزز ترکوں کے ہاں اکثر ملا اور درویشوں کی آمد و رفت رہتی ہے ایک آدھ کمرہ اس طریق پر بھی ضرور مرتب رہتا ہے ؞

مگر اس یورپین طریق میں بھی ترکوں نے اپنی طرف سے کچھ اصلاحیں کی ہیں اور وہ نہایت معقول اور قابل تعریف ہیں۔ ڈرائنگ روم میں (جو اکثر عمدہ ترکش قالین سے آراستہ ہوتا ہے) اس سرے سے اُس سرے تک سڑک کے طور پر کارپٹ وغیرہ کی ہاتھ ہاتھ بھر چوڑی پٹیاں بچھی ہوتی ہیں۔ کمرے میں جو لوگ آتے جاتے ہیں۔ اس پر سے گذرتے ہیں۔ اِدھر اُدھر پاؤں نہیں رکھ سکتے۔ ترکوں کا بوٹ اگرچہ خاک آلودہ نہیں ہوتا۔ لیکن اس طریقہ سے فرش اور بھی پاک وصاف رہتا ہے ؞

کھانا یورپین طریق میز و کرسی پر کھاتے ہیں۔ عام دستور یہ ہے کہ جب تمام لوگ میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔ تو نوکر آکر ہر شخص کے آگے سادہ رکابیاں چن دیتا ہے۔ اس کے بعد مختلف سالنوں کی رکابیاں آتی ہیں اور میز کے بیچ میں رکھی جاتی ہیں ؞

برخلاف ہندوستان کے عام دستور ہے کہ مکانات کے دروازے ہمیشہ بند رہتے ہیں۔ اور ایک کھٹکا ہوتا ہے۔ جو دروازہ بند کرنے کے وقت خود بخود لگ جاتا ہے۔ باہر کی طرف ایک کڑا ہوتا ہے۔ کوئی شخص کسی کے ملنے کو جاتا ہے تو کڑے سے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے۔ آواز سن کر نوکر یا صاحب خانہ دروازہ کھول دیتا ہے ؞

امرا کے ہاں دروازہ کے بیرونی رُخ ایک خوبصورت پیتل کا پھول لگا ہوتا ہے اس کے دبانے سے اندر گھنٹی بجتی ہے۔ اور نوکر کو خبر ہو جاتی ہے یہ طریقہ نہایت عام ہے۔ یہاں تک کہ غریب سے غریب آدمی کے دروازے بھی کھلے نہیں رہتے ؞

ترکوں کا لباس جیسا کہ بیان ہو چکا ہے بالکل یورپین ہے۔ البتہ بوٹ میں ایک اختراع کی گئی ہے۔ اور وہ واقعی قابل تعریف ہے۔ یہ بوٹ چرمی جراب اور

ہوئے ہیں۔ اور اُن پر گدا اچھا ہوتا ہے۔ آج کل اگرچہ میز و کرسی کا زیادہ رواج ہے۔ تاہم چونکہ معزز ترکوں کے ہاں اکثر علما اور درویشوں کی آمد و رفت رہتی ہے ایک آدھ کمرہ اس طریق پر بھی ضرور مرتب رہتا ہے ٭

مگر اس یورپین طریق میں بھی ترکوں نے اپنی طرف سے کچھ اصلاحیں کی ہیں اور وہ نہایت معقول اور قابل تعریف ہیں۔ ڈرائنگ روم میں (جو اکثر عمدہ ترکش قالین سے آراستہ ہوتا ہے) اس سرے سے اُس سرے تک سڑک کے طور پر کارپٹ وغیرہ کی ہاتھ ہاتھ بھر چوڑی پٹیاں بچھی ہوتی ہیں۔ کمرے میں جو لوگ آتے جاتے ہیں۔ اِس پر سے گذرتے ہیں۔ اِدھر اُدھر پاؤں نہیں رکھ سکتے۔ ترکوں کا بوٹ اگرچہ خاک آلودہ نہیں ہوتا۔ لیکن اس طریقہ سے فرش اور بھی پاک وصاف رہتا ہے ٭

کھانا یورپین طریق میز و کرسی پر کھاتے ہیں۔ عام دستور یہ ہے کہ جب تمام لوگ میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔ تو نوکر آ کر ہر شخص کے آگے سادہ رکابیاں چن دیتا ہے۔ اس کے بعد مختلف سالنوں کی رکابیاں آتی ہیں اور میز کے بیچ میں رکھی جاتی ہیں ٭

برخلاف ہندوستان کے عام دستور ہے کہ مکانات کے دروازے ہمیشہ بند رہتے ہیں۔ اور ایک کھٹکا ہوتا ہے۔ جو دروازہ بند کرنے کے وقت خود بخود لگ جاتا ہے۔ باہر کی طرف ایک کڑا ہوتا ہے۔ کوئی شخص کسی کے ملنے کو جاتا ہے تو کڑے سے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے۔ آواز سن کر نوکر یا صاحبِ خانہ دروازہ کھول دیتا ہے ٭

امرا کے ہاں دروازہ کے بیرونی رُخ ایک خوبصورت پیتل کا پھول لگا ہوتا ہے اس کے دبانے سے اندر گھنٹی بجتی ہے۔ اور نوکر کو خبر ہو جاتی ہے یہ طریقہ نہایت عام ہے۔ یہاں تک کہ غریب سے غریب آدمی کے دروازے بھی کھلے نہیں رہتے ٭

ترکوں کا لباس جیسا کہ بیان ہو چکا ہے بالکل یورپین ہے۔ البتہ بوٹ میں ایک اختراع کی گئی ہے۔ اور واقعی قابل تعریف ہے۔ یہ بوٹ چرمی جراب اور

وہ صرف عورتوں کی تعلیم و تربیت ہے۔ دنیا کی دو بڑی قومیں ایشیائی اور اور یوروپین افراط و تفریط کے انتہائی کناروں پر واقع ہیں۔ اس وجہ سے دونو کی حالت اعتراض سے خالی نہیں۔ مگر ترکوں نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ نہایت معتدل۔ اور دونو کے بین بین ہے۔ ہر ایک کو خوبی کا جامع مگر عیب سے خالی ان کی عورتیں تعلیم یافتہ ہیں۔ مگر بے شرمی۔ شوخی۔ بے جا آزادی۔ رقاصی کی ان کو تعلیم نہیں ملتی ہے۔ اور نہ ایشیائی طریق پر جاہل دنیا سے بے خبر۔ مکان کے قفس میں بند۔ حیوان انسان نما +

لڑکیوں کی تعلیم کے لئے خانگی اور سرکاری مدارس بکثرت ہیں۔ اور ان میں پردہ و حفاظت کا ایسا عمدہ انتظام ہے کہ شریفوں کو اپنی لڑکیوں کے بھیجنے میں کچھ تامل نہیں ہوتا +

ان مدارس میں علمی مضامین کے ساتھ فرانسیسی زبان بھی داخل درس ہے اور اکثر مدارس میں موسیقی کی تعلیم بھی دیجاتی ہے +

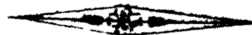
معلمات کی تعلیم کے لئے ایک خاص مدرسہ ہے۔ ان مدارس میں ایک مدرسہ نہایت اعلےٰ درجہ کا ہے۔ جو کالج کہا جاسکتا ہے۔ اور اس مدرسہ کے ساتھ ایک بورڈنگ بھی ہے۔ اس کے علاوہ صنعت کا ایک بڑا مدرسہ ہے۔ غرض ان مدارس کی وجہ سے تعلیم اس قدر عام ہوگئی ہے کہ زمانہ حال میں بمشکل ایسی عورت مل سکتی ہے۔ جس نے مناسب درجہ تک تعلیم نہ پائی ہو۔ بہت سی عورتیں مضمون نگار ہیں اور مشہور اخبارات میں ان کے آرٹیکل نکلتے رہتے ہیں۔ جودت پاشا کی لڑکی فاطمہ خانم مشہور مصنفہ ہے۔ حال میں اس کا ایک ناول نہایت عمدہ شائع ہوا ہے جس کا نام "زنان اسلام" ہے۔ عربی میں بھی اس کا ترجمہ ہوگیا ہے علاوہ ازیں اور بھی مشہور مصنفہ عورتیں ہیں +

عورتوں کو چلنے پھرنے میں عام آزادی حاصل ہے۔ ہر مرتبہ اور ہر درجہ کی عورتیں بازار میں نکلتی ہیں۔ سیرگاہوں کو جاتی ہیں۔ دعوت کے جلسوں اور علمی مجالس میں شریک ہوتے ہیں۔ لیکن باوجود اس آزادی کے حفظ و احتیاط کے دائرہ سے سرمو تجاوز نہیں ہوسکتا۔ ہر مجمع میں عورتوں کی سوسائٹی مردوں سے

الگ رہتی ہے۔ اور کوئی عورت کسی غیر مرد سے بجز خاص حالتوں کے بات تک نہیں کر سکتی ÷

لباس عورتوں کا بالکل یورپین ہے۔ لیکن جب باہر نکلتی ہیں تو نہایت ڈھیلا ڈھالا ریشمی گون پہن لیتی ہیں۔ جو گردن سے لے کر پاؤں تک ہوتا ہے اور اوپر سے نیچے تک بٹن لگے ہوتے ہیں۔ اس سے بجز چہرے کے اور تمام جسم اس طرح ڈھک جاتا ہے کہ بدن کی ہیئت تک نہیں معلوم ہوتی۔ سر پر عصابہ ہوتا ہے اور چہرہ ایک رومال سے چھپا لیتی ہیں۔ جو ناک کی جڑ سے ٹھوڑی تک ہوتا ہے دونوں آنکھیں اور ناک کی جڑ اور کسی قدر آنکھوں کے نیچے کی سطح کھلی رہتی ہے یہ رومال باریک ململ کے ہوتے ہیں۔ کوئی شخص پاس سے آنکھ جما کر دیکھے تو چہرہ کا رنگ معلوم ہو سکتا ہے۔ لیکن ایسی بیہودہ حرکت کی کون جرأت کر سکتا ہے ÷

ایک دفعہ میں[1] عائشہ آفندی کے کتب خانہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک ترک صاحب بھی تشریف رکھتے تھے۔ جن سے میری جان پہچان ہو گئی تھی۔ اتفاق سے وہیں ان کی دو نوجوان لڑکیاں جن میں سے ایک کی شادی ہو چکی تھی۔ ان سے ملنے کے لئے آئیں۔ انہوں نے مجھ کو دونوں سے انٹروڈیوس کرایا۔ جس احترام اور متانت و شرم سے وہ معصوم خاتونیں میرے سامنے کھڑی تھیں۔ مجھ کو یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ عورتیں نہیں بلکہ عفت و عصمت کی دیبیاں ہیں ÷



[1] مولانا مولوی شبلی صاحب نعمانی ÷

مُسلمانوں کی پولٹیکل حالت

روئے زمین پر جس قدر مسلمان ہیں اُن میں کچھ عرصہ گزرا ایک ہل چل پڑی ہوئی تھی اور وہ اب بھی ہے۔ یورپ والے اس طرح کی شورش کو پین اسلامزم کہتے ہیں اس کی ایسی مثال ہے جیسے یورپ میں پین سلاوزم۔ جس کا چرچا قوم[1] سلاؤ یا اُن کی پولٹیکل لیڈر ہر طرح پر کر رہے ہیں۔ جس طرح اس قوم میں عام اتفاق و اتحاد ہے اسی طرح مسلمانوں میں بھی جو ایشیا کے مختلف ملکوں اور افریقہ کے بعض حصوں میں آباد ہیں اتحاد مذہبی پایا جاتا ہے ✣

پس پین اسلامزم سے عام اسلامی برانگیختگی مراد ہے جو ہنوز بالعموم نہیں پھیلی ہے۔ معلوم نہیں کہ آیندہ کس درجہ تک پہنچیگی بہر صورت یہ تحریک انگریزوں کیلئے فکر طلب ہے۔ کیونکہ انگلستان کے تحت میں باوجودیکہ اہل انگلینڈ عیسائی ہیں مسلمان بمقابلہ کسی اسلامی سلطنت کے زیادہ ہیں۔ گو انگریزوں کو اس کا تعجب ہو۔ مگر امر واقعی یہی ہے۔ جس زمانہ میں انگلستان صنعت و تجارت و فوجی تربیت وغیرہ میں مصروف تھا۔ دوسرے انگریزوں نے ایک سلطنت ایشیائی مسلمانوں کی قائم کی۔ جس کے مقابلہ میں سلطان روم۔ شاہ ایران۔ شریف مکہ اپنے جھنڈوں کو سرنگوں کرتے ہیں ✣

ہندوستان اور لنکا میں ۵ کروڑ مسلمان برٹش کے ماتحت یا باج گزار ہیں علاوہ بریں انگلستان کی پولٹیکل حفاظت میں ایک کروڑ اور مسلمان افغانستان بلوچستان میں بستے ہیں۔ پس یہ مجموعہ ۶ کروڑ مسلمانوں کا ہے جو ہمارے تحت میں ہیں بمقابلہ اُن ایشیائی بادشاہوں کے جن کے تحت میں صرف تین کروڑ ۲۰ لاکھ مسلمان ہیں۔ اس میں چینی مسلمان شامل نہیں ہیں۔ جن کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہے مطر دوسرے

[1] روس۔ آسٹریا۔ اور یورپین ٹرکی میں جو قوم آباد ہے وہ سلاؤ کے نام سے مشہور ہے ✣

ممالک افریقہ میں مسلمانوں کی تعداد صرف لاکھوں میں محدود ہے لیکن صرف تعداد ہی سے زیادہ مطلب براری نہیں ہوتی۔ ہم کو دیکھنا چاہیئے کہ انگلستان کے تحت میں جو مسلمان ہیں اُن کی دولت و قوت بہ مقابلہ دوسرے مسلمانوں کے کیسی ہے۔ مگر انگلستان کی طاقت کو محکوم مسلمانوں کی قوت سے جدا کرنا ممکن نہیں دونو کی ایک ہی قوت ہے اور دوسری قوموں سے اپنی اثر بخش قوت کا موازنہ کرنا ایک طرح کا قومی مقرور کہلانا ہے۔ لہذا اس سے درگذر کر کے ہم مسلمانوں کے نموّل پر ریمارک کرتے ہیں:۔

ہندوستان کے مسلمانوں نے زراعت و تجارت اور جہازرانی میں دیگر ممالک کے مسلمانوں سے بہت کچھ ترقی کر لی ہے اور روز بروز کرتے جاتے ہیں علاوہ اس کے ہند کے مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہوتی جاتی ہے اور برخلاف اسکے ترکی اور ایران میں کم ہو رہی ہے۔ پس چونکہ انگلستان نہایت دولتمند اور کثیر التعداد مسلمانوں پر حکمراں ہے۔ لہذا پولیٹکل مشوروں میں اس کو سب سے مقدم جگہ ملنی چاہیئے۔ ہند کے مسلمان علے العموم صلح پسند محنتی اور خیرخواہ ہیں جسکی انگریزوں کو قدر کرنی چاہیئے۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ اِن صلح پسند مسلمانوں میں اوباش کے آدمی بھی ہیں اور بے باک ہیں۔ کہ جہاں ہماری کوئی کارروائی قابل پذیرائی نہیں اس واسطے گاہ گاہ اُن کے ہاتھ سے ہند میں پریشانیاں اُٹھانی پڑتی ہیں ؛

۱۸۷۱ء میں نارمن چیف جسٹس کا کلکتہ میں اور لارڈ میو کا پورٹ بلیر میں قتل ہونا عوام کے دلوں پر سے محو نہیں ہوا ہے۔ اگر برٹش گورنمنٹ غافل رہتی تو ایسے معاملوں کی اس سے بھی زیادہ ترقی ہو جاتی مگر آیندہ میں اگر گورنمنٹ اس طرف متوجہ رہی تو ایسی دقتیں واقع نہ ہونگی۔ ہمارا یہ ایک سوال ہے۔ کہ مسلمانوں کو جوش کیوں اور کس لئے ہے ہند کے مسلمان یہ خیال کرتے ہیں کہ دوسرے ملکوں میں ہماری قوم کا روز بروز انحطاط ہے اُن کا میلان خاطر نامرغوب امور سے انحراف کرتا ہے لیکن وہ مجبور ہیں۔ کیونکہ عیسائیوں کی ترقی دولت علم اور تہذیب پیش نظر ہے۔ پس وہ عیسائی سلطنت کے لئے خطرناک ہیں

اور بزرگان دین اسلام کا خیال اُن مذہبی یادگار واقعات کی طرح اکثر رجوع ہوتا ہے۔جن میں بارہا اسلامی جھنڈے صلیبی نشان پر غالب رہ گئے ؟

یہاں جب دو بار چائس بارٹل فرانسیسی اور جان سوبسکی پولنڈی کے تحت میں صلیب کو غلبہ ہوا۔اور اسلامی ترقی مسدود ہوئی۔تو اُنہوں نے بطور خود اس بات کا اطمینان کیا کہ گوشۂ جنوب مشرق۔یورپ۔شمال۔افریقہ اور معقول حصۂ ایشیا مسلمانوں کے قبضہ میں باقی ہے۔وہ تو اب سمجھتے ہیں کہ پچھلی صدی سے مسلمانوں کے ملک و مذہب پر عیسائیوں کے حملہ چاروں طرف سے ہو رہے ہیں۔چنانچہ ان میں سے یقین کرتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اللہ اور اللہ کا رسول ایک مرتبہ بے ایمانوں کو تلوار سے منتشر کرینگے۔بعض جو قدرتی مزاحمت کے قائل نہیں کہتے ہیں کہ آخرکار تقدیر سب باتوں کو درست کردیگی۔اب ان کو عیسائیوں کے زور و طاقت سے خود مذہب کا اندیشہ پیدا ہوگیا ہے اور یہ خوف روبترقی ہے۔جس کا اثر اُن کی پولیٹکل قوت اور مذہب دونو پر پڑتا ہے یہ ممکن ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح اپنے دنیوی زوال کو صبر کی نگاہ سے دیکھیں مگر اُن کی دنیوی قوت مذہب سے جُدا نہیں ہوسکتی۔اعلےٰ سے ادنےٰ اپنے مذہب کی نہایت عزت و توقیر کرتے ہیں۔جس میں مثل دوسرے مذہبوں کے ضعف اعتقادی کا عملی اثر پیدا ہوگیا ہے تاہم اُس کی عزت مسلم ہے ؟

مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی پہلی شان و شوکت قائم ہے اُس کے فتوحات طرز تمدن ترقی علوم و فنون اعلےٰ درجہ کے لوگوں کو بخوبی معلوم ہے اور عوام الناس بھی اسکو سمجھتے ہیں ؟

حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) بانی مذہب نے مصلحتاً اسلام کو اُس جوش بھری قوم کی فکر و خیال پر ظاہر کیا جو گرم ملک کی پلی ہوئی تھی۔یہ انسانی ترقی کے خلاف اور توسیع تہذیب کے لئے لڑ جانے کو تیار ہو جاتے ہیں اور جوش کی حالت میں موت سے نہیں ڈرتے۔پیشتر یہ لوگ تلوار سے مذہب کو ترقی دیتے تھے۔فی الواقع کوئی اس طریقہ سے ایسا ترقی یاب نہیں ہوا۔ تعجب تو یہ ہے کہ افریقہ اور مشرقی ایشیا میں یہ طریقہ کسقدر تیزی کیساتھ ابھی تک جاری ہے

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ آیا اِس برانگیختگی سے مسلمانوں نے کوئی پالیسی سوچ رکھی ہے آیا یہ شورش صرف ہوائے نرم ہے جو پولیٹیکل دریاؤں پر چل کر رہجائیگی یا بادتند کی طرح ایک بڑا طوفان لائیگی ٭

مسلمانوں کی صرف ایک بڑی پالیسی یہی ہے کہ عیسائیوں کی مداخلت کو روکنا اور اپنی ملکیت پر قابض رہنا۔ اور اسلامیہ فتوحات کی باقیماندہ اراضی پر اپنا تصرف قائم رکھنا ٭

قیاساً یہ کارروائی درست ہے لیکن عملاً کوئی ایسی بڑی قوت کو جو مسلمانوں کو کسی زمانہ حاصل تھی بیرونی خطرات سے کسی طرح کا اندیشہ نہیں ٭

مسلمانوں کو معلوم ہے کہ اُن کی ملکی جماعت روز بروز انحطاط پذیر ہے اُن کی اراضیات سرسبز نہیں زراعت گری پڑ ہے۔ مویشی وغیرہ روبہ تنزل ہے قحط سے پامالی ہوجاتی ہے اور پھر آبادی و ترقی نہیں کرتے۔ بعض مہلک معاملات ہمدوش ہیں۔ ان سے پوری واقفیت نہیں۔ ہمسایہ قوم کی روزافزوں ترقی دولت و قوت سے ان کے دلوں پر اور غم کی تاریکی چھائی جاتی ہے۔ پس یہ وجوہ اُن کی مردہ دلی کے ہیں۔ لیکن بہادری کا اُن میں جوہر ضرور رہے۔ اور حب دنیا کی طرف سے بے پروائی ہوتی ہے تب مذہبی جوش میں بھر جاتے ہیں اور اس جوش کے ساتھ دنیوی عام خیال کا اتصال ہوتا۔ تو وہ جلد اپنی سوسائٹی کی ترقی کرکے لوگوں کو روشنی اور آزادی کا فائدہ پہنچاتے۔ ہر شخص کو اُس کی دماغی یا جسمانی محنت کا صلہ دیتے اور ایسے علوم مفیدہ کی اشاعت کرتے جس سے انسان ہوشیار چست و چالاک ہوتا۔ اگر مسلمان السامی قوت کے ایسے مُفید سبق سے مستفیض نہیں ہوتے تو مناسب ہے کہ کسی عیسائی ہمسایہ قوم سے سیکھیں ٭ بیشک حتے الوسع ایسی کارروائی کرتے۔ لیکن شروع کرنا نہیں جانتے لہذا پولٹیکل تباہی کی جانب ان کا میلان ہے۔ وہ مضطرب الحال ہیں اور ہنگامہ برپا کرنے کا خیال چکر کھا رہا ہے۔ بجائے اس کے کہ اپنی بدقسمتی کا افسوس کریں اور اس کا کوئی کارآمد علاج کریں وہ پہلے مذہب کی درستی چاہتے ہیں اور اسی کی تجدید کی فکر میں رہتے ہیں چنانچہ مذہب کا شیوع اس خیال کی تصدیق کرتا ہے ممکن ہے کہ ایسی حسرتیں دوسرے مقامات میں اُن کی آمادگی سے پیدا ہوں۔ پس خارج از ماتحت انگریزی مسلمانوں کے

ممکن ہے کہ اسلامیہ ممالک میں جوش پیدا ہو اور اس مجموعی تحریک سے ظاہراً انگریزی سلطنت متأثر ہو اور گو وہ کتنی ہی سخت ہو۔ لیکن انگریزی طاقت اُس کے فرو کرنے کے لئے بشرطیکہ کوئی دست انداز نہ ہو کافی ہے۔ لیکن اُس وقت تنہا انگریزی قوت کا شورش کو دبانے کے لئے مجاز ہونا مشکل ہے بلکہ دوسری عیسائی سلطنتیں حاسدانہ دیکھینگی وہ دخل در معقولات کر کے معاملات کو پیچیدہ کر دینگی۔ پس ایسی پیچیدگی میں کسی اور عیسائی قوت کا ناعاقبت اندیشی سے اسلامی سرزمین کی بابت کارروائی کرنا۔ عیسائی دنیا میں مہلک جھگڑے پیدا کر دیگا۔ جو عیسائی مذہب پر نا گہانی صدمہ غیر مذہب والوں کے روبرو ہوگا ؀

یہ مجموعی نقشہ اسلامی پولیٹکل تحریک کا ہے جو ایشیا اور افریقہ میں ساکن گزین ہیں اب میں بالتفصیل ہر بڑے ملک کے مسلمانوں کا ذکر کرتا ہوں۔ پہلے ہندوستان لو جس میں تعداداً مسلمان زیادہ ہیں انگریزی عملداری میں مسلمان ہندؤں سے دماغی قوت میں کمتر ہیں۔ پہلی نسل میں بعد تسلط انگلشیہ کے مسلمانوں کو پبلک سروس میں زیادہ حصہ ملا کیونکہ ہندؤں سے ہوشیار اور مضبوط تھے۔ دوسری نسل میں قومی تعلیم اور امتحان مقابلہ کا موقع آیا اُس وقت ہندو اپنے استقلال اور محنت کے سبب غالب آئے۔ مسلمان روز بروز حکومت میں کم حصہ پانے لگے یہ معاملہ دیکھ کر مسلمان اب بہ نسبت پیشتر کے زیادہ بیدار ہوئے تاہم انکو ابھی ہندؤں کے ہمسر ہونے کو بہت کچھ کرنا ہے۔ مسلمان بلحاظ تجارت کبھی ہندو مہاجن کا مقابلہ نہیں کر سکے۔ لیکن خردہ فروشی میں یہ ہمیشہ بڑھے رہے چنانچہ ایشیا بھر کے خردہ فروشوں میں یہی اول ہیں۔ مسلمان زراعت پیشہ بہت کم ہیں۔ لیکن پنجاب میں اچھی حالت ہے۔ اور بنگال کے شمال مشرق میں تو بہت ہی عمدہ حالت ہے شاید انگریز اس بات سے واقف نہیں ہیں کہ بہت سے اشیاء جو ہندوستان سے ولایت آتے ہیں مثل سن۔ زعفران اور چاول یہ سب مسلمانوں کی محنت کا نتیجہ ہے۔ یہ مسلمان مزارعین اندرونی کامیابیاں برابر حاصل کر رہے ہیں اور اُن کی تعداد بہ نسبت دوسری آبادیوں کے زیادہ بڑھ رہی ہے اُن کا مزاج گو علی العموم بہت نرم ہے لیکن کبھی کبھی برہمی آجاتی ہے۔ میں نے اُن کو اراضیات کے متعلق مباحثہ کرتے اور زمینداروں کو دھمکاتے اور لگان کی تخفیف چاہتے اور جوش میں آکر دفتر اراضیات کے گرد جمع ہوتے سُنا ہے مگر گورنمنٹ کی ہوشیاری اور مضبوطی سے

ایسے واقعات حد سے زیادہ متجاوز نہیں ہوتے۔ بنگالی مسلمان جن کی متعدد کشتیاں ہیں کشتی بانی خوب کرتے ہیں۔ جہازرانی اُنہیں کا غالب حصہ ہے دخانی جہاز کے لئے خلاصی وغیرہ اُنہیں میں سے ملتے ہیں اور اگر کبھی انگلینڈ کو بحر ہند میں یورپین افسروں کی ماتحتی میں دیسی خلاصیوں کی جنگی جہاز کے لئے ضرورت ہو تو بمبئی اور کلکتہ کے مسلمان پوری خدمت ادا کرینگے +

مسلمان باوجود۔ مشنریوں کی سخت کوششوں کے اپنے مذہب پر قائم ہیں بہت کم مسلمان عیسائی ہوئے ہیں۔ اور غالب حصہ دیسی عیسائیوں کا جس پر بڑا فخر ہے دوسری قوم کا ہے جس کا بظاہر یہ ہے کہ اسلام کی پاکبازی اور آسانیاں ہمارے ہی مقابل ہیں اگرچہ برٹش گورنمنٹ کو مذہب اسلام سے تعلق نہیں ہے۔ تاہم مسلمانوں کے مذہبی اختیارات بتمامہ بخوبی جاری ہیں اور اگرچہ برٹش سلطنت نے اوقاف ماسبق میں دست اندازی نہیں کی تاہم مذہبی گروہ وغیرہ متعصب ہیں +

تاہم امید ہے کہ ہماری مشفقانہ پالیسی سے وہ ہمارے دوست بنجائینگے۔ حالانکہ بہت سے ایسے ہیں جن کا دبراہ ہونا ممکن نہیں۔ پولٹیکل طریقہ سے مسلمان مزارعین کی کیفیت اچھی ہے۔ اعلےٰ طبقہ خیرخواہ وجان نثار رہے۔ دوسرے بالعکس ہیں۔ اِس دوسرے طبقہ میں بعض سخت خطرناک ہیں وہ ہر موقع پر بہت ضرر رساں کارروائی کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کے لئے عرب کی مذہبی تجدید۔ روم وروس کی لڑائی۔ یورپ کے افواہی جنگ۔ افریقہ کے مصائب کافی تحریک ہے مشکل ہے ہندوستان میں کوئی ایساسال گذرتا ہے جبکہ کوئی واقع اس قسم کا نہ ہو۔ مگر چونکہ برٹش گورنمنٹ کو اس کا تجربہ ہوگیا ہے وہ معمولی بات سمجھ کر کوئی جدید کارروائی نہیں کرتی۔ بلکہ ہنگامہ فرو کردیا جاتا ہے۔ اس طرح سے بلازائد تشویش کے گورنمنٹ قوت تیزی میں اپنا کام برابر جاری رکھتی ہے +

ایسے واقع صرف مسلمانوں کی ذات سے سرزد نہیں ہوتے دوسری قومیں بھی اِس میں شریک ہوتی ہیں +

مسلمانان ہند سلطان روم کی بہت عزت اور اُن کی ہمدردی کرتے ہیں افغانستان کا کچھ ایسا لحاظ نہیں کرتے۔ بلکہ گمان ہے کہ گذشتہ جنگ روم میں امیر کابل کا رجحان

ایسے واقعات حد سے زیادہ متجاوز نہیں ہوتے۔ بنگالی مسلمان جن کی متعدد کشتیاں ہیں کشتی بانی خوب کرتے ہیں۔ جہازرانی انہیں کا غالب حصہ ہے دخانی جہاز کے لئے خلاصی وغیرہ انہیں میں سے ملتے ہیں اور اگر کبھی انگلینڈ کو بحر ہند میں یورپین افسروں کی ماتحتی میں دیسی خلاصیوں کی جنگی جہاز کے لئے ضرورت ہو تو بمبئی اور کلکتہ کے مسلمان پوری خدمت ادا کرینگے ❖

مسلمان باوجود مشنریوں کی سخت کوششوں کے اپنے مذہب پر قائم ہیں بہت کم مسلمان عیسائی ہوئے ہیں۔ اور غالب حصہ دیسی عیسائیوں کا جس پر بڑا فخر ہے دوسری قوم کا ہے جس کا بظاہر یہ ہے کہ اسلام کی پاکبازی اور آسانیاں ہمارے ہی مقابل ہیں اگرچہ برٹش گورنمنٹ کو مذہب اسلام سے تعلق نہیں ہے۔ تاہم مسلمانوں کے مذہبی اقتدارات بتمامہ بخوبی جاری ہیں اور اگرچہ برٹش سلطنت نے اوقاف ماسبق میں دست اندازی نہیں کی تاہم مذہبی گروہ وغیرہ متعصب ہیں ❖

تاہم امید ہے کہ ہماری مشفقانہ پالیسی سے وہ ہمارے دوست بنجائینگے۔ حالانکہ بہت سے ایسے ہیں جن کا دربراہ ہونا ممکن نہیں۔ پولیٹیکل طریقہ سے مسلمان مزارعین کی کیفیت اچھی ہے۔ اعلےٰ طبقہ خیرخواہ وجان نثار رہے۔ دوسرے بالعکس ہیں۔ اس دوسرے طبقہ میں بعض سخت خطرناک ہیں وہ ہر موقع پر بہت ضرر رساں کارروائی کرنا چاہتے ہیں۔ اُن کے لئے عرب کی مذہبی تجدید۔ روم وروس کی لڑائی۔ یورپ کے افواہی جنگ۔ افریقہ کے مصائب کاتی تحریک ہے۔ مشکل ہے ہندوستان میں کوئی ایسا سال گذرتا ہے جبکہ کوئی واقع اس قسم کا نہ ہو۔ مگر چونکہ برٹش گورنمنٹ کو اس کا تجربہ ہوگیا ہے وہ معمولی بات سمجھ کر کوئی جدید کارروائی نہیں کرتی۔ بلکہ ہنگامہ فرو کردیا جاتا ہے۔ اس طرح سے بلا زائد تشویش کے گورنمنٹ قوت تیزی میں اپنا کام برابر جاری رکھتی ہے ❖

ایسے واقع صرف مسلمانوں کی ذات سے سرزد نہیں ہوتے دوسری قومیں بھی اس میں شریک ہوتی ہیں ❖

مسلمانان ہند سلطان روم کی بہت عزت اور اُن کی ہمدردی کرتے ہیں افغانستان کا کچھ ایسا لحاظ نہیں کرتے۔ بلکہ گمان ہے کہ گذشتہ جنگ روم میں امیر کابل کا رجحان

اور تعلیم پر زیادہ لحاظ رکھا۔ روسی فوج متعینہ ممالک مذکورہ کا خرچ محصول مالگذاری سے بہت زائد ہے۔ اور اسی سے وہ تمام اندرونی خلفشار رد کی ہوئی ہے۔ اُس کی اِس مستقل حکومت سے پولیٹشن لوگوں کو انگریزی گورنمنٹ کے ساتھ اختلاف پیدا ہونے کا صحیح اندیشہ ہے۔ بہر صورت جہالت کا تہذیب کی جگہ پر قائم مقام ہونا غنیمت ہے۔ یہی خیال بلکہ اس سے زیادہ نئے مفتوحہ ملک ترکمان کی نسبت ہے جو ترکمان اُس کو ملاف ہے۔ ترکمانی طریقہ بسر اوقات کا جو ایران کی سرحد گوشۂ شمال مشرق میں آباد ہیں۔ صرف مسلمان قوم کے لئے بدنام کنندہ نہیں ہے۔ بلکہ اُنیسویں صدی کی انسانیت اور تہذیب میں بٹہ لگتا ہے۔ بردہ فروشی جو ترکمان میں جاری ہے۔ اُس کا بیان کرنا دلبرفورس اور بڑوگھم جیسے زبردست منشی کا کام ہے۔ اس میں شک نہیں کہ روسی عملداری سے یہ عیب دور ہو جائیگا۔ کاش اس نیک کام میں انگریزی سلطنت شریک ہو۔ کیونکہ انگلینڈ اور روس کو اس میں برابر کا تعلق ہے۔ گو یہ ملک گیری کی تحریص سے ہوا ہو۔ مگر اس ترکمانی بیجا کارروائی کے اختتام کے لئے تمام انسان پر روس کا احسان ہوگا ۔

بہت سے مسلمان باشندے یارقند اور دوسرے مقامات وسط ایشیا کے چین کی ماتحتی میں ہیں۔ جب ایک مرتبہ وہ اِس سلطنت سے منحرف ہو گئے تھے تو گورنمنٹ انگلشیہ نے اُن کی آزادی قائم رکھنے کے لئے تجارتی عہدنامہ کیا لیکن بعد چند روز کے چینیوں نے پھر اُن کو بزور ماتحت کر لیا۔ خاص چین میں متعدد بہ تعداد مسلمانوں کی ہے۔ لیکن اُن کے رویہ سے پوری واقفیت نہیں۔ جہاں تک معلوم ہے وہ یہ ہے۔ کہ وہ ملکی مذاق نہیں رکھتے۔ اس لئے عام اسلامی پولیٹکل تحریک سے علیحدہ ہیں۔ اب ہم کو ایران کی طرف رجوع ہونا چاہئیے۔ شاہ ایران مضطربانہ کبھی شمال کی جانب روس کو دیکھتے ہیں۔ کبھی جنوب میں انگریزوں پر نظر ڈالتے ہیں۔ روس کی ترکمانی فتح سے ایران کا خیال روس کی جانب اور زیادہ شبہ کے ساتھ رجوع ہوا ہے۔ ایرانی شیعہ ہیں۔ اور اپنے اصول کے سختی سے پابند ہیں ان کو عام طور پر اسلامی دنیا بدعتی مثل کافر کے سمجھتی ہے۔ اِس سے ٹرکی کے ساتھ سلسلۂ اتحاد میں بڑا اثر پڑتا ہے۔ پس عام اسلامی تحریک میں ایران کا شریک ہونا تعجب انگیز

[illegible]
[illegible] ایرانی بادشاہی تنزل پر ہے۔ اس سے
[illegible] گورنمنٹ بہت کمزور اور خزانہ
خالی [illegible] ناکافی ہے۔ ایسی حالت در موجودہ زمانہ میں کوئی
سلطنت [illegible] ترقی کر سکتی ہے اور
نہ خود ایرانی [illegible] زیادہ عرصہ تک قبضہ میں رکھ سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ ایران میں
شمال کی جانب سے روس اور جنوب کی جانب سے انگریز سڑکیں ریل اور مختلف
اضلاع میں آب پاشی کے وسائل کی ترمیم کریں اور جو جنگل اور پہاڑ مدت سے بیکار
پڑے ہیں پھر سرسبز ہو جائیں۔ باوجود اس کے شاہ اور اُن کی حکومت کا محفوظ
رہنا قرین قیاس ہے۔ اس وقت ایران ویران غیر ترقی یافتہ اور خشک پڑا ہے۔
ایسے ترقی یافتہ زمانہ میں کوئی ملک یا قوم کے لئے خشکی [illegible] ہے۔ یا وہ کوئی ضرر رساں
نہیں ہے۔ جو نقصانات کہ ایران میں ہیں وہ سب پر عاید نہیں ہو سکتے۔ عرب قدرتی
طور سے خشک ملک ہے لہذا اُس میں بلحاظ موجودہ زمانہ کی ترقیوں کے عرصہ دراز
تک کسی بہبودی کی امید کرنا فضول ہے۔ اس وقت کسی دوسرے ملک پر قبضہ کرنے کا
خیال عربوں کے دماغ سے خارج ہے۔ عرب کے وہابی ریفارمر نے گمان کیا کہ مذہب
کی تجدید کرنی چاہئے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ایسی تجدید سے قدیم حکومت پھر بحال ہو جائیگی
بہرصورت وہابی حکومت عرب کے درمیانی اور بالائی حصہ میں ترقی کر رہی ہے۔
ہندوستان اور ایران سے حاجیوں کا ہجوم مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں ہو جاتا ہے۔
یہ لوگ انگریزی جہازوں پر جاتے ہیں۔ جو بحر ہند خلیج فارس اور بحر قلزم میں جاتے آتے
رہتے ہیں۔ اس طرح سے انگریزی نام ہر دل عزیز ہو رہا ہے۔ عدن کے متصل کے
عرب برٹش حفاظت میں ہیں اور بہت سے عرب ریاستہائے ہند میں فوجی ملازم
ہیں۔ ترکوں کی نسبت انگریزی خیال مشکوک ہے۔ جہاں تک ان کے متعلق معلوم ہے
وہ بالتحقیق بہت اچھے ہیں۔ اور ترکوں کے اوصاف اُن میں پائے جاتے ہیں۔
بہادری۔ صبر۔ استقلال۔ راستی اور ایمانداری اُن کا جزو ہے۔ جسمانی قوت میں
چند اقوام سے قابل ترجیح ہیں لیکن مردہ دلی اور کھولت ضرور ہے۔ صرف اعلے

درجہ کی افسری بہت اچھی کرتے ہیں۔ مگر یہ افسری اپنی قوم کی طرف سے نہیں ملتی سرکاری افسر مقرر ہوتے ہیں۔ جس کے لئے بارہا بدنام ہوئے ۔

اعلےٰ طبقہ بھی پاشا حب الوطنی کے لحاظ سے قابل اعتماد ہوتے ہیں۔ اور [illegible] رہتے ہیں۔ لیکن تنگی خیال کا دھیان پر رہتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ترکی بڑا دل ہے لیکن سمجھتے نہیں کہ اس زمانہ کی دوڑ میں وہ پیچھے رہ گئی ہے۔ بلکہ اس سے [illegible] کہ اس نے بہت کچھ یوروپین طریقہ اختیار کرلیا ہے [illegible] کہتے ہیں کہ تحفظ اسی وقت ہوسکتا ہے۔ جبکہ گذشتہ طریقہ پر عملدرآمد ہو۔ [illegible] گو مثل [illegible] کے بہت سخت مزاج نہیں ہیں تاہم بہت متعصب ہیں وہ خوف ہیں کہ مبادا نئی روشنی سے اُن کے قدیم طریقہ کو گزند پہنچے۔ انہوں نے مزاحمت کرکے عام قومی تعلیم کو علوم جدیدہ سے محروم کر رکھا ہے [illegible] مسلمانوں کی نسبت یوروپین سے زیادہ تقرب حاصل ہونے کی وجہ سے خیال ہے کہ [illegible] اسلام اور یوروپین آزادی کبھی آپس میں بننے والی نہیں۔ اس جماعت میں اعلےٰ درجہ کے لوگ بھی شامل ہیں۔ سلطان امیرالمومنین ترکی ہیں۔ چند سمجھ بہت سے ترکوں کی آرزو ہے کہ سلطان روم تمام اسلامی دنیا کے مذہبی افسر مانے جائیں۔ اور اس طرح روئے زمین پر پیغمبر کے خلیفہ متصور ہوں ایسے لوگ نہیں چاہتے کہ سلطان مطلق العنان رہیں۔ بلکہ اُن کے مصاحبین اور صلاح کار شرفا اور مسلمان ہوں۔ کیونکہ ایسی سلطنت پوری حکومت کرنے کے قابل ہوسکتی ہے۔ ہر قسم کے ریفارمیشن کی مزاحمت ہوا کرتی ہے مبادا ایسی کارروائیوں سے یوروپین طرز پر پنچایتی حکومت قائم نہ ہوجائے۔ بعض اپنی خاص غرض سے قدیم رویہ کی تائید کرتے ہیں۔ اس طرح ترکوں میں ریفارمیشن کی امید فضول ہے۔ ایسی حالت میں قیام سلطنت کو خطرہ ہے ۔

اب اسلامی ملکوں میں صرف مصر کا بیان باقی ہے اس میں جو کچھ قصور اعلےٰ طبقہ کے لوگوں کا ہو جو عوام الناس کی ناشائستہ حرکات کا باعث ہوگا۔ مگر فی الحقیقت اسکو ہم بیان نہیں کرسکتے ۔

مصری۔ زراعت پیشہ حلیم المزاج محنتی اور پابند قانون ہیں۔ انگریزی

اور فرانسیسی تحت میں اُن کو سچی ترقی ہونے والی تھی جواب خالص انگریزی حفاظت سے بند نہیں ہوئی۔ بلکہ ترقی جاری ہے۔ مسلمانان بنگال کے بعد مصری ترقی کرنے والے ہیں۔ مصر کا نہایت اعلے منتخب اسلامی ملکوں میں شمار ہونا ممکن ہے۔ لیکن اس ترقی کا نیشنل گروہ سدراہ ہوا۔ جو یوروپین اثر کی اشاعت پاجانے سے اندیشہ کرتا ہے۔ میں نے اسلامی پولیٹکل حالت پر غور کیا ہے۔ پہلے مجملاً اور بعد مفصلاً۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ سرکار انگلشیہ کو بلحاظ سلطنت کے عیسائی ہونے کے اور کیا بلحاظ مہذب حکومت کے کس طرح پولیٹکل مسلمانوں کے ساتھ پیش آنا چاہیئے۔ پس پہلے انگریزی سلطنت کی مذہبی چال دیکھنی چاہیئے۔ ہمیں مسلمانوں کو عیسائی کرنے کا خیال ترک کر دینا چاہیئے۔ ہندو۔ بدھ۔ اور دوسرے بُت پرست مذہب کی طرح اسلام میں بہت بُرائیاں نہیں ہیں عقلی بحث ان کو معترف کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اسلام کے بہت سے حصے پر حکمت ہیں اور بعض حصے تو نہایت ہی افضل ہیں۔ اُس کا اثر انسان کے اندرونی خیالات پر ہمیشہ عزت کے ساتھ پڑتا ہے۔ ایمانداروں کے دلوں پر ایسا مستحکم قبضہ ہے جو حل نہیں سکتا۔ اسلام بالکل عیسائی مذہب کے بالعکس نہیں۔ بلکہ اپنا تائیدی مذہب تصور کرتا ہے۔ سمجھدار مسلمان عیسائی کو بہ نسبت دوسرے پیروان مذہب کے اپنے سے زیادہ قریب سمجھتا ہے۔ بیشک اسلام اور عیسائی مذہب میں وحدانیت وغیرہ کا بڑا تفرقہ ہے۔ لیکن یہ تفرقہ ایسا نہیں ہے جس کو معمولی ایشیائی سمجھ سکیں۔ پادری کسی بت پرست مذہب کی لغویات کو ظاہر کر کے اُس کی جڑ و بنیاد کو تہ و بالا کر سکتا ہے۔ لیکن اسلام پر غالب نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ ابدی راستی کے سبب سے وہ بالآخر نا پائدار کامیابی حاصل کرے۔ عیسویت کی عملی بلند پائیگی ظاہر کرنے سے برٹش سلطنت مسلمانوں پر بہت بڑا اثر پہنچا سکتی ہے۔ جیسا کہ اُس نے اب تک کیا ہے مثل اور مشرقی لوگوں کے مسلمان ہماری ناکامیابیوں کا ذکر مبالغہ سے کرتے اور ہماری کوششوں کو ناقدری کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے قصور پر زیادہ لحاظ نہ کریں۔ بلکہ اصلاح کی قدر کریں لیکن بخلاف اس کے مسلمان ہماری نکتہ چینیاں کرتے اور ہماری نیکیوں کا مطلق لحاظ

نہیں کرتے مگر چونکہ ہم کو مذہبًا اور حکومتًا افسری حاصل ہے۔ ہم کو نیکی ہی کرنی چاہئیے ؎

ہم اگر بھی مثل اور ایشیائی لوگوں کے مسلمانوں کی نسبت ایسے ہی بدخیال رکھتے ہیں۔ جو فی الواقع نادرستی کے سوائے صریح بداخلاقی ہے اور جب کہ ہمارا فعل ناجائز ہے تو بداخلاقی کی وجہ سے بحث کو اور بھی کمزوری ہوتی جاتی ہے۔ ہمارا تعلق مسلمانوں کے ساتھ ایک خاص طور سے وابستہ ہے۔ اور آس کے فرائض بھی ویسے ہی ہیں۔ اور ادائے فرائض میں استقلال ضرور ہے لیکن اُن کی جانب سے جوابًا ناشکری ظاہر ہو تو پژمردہ نہ ہونا چاہئیے۔ اگر ہم برابر نیکی کرتے جائینگے۔ تو ہم کو مسلمانوں میں ضرور کامیابی ہوگی۔ ہم اُن کے ساتھ احسان کریں تو وہ ضرور شکرگذار ہونگے۔ اُن کے بہت سے واقعات مجھ کو معلوم ہیں۔ جن میں اُنھوں نے برٹش سلطنت کے فوائد کا شکریہ ادا کیا۔ بلکہ ناشکری کے موقعے بہت کم ہیں۔ ہماری پہلی کوشش مسلمانان برٹش کے لئے درکار ہے۔ یعنی اُن کے درمیان انتظام قائم رکھنا یا اُن کی جائداد کی حفاظت کرنا۔ یا اُن کی محنتوں کا صلہ دینا۔ اُن کو انصاف اور قوانین سے مشرف کرنا یا لگان کی تخفیف کرنا یا وسائل آمدنی کی ترقی دینا کافی ہوگا۔ جو ہم فی الحال بجالا رہے ہیں۔ اگرچہ ان باتوں کی بجاآوری پوری نہیں۔ مگر کسی دیسی قوت سے ایسا بھی کہیں نہیں ہوا۔ گو مسلمان اُس کو تسلیم نہ کریں یا اعتراض کریں۔ لیکن حسب حال واقعات ہمارے شاہد ہیں۔ مگر مسلمان رعایائے برٹش کے لئے یہ سہولتیں جو بطور خود درست ہیں کافی نہیں ضرور ہے کہ اُن کی دماغی اور اخلاقی ترقی بذریعہ تعلیم کے کی جائے۔ مسلمانوں کو مغربی تعلیم دینا بہ نسبت دوسرے ایشیائی لوگوں کے بہت مشکل ہے وہ اپنی ہی ہم قوم سے دنیوی علوم بھی پڑھنا چاہتے ہیں۔ گو انگریزی پڑھنے پر رضامند ہیں لیکن وہ چاہتے کہ اُس زبان میں بھی تعلیم ہو۔ جس میں اُن کی مذہبی اور قومی عزت مندرج ہو اُس کا دفعیہ جہاں تک ممکن ہو کرنا چاہئیے۔ اُن کے خاص طریقہ کی تعلیم کا وجود روز بروز معدوم ہوا جاتا ہے اور بہت کم قدیم مدارس جاری ہیں۔ مگر اُن کو قائم رکھنا ضرور ہے۔ اور حسب تقاضائے

زمانہ اُن کو مفید بنانا چاہیئے۔ نیز ہم لوگوں کو چاہیئے کہ مسلمانوں کو علوم جدیدہ کی روشنی پہنچائیں۔ جس کے ذریعہ سے ہم خود مراتب اعلیٰ پر پہنچے ہیں۔ ان کو سلف گورنمنٹ کی راہ دکھلانی چاہیئے۔ اس کا پہلا تجربہ اُن کو اپنے شہر کی میونسپلٹی میں ہوتا ہے۔ دیگر حقوق کی خواہش جو مستقل حکومت میں ہونی چاہیئے۔ اور ملکی خدمات ادا کرنے کی اُمیدیں اور وسعت خیال جو حصول علوم مفیدہ سے حاصل ہوتی ہے۔ رجحان اُن سب کا ترقی کی طرف ہے۔ یہی عمدہ گورنمنٹ کا مقصود ہوتا ہے کہ ہر شخص کو ترقی دیجائے۔ اُن کو اس مشہورہ آفاق سلطنت کا خیرخواہ اور اس وسیع سوسائٹی کا ایک لائق ممبر بنانا چاہیئے۔ اس کارروائی کو بلا آئندہ خوف و ہراس کے شروع کرنا چاہیئے۔ اور جس قدر عیسائی مذہب کی نیکی ہے وہی [illegible] لاعلان پالیسی ہونی چاہیئے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اسلام میں رخنہ اندازی کرنا [illegible] اپنی جانب کھینچنا بہت مشکل ہے۔ تاہم اگر ہم مذہبی اوقاف کی ایمانداری سے حفاظت کریں تو بیشک ہمارا اثر اُن پر ضرور ہوگا۔ چند اوقاف مسلمانوں کی تعلیم کے لئے بھی پہلے کے بنے ہوئے ہیں۔ اگر ہم اس امر کا لحاظ رکھیں کہ ان کا استعمال حسب تقاضائے زمانہ جاری رہے اور وہ واقف کے قبضہ سے بھی جُدا نہ رہیں تو ہم ضرور اپنا اثر پھیلائینگے ؂

الغرض مسلمانوں میں مدت سے ایک بیہودہ خوف سمایا ہوا ہے کہ انگریزی گورنمنٹ اُن کے مذہب میں رعایائے مفتوحہ سے خود ایسا سلوک کیا ہے لہذا اُن کا یہ خیال بیجا نہ ہوگا۔ اسی طرح سے وہ بزدل دکھائی دیتے ہیں۔ اور غالبًا اُن کو تجربۃً معلوم ہوگیا ہے کہ اس قسم کا معاملہ بزور نہ ہوگا بلکہ خیال کرتے ہیں کہ تعلیم اور دوسری ترقیاں خود مذہب اسلام سے منحرف کرنے کو کافی ہونگی۔ مگر باوجود اندیشہ ناک خیالات اُن کو تعلیم دینا چاہیئے۔ کہ کوئی ناجائز کارروائی تمہارے مذہب کے خلاف عمل میں نہ آئیگی۔ نیز اُن کو صرف قیام مذہب کا ہی موقع نہ دیا جائے گا۔ بلکہ وہ خود دوسری قوموں کو جائز طریقہ سے مسلمان کرسکینگے اُن کے جوش مذہبی کو بالائے طاق رکھکر یہ دلیل کہ کبھی اُن کے مذہب میں دخل دہانی کی گئی۔ اور ہر موقع اُن کو ادائے فرض مذہبی کا دیا گیا ہے۔ ہمیشہ ہمارے

زمانہ اُن کو مفید بنانا چاہیئے۔ نیز ہم لوگوں کو چاہیئے کہ مسلمانوں کو علوم جدیدہ کی روشنی پہنچائیں۔ جس کے ذریعہ سے ہم خود مراتب اعلےٰ پر پہنچے ہیں۔ ان کو سلف گورنمنٹ کی راہ دکھلانی چاہیئے۔ اس کا پہلا تجربہ اُن کو اپنے شہر کی میونسپلٹی میں ہوتا ہے۔ دیگر حقوق کی خواہش جو مستقل حکومت میں ہونی چاہیئے۔ اور ملکی خدمات ادا کرنے کی اُمیدیں اور وسعت خیال جو حصول علوم مفیدہ سے حاصل ہوتی ہے۔ رجحان اُن سب کا ترقی کی طرف ہے۔ یہی عمدہ گورنمنٹ کا مقصود ہوتا ہے کہ ہر شخص کو ترقی دیجائے۔ اُن کو اس مشہورہ آفاق سلطنت کا خیرخواہ اور اس وسیع سوسائٹی کا ایک لائق ممبر بنانا چاہیئے۔ اس کارروائی کو بلا آیندہ خوف و ہراس کے شروع کرنا چاہیئے۔ اور جس قدر عیسائی مذہب کی نیکی ہے وہی [illegible] لاعلاقہ پالیسی ہونی چاہیئے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اسلام میں رخنہ اندازی کرنا یا ان کو اپنی جانب کھینچنا بہت مشکل ہے۔ تاہم اگر ہم مذہبی اوقاف کی ایمانداری سے حفاظت کریں تو بیشک ہمارا اثر اُن پر ضرور ہوگا۔ چند اوقاف مسلمانوں کی تعلیم کے لئے بھی پہلے کے بنے ہوئے ہیں۔ اگر ہم اس امر کا لحاظ رکھیں کہ ان کا استعمال حسب تقاضائے زمانہ جاری رہے اور وہ واقف کے قبضہ سے بھی جُدا نہ رہیں تو ہم ضرور اپنا اثر پھیلائینگے ٭

الغرض مسلمانوں میں مدت سے ایک بیہودہ خوف سمایا ہوا ہے کہ انگریزی گورنمنٹ اُن کے مذہب میں رعایائے مفتوحہ سے خود ایسا سلوک کیا ہے لہذا اُن کا یہ خیال بے جا نہ ہوگا۔ اسی طرح سے وہ بزدل دکھائی دیتے ہیں۔ اور غالباً اُن کو تجربۃً معلوم ہو گیا ہے کہ اس قسم کا معاملہ بزور نہ ہوگا بلکہ خیال کرتے ہیں کہ تعلیم اور دوسری ترقیاں خود مذہب اسلام سے منحرف کرنے کو کافی ہونگی۔ مگر باوجود اندیشہ ناک خیالات اُن کو تعلیم دینا چاہیئے۔ کہ کوئی ناجائز کارروائی تمہارے مذہب کے خلاف عمل میں نہ آئیگی۔ نیز اُن کو صرف قیام مذہب کا ہی موقع نہ دیا جائیگا۔ بلکہ وہ خود دوسری قوموں کو جائز طریقہ سے مسلمان کر سکینگے اُن کے جوش مذہبی کو بالائے طاق رکھکر یہ دلیل کہ کبھی اُن کے مذہب میں دخل دہانی کی گئی۔ اور ہر موقع اُن کو ادائے فرض مذہبی کا دیا گیا ہے۔ ہمیشہ ہمارے

محبت سے اُن کو دیکھینگے جو عیسویت کا جزو اعظم ہے ÷

بعد اس کے کہ ہم برٹش سلطنت کا بلحاظ مذہب عیسوی ذکر کر چکے ہیں یہاں پر نظر اُس کی مہذب حکومت کے بیان کرتے ہیں اسلام ایک ایسا مذہبی سلسلہ ہے جس میں قانون ملکی موجود ہے اور جس میں ہنوز گرمی اور قومی اثر باقی ہے البتہ بلحاظ یومیہ ضروری ترقیات کے رو گرداں ہے۔ گذشتہ صدیوں میں اُس نے سائنس میں بڑی ترقی کی جس کے لوگ بکثرت شکر گذار ہیں۔ لیکن ان دنوں اُس میں ایجاد و تجسس و تفحص کا مادہ مفقود ہے۔ اُس کا اثر مثل ایسے وزن کے ہے جو ہر ایک مادی ترقی کو دباتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں تجربتہً ثابت ہؤا کہ یورپین قوموں نے جہالت اور وحشت کو رفتہ رفتہ دفع کر دیا۔ اور جس ڈھنگ سے وہ لوگ اس میں کامیاب ہوئے کوئی شخص صحیح طور سے نہیں بتلا سکتا ÷

اس وحشت کا کہیں نہ کہیں ہنوز وجود باقی ہے جو روز بروز گھٹ رہی ہے اُمید ہے کہ بالکل خاتمہ ہو جائیگا۔ اسی طرح جب اعلےٰ اور ادنےٰ تہذیب کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو ادنےٰ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اگر اس کو اپنا وجود قائم رکھنا ہے تو اُس کو چاہئے کہ ترقی کرے اُس کو اُسی راہ پر چلنا چاہئے جس پر اُس کے پیشتروں نے حل کر مادی ترقی اور تعلیم میں نام پیدا کیا ہے۔ یہی قاعدہ مسلمانوں کے لئے ہے ان کا مذہب گو قائم رہے لیکن ان کا ملکی رعب داب یورپین سلسلہ کے ساتھ جاری نہیں رہ سکتا تاوقتیکہ اس میں تجدید نہ ہو۔ اس واقعی بات سے مسلمان ناخوش ہوتے ہیں اور اس کو سُننا بھی پسند نہیں کرتے اس لئے انگلستان جو ان کا دوست ہے اس معاملہ سے اُن کو صاف طور سے آگاہ کرتا ہے کہ ان کو بخوبی مطلع ہونا چاہئے اگر وہ نہ سنینگے تو خود تباہ ہونگے اور نتیجہ گو دیر میں برآمد ہو لیکن ہونا ضرور ہے ÷

یورپین ٹرکی بہت بڑی مثال ہے کہ جنگ کریمیا کے بعد اُس کو ترقی سامان بہت اچھے ملے تھے۔ لیکن اس موقع کو ہمیشہ کے لئے ٹرکی نے کھو دیا یعنی اس کے پاس یورپ میں بہت سے صوبہ تھے۔ یہ صوبجات واقع وادی ڈینوب سلطنت عثمانیہ میں بہت عمدہ تھے لیکن ان صوبوں کو اسی قسم کے ریفارمیشن کی ضرورت تھی جیسا کہ اور مقامات یورپ میں جاری تھا اور بنیاد ترقی کے لئے منصفانہ حکومت

اور معقول درجہ تک حسب ضابطہ آزادی دینی مناسب تھی۔ جس کے وہ مستحق تھے لیکن مسلمانوں نے اُس نعمت سے محروم رکھا۔ اُنہوں نے خیال کیا کہ اگر آزادی ایک مرتبہ دی گئی تو مسلمانی افسری جاتی رہیگی۔ اُن کو یقین تھا کہ اگر پبلک آواز انتظام میں دخیل ہوگی تو سلسلہ حکومت منقطع ہو جائیگا۔ لیکن اگر ان کے صوبجات کی عرضداشتوں پر سماعت ہوتی تو ان کی حکومتوں کا قیام ممکن تھا۔ غرضیکہ ترکوں نے سماعت نہ کی۔ اس بات میں کچھ شک نہیں کہ ترک بہت کچھ اس معاملہ میں مجبور تھے کیونکہ ہمسایہ کے خوف سے رفارمیشن نہیں ہوسکتا تھا تاہم قسطنطنیہ میں ہمیشہ اسی کی بحث رہی تھی کہ رفارمیشن کرنا چاہئیے یا نہیں۔ اس بحث کا خاتمہ نفی کے ساتھ ہوا جس کا نتیجہ ازروے تاریخ یہ ہوا۔ کہ اُس کو بہت سے مہلک معرکوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر کار اُس کے قبضہ سے بہت سے یوروپین صوبہ نکل گئے۔ یہاں تک کہ ٹرکی سلطنت آدھی رہ گئی۔ اور بقیہ نصف بھی انہیں تیروں کا نشانہ ہو رہی ہے۔ اگر رفارمیشن ہوتا تو یہ سب بلائیں دُور ہو جاتیں۔ اس میں شک نہیں کہ رفارمیشن کے بعد صوبجات ڈینیوب میں ترک کو سخت تکلیف اُٹھانی پڑتی۔ مگر اپنی افسریت کا وجود قائم رکھتے۔ لیکن چونکہ وہ تکالیف برداشت نہ کرسکے۔ اس لئے اس کا نام پولیٹیکل شمار سے خارج ہوگیا۔ یہ ایک عبرت انگیز واقع ٹرکی کے لئے ہے۔ جس سے اُس کو فائدہ اُٹھانا چاہئیے۔ مگر اب تک اُس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ لہذا پھر ممکن ہے کہ ویسے ہی صدمات ٹرکی سلطنت کو پہنچیں جیسے کہ ابھی اُٹھا چکی ہے۔ ٹرکی کے لئے جو خطرات ہیں۔ اُن کو برسر اعلان عام لوگوں سے بیان کرنا دوستانہ حمیت کے خلاف ہے۔ ٹرکی کے سچے دوستوں کو جو انگریزوں میں بہت ہیں چاہئیے کہ اس کو ان خطرات سے آگاہ کردیں امید ہے کہ اُس کے دوست برابر ہوشیار کرتے ہیں۔ لیکن سماعت نہیں ہوتی خارجی مصلحت پر ضرور اندیشہ و شک ہوتا ہے۔ لیکن یہ مصلحت پر صداقت ہے۔ جس پر ٹرکی کو متوجہ ہونا چاہیے۔ ورنہ تباہ ہو جائیگی ؛

یہی باتیں کسی قدر ریفارمیشن سے متعلق ہیں۔ اُس میں مثل ٹرکی کے مختلف قسم کی رعایا نہیں ہے۔ جو قومی رفارمیشن کی خواہاں ہو۔ لیکن اس کی حکومت

اور معقول درجہ تک حسب ضابطہ آزادی دینی مناسب تھی۔ جس کے وہ مستحق تھے لیکن مسلمانوں نے اُس نعمت سے محروم رکھا۔ اُنہوں نے خیال کیا کہ اگر آزادی ایک مرتبہ دی گئی تو مسلمانی افسری جاتی رہیگی۔ اُن کو یقین تھا کہ اگر پبلک آواز انتظام میں دخیل ہوگی تو سلسلہ حکومت منقطع ہوجائیگا۔ لیکن اگر ان کے صوبجات کی عرضداشتوں پر سماعت ہوتی تو ان کی حکومتوں کا قیام ممکن تھا۔ غرضکہ ترکوں نے سماعت نہ کی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ ترک بہت کچھ اس معاملہ میں مجبور تھے کیونکہ ہمسایہ کے خوف سے رفارمیشن نہیں ہوسکتا تھا تاہم قسطنطنیہ میں ہمیشہ اسی کی بحث رہتی تھی کہ رفارمیشن کرنا چاہیئے یا نہیں۔ اس بحث کا خاتمہ نفی کے ساتھ ہوا جس کا نتیجہ از روے تاریخ یہ ہوا۔ کہ اُس کو بہت سے مہلک معرکوں کا سامنا کرنا پڑا۔ آخرکار اُس کے قبضہ سے بہت سے یوروپین صوبہ نکل گئے یہاں تک کہ ٹرکی سلطنت آدھی رہ گئی۔ اور بقیہ نصف بھی انہیں تیروں کا نشانہ ہو رہی ہے۔ اگر رفارمیشن ہوتا تو یہ سب بلائیں دُور ہوجاتیں۔ اس میں شک نہیں کہ رفارمیشن کے بعد صوبجات ڈینیوب میں ترک کو سخت تکلیف اُٹھانی پڑتی۔ مگر اپنی افسریت کا وجود قائم رکھتے۔ لیکن چونکہ وہ تکالیف برداشت نہ کرسکے۔ اس لیۓ اس کا نام پولیٹیکل شمار سے خارج ہوگیا۔ یہ ایک عبرت انگیز واقعہ ٹرکی کے لیئے ہے۔ جس سے اُس کو فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ مگر اب تک اُس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ لہذا پھر ممکن ہے کہ ویسے ہی صدمات ٹرکی سلطنت کو پہنچیں جیسے کہ ابھی اُٹھا چکی ہے۔ ٹرکی کے لئے جو خطرات ہیں۔ اُن کو برسر اعلان عام لوگوں سے بیان کرنا دوستانہ حمیت کے خلاف ہے۔ ٹرکی کے سچے دوستوں کو جو انگریزوں میں بہت ہیں چاہیئے کہ اس کو ان خطرات سے آگاہ کردیں امید ہے کہ اُس کے دوست برابر ہوشیار کرتے ہیں۔ لیکن سماعت نہیں ہوتی خارجی مصلحت پر ضرور اندیشہ و شک ہوتا ہے۔ لیکن یہ مصلحت پر صداقت ہے۔ جس پر ٹرکی کو متوجہ ہونا چاہیے۔ ورنہ تباہ ہوجائیگی ❖

یہی باتیں کسی قدر ریفارمیشن سے متعلق ہیں۔ اُس میں مثل ٹرکی کے مختلف قسم کی رعایا نہیں ہے۔ جو قومی رفارمیشن کی خواہاں ہو۔ لیکن اس کی حکومت

تشویش پیدا ہوتی ہے۔ جس کی جوابدہ ایرانی حکومت ہے۔ جنگ کے وجوہات بھی معمولی اور ظاہر ہیں یعنی ظلم و ستم روا رکھا جاتا ہے اور فریاد سنی نہیں جاتی اور بے اطمنانیوں کا علاج نہیں ہوتا ❖

عالم شاہد ہے کہ فرانس نے حال ہیں کیونکر ٹیونس میں اپنا عمل دخل بزور کر لیا۔ اور مسلمان رئیس کو ماتحت کر لیا۔ فرانسیسی فوائد اس ملک میں رو بترقی تھے۔ اس کا روپیہ بھی وہاں جمع تھا۔ اگر رئیس فرانسیسی فوائد کی حفاظت اور با انتظام تمام حکمرانی کرتا۔ تو کچھ خلل واقع نہ ہوتا۔ مصر کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے ❖

اصل یہ ہے کہ اسلامیہ ممالک یوروپ کے شائستہ اقوام کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ صرف عرب ویران ہونے کے سبب سے تا حال محفوظ ہے اور اپنی اصلیت پر آیندہ بھی زمانہ دراز تک قائم رہیگا۔ بدو اپنی موجودہ آزادی بدستور عرصہ تک جاری رکھینگے۔ دوسرے عرب بذریعہ تجارت و ملازمت دوسرے ملکوں میں جانا پسند کرتے ہیں۔ مگر اپنے ملک سے قطع تعلق نہیں رکھتے۔ جب یہ لوگ اپنے وطن کو واپس جاتے ہونگے۔ تو عرب کو بیرونی مہذب اثر سے بالکل غیر متاثر پاکر خوش ہوتے ہونگے ❖

لیکن دوسرے ممالک اسلامیہ اس طریقہ پر نہیں چل سکتے۔ اُن کی ایسی کوششیں کہ اُن کے ملکوں میں مہذب اثر از قبیل آزادی رائے و رعایا و پابندی قانون و عمدہ طریقہ حکومت نہ پھیلے۔ اُنہیں کے لئے مضر ہونگی۔ اُن میں اور یورپ کے لوگوں میں آمد و رفت ہوگی۔ کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور ہوگا۔ جو مسلمان باہر رہینگے۔ جب وہاں سے واپس آئینگے۔ اپنے ہمراہ نئے خیالات کا ذخیرہ ضرور لائینگے۔ جس سے تعلیم۔ عمدہ گورنمنٹ اور غالباً آزادی کی تحریک ہو۔ علاوہ یوروپین جو مسلمانوں کے ملک میں رہتے ہیں نئے خیالات پھیلائینگے۔ اس سے آیندہ کو بہت سی واقعی اور عملی تبدیلیاں ہونگی ❖

مسلمانوں کے ملک میں اور اُن میں جن سے تعلق پیدا نہیں ہوا۔ صنعت کی ترقی ہوگی۔ اُن ملکوں میں یورپ کا روپیہ جمع کیا جائیگا۔ ممکن ہے کہ مسلمان مخالفت کریں۔ مگر کامیابی نہیں ہوسکتی کیونکہ یہی زمانہ کا دستور ہے ❖

اِن ضروری کارروائیوں کا یہ نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسلمانوں کو مقابلہ ضرور کرنا پڑیگا۔ اگر ناکامی ہوئی تو آج نہیں تو کل خاتمہ ضرور ہو جائیگا۔ پس مقتضائے وقت یہ ہے کہ رعایا کے لئے قانون بنایا جائے جس میں بیرونی تجار کی حفاظت بھی مدنظر ہو۔ لیکن اسلامیہ حکومتیں زمانہ کے ساتھ ترقی کرنے کے بجائے فی الحال زیادہ سُست ہو گئی ہیں۔ اور اُن میں مفید چشموں سے جو متصل جاری ہوئے ہیں فیضیاب نہیں ہوتیں۔ اگر کوئی مسلمان گورنمنٹ بمقتضائے زمانہ اپنی عمدہ حکومت کا ثبوت دے۔ تو ضرور ہے کہ مغربی سلطنتیں اُس کی ہمدرد اور معاون ہوں ؁

جس سہل طریقہ سے مسلمانوں کو یورپ کے منی مارکٹ (مہاجنی بازار) سے قرض ملتا ہے۔ اس تسہیل سے بُہت خوش ہو کر سخت دھوکے میں پڑ جاتے ہیں۔ گو اس قرضہ کا سود بنک ان سے ادا نہ ہوتا ہو۔ تاہم کوئی پولیٹیکل نتیجہ پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ گورنمنٹیں ان لوگوں کی طرف سے جو قرض دینا پسند کرتی ہیں کچھ مزاحمت نہیں کرتیں۔ مگر جن لوگوں نے کسی اسلامیہ سلطنت میں اپنا اپنا روپیہ جمع کیا ہو۔ اُن کا معاملہ اوروں سے نرالا ہے۔ اگر ان تعلقات کو سلطنت میں نقصان پہنچے گو وہ بدانتظامی حکومت کا نتیجہ ہو تو وہ اس کا فیصلہ پولیس کے ذریعہ سے ہوتا ہے تمام دنیا کی سلطنت اپنی بدانتظامی کی جوابدہ ہوتی ہے۔ اگر کسی غیر رعایا کے ساتھ بالتخصیص اچھا سلوک نہ ہو۔ یا اُن پر کوئی خاص ظلم کیا جائے تو اس کی شکایت حاکم مظلوم کی طرف سے کی جاتی ہے۔ مثلاً جنوبی یورپ کے حصہ میں برٹش رزیڈنٹ متعینہ اڑبیہ۔ ایتھنز۔ برنڈزی یا بارسلونا کی ناتفاقیہ تحقیر اور تذلیل ہو۔ جیسا کہ سکندریہ ۱۸۸۲ء میں برٹش کے ساتھ ہوا تھا۔ تو سخت پولیٹکل نتائج پیدا ہونگے۔ مصر کی انگریزی کارروائی کی بڑی وجہ یہی تھی ؁

مسلمانوں کے دلوں میں دوستانہ طریقہ سے سچی مہربانیوں کا قائم کرنا برٹش کا کام ہے۔ تاکہ مسلمانوں کا غرور بدستور قائم رہے اِن کو معلوم ہونا چاہیئے کہ برٹش کو خود غرضی نہیں ہے۔ اور اُن کے

ملکوں کے الحاق کی خواہش نہیں۔ بلکہ ان کو وہ آزاد اور سر سبز دیکھنا چاہتی ہے۔ اور اُن کی ہر وقت خیر خواہ ہے۔
لیکن جب تک کہ وہ اپنی مرضی اور خواہش
سے خود ترقی نہ کرینگے انگریزوں
کی خیر خواہی
فائدہ بخش
نہ ہوگی*

اصلاح سلطنت ٹرکی

جہالت - ناشائستگی - بے انتظامی اور مظالم کی دوامی وحشتناک خبروں نے لوگوں کو اس کامل یقین کی حیثیت پر پہنچا دیا ہے کہ دولت علیہ عثمانیہ اپنی حالت میں مطلقاً اصلاح پذیر نہیں - اور چونکہ تمام قابل نفرت جرائم مسلمانوں کے قومی خصائل میں داخل ہیں - اس لئے ترکوں کی سزا بے جائز وہی ہے - جو پال مال گزٹ اور لنڈن ڈیلی نیوز کے مہا تما رائٹ آنریبل مسٹر گلیڈسٹون نے تجویز کی تھی اور چاہا تھا کہ ترکوں کو "مع بیگ اور اسباب سفر" بغدا د پہنچا دیا جاوے - مگر افسوس کہ پروفیسر ویمبری کے اُس عالمانہ لکچر سے جو اُنہوں نے لنڈن کے ایک با اثر مجمع کے روبرو دیا تھا - اور ہز امپیریل مجسٹی سلطان عبد الحمید خان ثانی خلد اللہ ملکہ کے دوازدہ سالہ عہد حکومت پر ایک نہایت دلچسپ اور پسندیدہ تصنیف جو حال ہی میں ولایت سے آئی ہے اور جس کی مُصنّفہ ہز رائل ہائینس پرنسس اینٹی ڈی سیوسگنن صاحبہ ہیں - اپنے ناظرین کے خیالات میں عظیم تغیر پیدا کرنے کے علاوہ تمام انگریزی لبرل اخبارات کی ان اطلاعوں کی براہ راست تردید کردی ہے جو اُن کو اپنے نامہ نگاروں کی جانب سے موصول ہوا کرتی ہیں ⁘

Abdul Hamid II by
Princess Annie de Susignan

اس قابل قدر تصنیف کی فہرست مضامین مندرجۂ ذیل ہے -

(۱) جلوس اور جنگ ⁘

(۲) برلن کانگریس ⁘

(۳) اصلاح ⁘

(سم) معاملات مصر ✣

(د) معاملات بلگیریا ✣

ہز رائل ہائینس نے چشندیدہ واقعات سے بحث کی اور ان ٹرکش پالٹیکس میں خاص دلچسپی اور واقفیت حاصل ہے۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ ان کے نتیجہ تبصرہ ونظر کو انگلستان کے کسی فریقی سرگروہ کو ہدایت و تنبیہ سے تعلق نہیں جو کچھ تحریر ہوا ٹھیک وہی ہے جو واقع ہوا ✣

"امن قائم ہونے پر سب سے اول سلطان عبد الحمید خاں نے ٹرکی کی مالی حالت میں ایک کامل سرکاری تحقیقات کرائی اسی مقصد سے قسطنطنیہ میں ایک کونسل مجتمع ہوئی۔ جس میں قنانشل عہدہ داران سلطنت کے علاوہ بیرونی قرضخواہوں کے ریپریزنٹیوار اکین قنانشل رپانے تھے انگریز و ڈچ قرضخواہوں کی جانب سے آنریبل آربرک (حال لارڈ چکا نیمرا۔ گورنر مدراس) فرانس کے وکیل قانسیور۔ والفری (رکن محکمہ مدد رعیہ) اور اسٹریا۔ جرمنی۔ اٹلی کے ڈیلی گیٹ بھی موجود تھے۔ ان نمایاں نے مالک غیر نے ٹرکی حکام کے ساتھ بعد بڑی بحثوں کے چند شرائط پر اتفاق کیا۔ جو امپیریل گورنمنٹ میں پیش ہوئیں۔ منظور کی گئیں۔ اور ایک فرمان شاہی[1] کے ذریعہ سے اُن شرائط کو قانون سلطنت میں داخل کیا گیا ان عظیم تبدیلیوں پر ۱۸۸۲ء میں عملدرآمد ہوا۔ جن سے ممبران کمیشن کو اُن اہم مشکلات کا اندازہ ہوا۔ جو ہر ایک اصلاح پسند و ایماندار فرماں روا ٹرکی کو برداشت کرنا ہوتی تھیں" عیسائی و مسلمان رعایائے سلطان کی نسبت اُن کا تجربہ یہ ہے ✣

یہ ایک تسلیم شدہ امر ہو گیا ہے کہ یورپ میں ایک عیسائی بحیثیت مجموعی اپنے ڈیفنس پر قادر ہے۔ اور ایشیائے کوچک میں کمی تعداد کی وجہ سے وہ مسلمانوں کے مظالم سہتا ہے۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ ایشیائے کوچک میں عیسائی عہدہائے سرکاری پر کہیں اُس تعداد سے زائد ہیں جو کہ ٹرلیسنٹ میں

[1] یہ فرمان ۲۰ دسمبر ۱۸۸۱ء کو جاری ہوا ✣

فرقۂ پیسٹنٹ کی کیتھلک محبتر شوں کی ہے۔ سلطان عبدالحمید خان کے عہد حکومت میں نفرزو ترقی کے لئے مذہب کو بہت کم دخل ہے۔ ہر ایک صوبۂ ایشیائے کوچک کا انتظام عیسائی ہاتھوں میں ہے اور انہیں پراونشل گورنروں کی سختی اور تعصب کے کاروں اکثر مصیبتوں کا سامنا رہا کرتا ہے ؎

تمہارا ایشیائی عیسائی اپنے یوروپین برادر کی طرح بادشاہ کے صرف اُسی حکم کی تعمیل کرتا ہے جس میں اُس کا ذاتی فائدہ ہے۔ وہ ٹیکس جو ایک مسلمان بلاشکایت ادا کرتا ہے۔ عیسائی ایسا نہیں کرتا"۔

مندرجہ ذیل سے عیسائیوں کی بدخواہی یا خیرخواہی سلطان کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے اور تمام پریشان کن خبروں کے تار برقی کی علانیہ تردید ہوتی ہے ؎

"گذشتہ سال کی تعطیل ایسٹر میں مسٹر آزیرین پیٹر بارک فرقۂ کیتھلک آرمنین (جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ "بادشاہ کے پیر کے نیچے روندے جاتے ہیں") نے بعد ادائے رسوم مذہبی گرجا میں ایک تقریر کی جس میں اُن مذہبی آزادیوں اور حقوق کا جو عہد حضرت سلطان المعظم میں ان کو حاصل ہوئیں شکریہ ادا کیا اور آخر میں دعا مانگی گئی کہ خدا ہمارے پیارے شہنشاہ عبدالحمید کو بہت دنوں تک سلامت رکھے"!!!

اسی سال مسٹر جوزف ڈیبس جو شہر بیروت کے ارک بشپ ہیں پوپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن مذہبی آزادیوں اور حقوں سے جو عیسائیوں کو حاصل ہیں۔ ہز ہولی نس کو مطلع کیا۔ اور جب وہاں سے واپس آئے تو اپنی دلی خیرخواہیوں پر سلطان کو یقین دلانے کے علاوہ شکرگذاریوں کا اظہار کیا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ میرا بیان بہت کچھ "ہمارے اپنے نامہ نگاروں کے" بیان سے مختلف ہے۔ جو وہ لنڈن میں اپنے مالکوں کے پاس ارسال کیا کرتے ہیں ؎

قزاقی اور رہزنی کی بابت سلطان حال کے جانشینان سابق کے میں مصیبت تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ عبدالحمید ثانی کی کوششوں نے اس کو بالکل نیست و نابود کر دیا ہے۔ راہزنوں کی نسبت اُن کا بیان ہے کہ وہ رعایائے

سلطانی نہ تھے۔ بلکہ روسی نہلسٹ تھے ✤

محکمہ پولیس میں ضابطہ اور انتظام پیدا ہُوا ہے اور یہ محکمۂ مذکور کامیاب ہے ✤

آگے چلکر وہ ایک مضحکہ انگیز رسم لکھتی ہیں :-

"عموماً کانسلوں کا تقرر اس لئے ہوتا ہے کہ جس ملک کے وہ نائب ہیں وہاں کے منافع کی حفاظت کریں مگر ٹرکی میں ایسا نہیں ہے۔ وہاں تو کانسل ایسے لوگ مقرر ہوتے ہیں کہ موکل ملک کی زبان تک نہیں جانتے۔ اور نہ وہاں کے باشندے ہوتے ہیں ✤

ایک مرتبہ کسی تجارتی امر کے دریافت کرنے کی غرض مجھ کو انگریزی کانسل سے ملنے کا اتفاق ہُوا۔ میں نہیں کہ سکتی کہ اُس کی اس ٹوٹی پھوٹی انگریزی سے مجھ کو کس قدر حیرت ہوئی۔ جب اُس نے کہا کہ "اے کاش میں ریس۔ ہنگلش۔ بول سکتا" تھوڑا زمانہ گذرا کہ میرا ایک ٹرکی گورنر سے باتیں کر رہی تھی۔ کہ ایک یوروپین کانسل کا جس کے حرکات اچھے نہ تھے تذکرہ آیا۔ گورنر نے کہا کہ "وہ شخص ایک ایسے ملک کا کانسل ہے جس کی نہ تو وہ زبان جانتا نہ وہاں کا باشندہ ہے۔ اور نہ اُس ملک کا باستثنائے ایک شخص کے (جس سے یہ کانسل کبھی نہیں ملا۔ اور جو ایک معزز آدمی ہے) کوئی باشندہ یہاں رہتا ہے ✤

میں لیکن اس کانسل کی گورنمنٹ یقینی ان حالات سے واقف ہوگی؟

گورنر۔ جی نہیں۔ یہ عہدہ و اُس کانسل شپ اُس کو اس ضلع کے کانسل جنرل کے اختیار سے حاصل ہُوا ہے۔ بات یہ ہے کہ کانسلوں کا مہربانی یا عزت کی وجہ سے تقرر ہوتا ہے۔ صرف اُن کو سلطنت عثمانیہ کی منظوری حاصل کرنی ہوتی ہے جس کے بعد وہ اپنے فرائض منصبی ادا کرنے لگتے ہیں ✤

م۔ معلوم ہوتا ہے کہ یور ایکسلنسی اس کانسل کی نسبت اچھی رائے نہیں رکھتے ✤

گ۔ واقعی۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ اُس کا گھر لٹیروں اور راہزنوں کا آرام گاہ ہے۔ تمام ملازم اُس کے راہزن ہی ہیں۔ میں اس جزیرے میں اُنہیں لٹیروں کا سرغنا جانتا ہوں۔ اور اسی غرض سے میں نے پولیس کو مطلع

کر رکھا ہے کہ اُس کی آمد و رفت کی اطلاع ہوتی رہے ۔

م - اگر اُس کی گورنمنٹ ان امور سے واقف ہوتی تو کیا وہ اس کو خارج از ملازمت نہیں کر سکتی تھی ۔

گ - میں نہیں جانتا - کانسل اور سب سے بڑھ کر وائس کانسلوں کا تقرر تو مہربانی کی حالت میں ہوا کرتا ہے - یہ لوگ ہمیشہ لوکل حکام سے بیکار جھگڑتے رہتے اور ہر ایک ترقی کے روکنے میں بیرونی دشمنوں کی طرح کوشاں ہیں ۔

م - لیکن یقینی دولت عثمانیہ کو اس معاملہ میں رائے زنی کا استحقاق ہے ۔

گ - یہی تو تمام تر نہیں حاصل ہے - جب کسی کانسل کا تقرر ہوتا ہے تو گورنمنٹ ٹرکی کی صرف منظوری حاصل کی جاتی ہے - اور نامنظور کرنے کی حالت میں اسباب کے شائع ہونے کا خوف ہے کہ معاہدہ بابت تقرر کانسلوں کے خلاف کیا گیا حقیقت میں عثمانی گورنمنٹ اُن اندرونی معاملات میں بھی مجبور کی جاتی ہے - جس کو کوئی چھوٹی سے چھوٹی گورنمنٹ بھی پسند نہ کریگی - اسی کانسل کے معاملے کو لیجئے - پولیس کے رجسٹروں میں آسودگی خلائق میں خلل ڈالنے کے ۳۵ الزامات اس شخص پر قائم ہیں - مگر میں اس وجہ سے کہ وہ سلطنت نجیر کا وائس کانسل ہے - عدالت نہیں بلا سکتا - اُس کی حفاظت ایک ایسی گورنمنٹ کرتی - جس کا نہ تو رعایا ہے اور نہ اُس ملک کا باستثنا ایک شخص کے کوئی باشندہ یہاں رہتا ہے - یہ شخص جو لوکل گورنمنٹ کو آئے دن پریشان کرتا رہتا - اور ڈاکوؤں کا سردار ہے بالکل بے خطر اور محفوظ ہے - اور جس کے یہاں راہزن اسی لئے ملازم ہیں کہ یا تو اس کے ذاتی دشمنوں پر حملہ کریں - یا پرائے مویشیوں کو اس کے خوشحال کرنے کے لئے پکڑ لائیں - اور پھر ذرا اطمینان تو دیکھئے کہ یہ تمام حرکات علانیہ کرتا ہے - اگر آپ چاہیں تو میں اُن ۳۵ الزامات کی نقل آپ کی خدمت میں بھیج سکتا ہوں ۔

چنانچہ دوسرے ہی دن میرے دوست ہز ایکسیلنسی نے وہ فہرست الزامات بھیجی - جسے ذرا ملاحظہ ہو ۔

(۱) تمام سگان بازاری اس لئے ہلاک کر دئے گئے کہ اُن بیچاروں سے اس شخص کے پالو کتے پر بھونکنے کی جرأت کی تھی *

(۲) مچھلیوں کا شکار کھیلنے میں ڈائنا میٹ کا اتنی مقدار کے ساتھ استعمال ہوا کہ تمام شہر اس طرح ہل گیا کہ گویا زلزلہ آیا اور گورنر شاہی کا جھنڈا گر پڑا *

(۳) ایک معزز شخص جو مع اپنے چار خورد سال لڑکوں کے بازار سے واپس آرہا تھا۔ اتفاقاً ایک کُتے کو (جو اسی پرخطر شخص کا پالو تھا۔ اور جس نے ایک لڑکے پر حملہ کیا تھا) مارا جس کی سزا میں یہ شریف آدمی اس قدر مارا گیا کہ بیمار ہوگیا۔ اور اب تک نہ پنپا *

جو لوگ خط کا مضمون تاڑ لیتے ہیں لفافہ دیکھ کر" وہ ان بین ہی الزامات سے بقیہ کی حیثیت کو بخوبی پہنچ جاوینگے *

ایک دلچسپ حکایت اور بھی ہے :-

" اسمٰعیل پاشا صوبہ آگین کا دورہ کررہے تھے کہ ایک دن جزیرہ قاس میں قیام ہوا *

اُسی دن صبح کو انگریزی کانسل ملاقات کی غرض سے حاضر ہوا۔ پاشا نے نہایت محبت و دوستی کا برتاؤ کیا۔ قہوہ اور شیرینی مہیا کی گئی *

بذریعہ مسترجم اسمٰعیل نے بہت سے حالات دریافت کئے۔ کیونکہ اُن کی عادت تھی کہ ہر ضلع کے حالات جس میں وہ سفر کرتے تھے ضرور معلوم کرلیتے تھے۔ گفتگو ختم ہونے پر ہمارا معزز کانسل رخصت ہوا *

تھوڑی ہی دیر گذری تھی کہ فرینچ کانسل کی اطلاع ہوئی بلایا گیا۔ اور اُسکے ساتھ بھی وہی برتاؤ ہوا۔ اثنائے تقریر میں پاشا نے اُس کا چہرہ دیکھ کر کہا کہ میں خیال کرتا ہوں۔ کہ میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے۔ گو مجھے جگہ کا خیال نہیں رہا *

کانسل - یور اکسیلنسی بجا فرماتے ہیں۔ میں صبح کو بہ حیثیت انگلش کانسل حاضر ہوا تھا *

اسمٰعیل پاشا - آخاہ - تو یہ کہئے - آپ فرینچ اور انگلش دونو کی طرف سے

کانسل ہیں ؟

ک ۔ جی ہاں ✢

ا ۔ اور کتنی سلطنتوں کے آپ نائب ہیں ؟

ک ۔ پانچ اور ہیں ۔ سب ملاکر پوری ۷ سلطنتوں کا کانسل ہوں ✢

ا ۔ آپ بحیثیت فرینچ اور انگلش کانسل مجھ سے ملاقات کر چکے ہیں ۔ کیا کیا بقیہ کی نسبت بھی آپ کا یہی ارادہ ہے ؟

ک ۔ میں اس کو اپنا فرض جانتا ہوں ✢

ا ۔ (مسکرا کر) میں انگلش اور فرینچ کانسل کی حیثیت میں آپ سے ملاقات کر کے نہایت خوش ہوا ہوں اور آپ کی دلچسپ گفتگو اس قدر میرے پسند آئی ہے کہ آپ کو زائد ادائے فرائض منصبی کی تکلیف دینا نہیں چاہتا ✢

شام کو جب اسمٰعیل پاشا ہوا خوری کی غرض سے نکلے تو اُن کو اس عجیب کانسل کے مکان پر ۷ سلطنتوں کی جھنڈیاں دیکھ کر نہایت تفریح ہوئی ✢

مندرجہ بالا بیانات سے ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ ممالک غیر کے ناواجب دعوے اور دست اندازیاں بھی قبول کری جاتی ہیں اور ابھی تک ترکوں کو اپنے اوصاف بردباری و تحمل کو معتدل بنایا ✢

تعلیمی حالت اور عام شائستگی کے بیان کرنے میں ہماری عالیجاہ مُصنفہ نے فلسفۂ تمدنی کے اصول کو کہ کسی قوم کے شائستگی پر رائے قائم کرنے کے لئے اُس قوم کی عورتوں کی حالت دیکھنی چاہیے ۔ مندرجۂ ذیل طریقہ میں ملحوظ رکھا ہے :۔

بہت زمانہ نہیں گذرا جب کہ ایک ایسی ترکی لیڈی ملنی ناممکن تھی جو کچھ پڑھ سکتی یا کسی معقول و سنجیدہ گفتگو میں شرکت کر سکتی ہو ۔ مجھے چند ٹرکش لیڈیوں کی وہ حیرت یاد ہے ۔ جو چند سال گذرے میرے ہاتھ میں ایک کتاب دیکھنے اور میری حقیقت میں پڑھ سکنے سے اُن پر طاری ہوئی تھی ۔ لیکن اب تو جب کبھی باسفرس کے اسٹیمر پر سوار ہوتی ہوں تو فضل خدا سے ترکی عورتوں کو زمانہ حال کے

اہم مسائل ہیں علاوہ لٹریری مضامین پر نہایت معقول گفتگو کرتے پاتی ہوں +

ایک ٹرکش زنانہ سکول کی حالت یہ ہے :-

"ابتدائی حصہ ۱۹۰۸ء میں مجھ کو ایک ٹرکش زنانہ سکول کے معائنہ کرنے کا اتفاق ہُوا تھا۔ جس کا نام "سینی اسکول" ہے۔ یہ ایک نہایت خوشنما گورنمنٹ اسکول ہے۔ اندر جا کر ایک دروازہ ملتا ہے جس پر ٹرکی شاہی آلات حرب کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ میری راہنما ایک کرد جو ہیڈ لڑکی تھی مجھ کو ایک نہایت خوب صورت اور عظیم الشان حال میں لے گئی۔ جس کے جانب راست ایک آراستہ کمرہ تھا جس میں ۳۰ نوجوان لڑکیاں میرے استقبال کو موجود تھیں +

میز پر اُن کی دستکاریوں کے نمونے رکھے ہوئے دیکھ کر جو نہایت اعلےٰ تھے میرے دل میں لنڈن کے مدرسوں کی یاد تازہ ہوگئی۔ میں اس خوشنما مکان اور اُس کی اندرونی سجاوٹ (جسے دیکھ کر نارتھمبر ہوس یاد آگیا) پر مبہوت کھڑی ہوئی تھی کہ ایک اُستانی نے کہا کہ ابتدا میں یہ مکان **محمد پاشا** کی ملکیت تھا۔ جس کو گورنمنٹ نے خرید لیا ہے۔ ۶ اُستانیاں جس میں سے ۴ فرنچ بخوبی بول سکتی تھیں۔ میرے ہر ایک سوال کے جواب پر مستعد تھیں +

ممبران کمیٹی مدرسہ تشریف لائیں اور انہوں نے براہ عنایت تمام اسکول کے معائنہ میں مدد دی۔ اس اسکول کا سواد اور موقع بھی سجاوٹ کی طرح فریفتہ کُن ہے۔ خلیج قسطنطنیہ (جس کے کنارے پر وہ واقع ہے) کی صحت بخش آب و ہوا طالب علموں کو تازہ زندگی بخشتی ہے۔ لڑکیوں کی کل تعداد ۲۲۰ ہے جس میں سے ۱۰۰ بورڈر ہیں۔ سلسلۂ تعلیم میں ادب۔ ریاضی۔ موسیقی۔ تصویر کشی۔ اور دستکاری وغیرہ داخل ہے۔ میں نے درخواست کی کہ میں موسیقی میں لڑکیوں کا امتحان لینا چاہتی ہوں جو اُستانیوں نے نہایت خوشی سے منظور کی۔ ۸ نوجوان لڑکیاں میرے سامنے آئیں اور کتابوں

کو ہاتھ میں لے کر گانے لگیں - اس میں شک نہیں کہ وہ سب کامل تھیں - گو ذاتی طور پر لڑکی علم موسیقی کے حسن و قبح کی بہت کم پرواہ کرتی ہوں +

تعلیمی اسٹاف میں ۶ اُستانیاں اور ۴ اُستاد ہیں - جو دورکرتے رہتے ہیں - امتحان لینے - موسیقی - دستکاری اور تصویر کشی سکھاتے ہیں اور اُستانیوں کے دوسرے صیغہ ہائے تعلیم سپرد ہیں - لڑکیاں امراء اور متوسطالحال فرقوں سے متعلق ہیں - اور زرق برق پوشاکیں پہنتی ہیں مدرسے کے ماہواری اخراجات ۱۸۰ پونڈ ہیں - جو از جانب گورنمنٹ ادا کئے جاتے ہیں - کیونکہ حضرت سلطان المعظم مسئلہ تعلیم کے بڑے سرپرست ہیں" +

اس مشاہدہ کے بعد مصنفہ ممدوحہ نے ان سب باتوں کو اس قوم کا "دیباچۂ ترقی" خیال کیا ہے +

مندرجۂ ذیل مختلف فنون کے مدارس کی فہرست ہے جن کی براہ راست گورنمنٹ ٹرکی سرپرست ہے +

لوکل سول امپیریل (سول سروس) +

ابتدائی اسکول سرائے بالا +

لوکل ڈیس آرٹ (جو ہمارے ساؤتھ کنسنگٹن ٹکنیکل کالج سے بہت کچھ مشابہ ہے) +

زنانہ ٹکنیکل اسکول +

ایضاً ابتدائی +

اُن کے علاوہ فنون لطیفہ - زبانہائے ممالک غیر - طب - جہازرانی - زراعت - سول و ملٹری تعلیم کے لئے بڑے کالج ہیں - جن میں سے زائد بدقسمت عبدالعزیز نے قائم کئے ہیں +

دارالسلطنت میں ۲۰ مدارس اور صوبجات میں قریب سو کالجوں کے سلطان حال ہی نے قائم کئے ہیں - ہر ایک صوبے میں گورنمنٹ اسکول قائم ہیں - یونیورسٹیوں میں علمی ڈگریاں دی جاتی ہیں - غرض سلسلہ تعلیم بخوبی

مکمل ہو گیا ہے ⁂

اگر تمام سکولوں اور کالجوں کی تعداد و حالت اور سلطان کی نہ موقوف ہونے والی ہمّت و مستعدی کا بیان کیا جائے۔ تو غالباً کئی کتابیں تیار ہو جاوینگی مگر مشکل سے کوئی دن گذرتا ہے کہ تعلیمی اور عام فیاضی کا ثبوت نہ ملتا ہو ⁂

اسی زمانے میں دو لاکھ پچاس ہزار پیاسٹر حزبہ کربٹ میں ابتدائی مدارس کی اجرائے کی غرض سے عنایت ہوئے ہیں جن کے شکریہ میں سینکڑوں سپاسنامہ پیش ہوئے ⁂

یہ اور دوسرے ہزاروں واقعات ٹرکی اور دوسرے ممالک یورپ کے اخبارات میں شائع ہوا کرتے ہیں۔ مگر انگلستانی اخبارات کے نامہ نگار اپنے مالکوں کو اطلاع کرنے کی ذرا پرواہ نہیں کرتے۔ اور نہ خود ایڈیٹر مناسب جانتے ہیں کہ کسی خوشخبری کو جو ٹرکی سے متعلق ہو اپنے اخبار میں شائع کریں ⁂

گو میں یہ غلط دعوے نہیں کرتی کہ ابھی بہت کچھ کرنا نہیں باقی ہے بلکہ ان واقعات کے بیان کرنے سے میرا مطلب یہ ہے کہ عثمانی گورنمنٹ نے گذشتہ اور موجودہ زمانے میں اپنی شائستہ کوششوں میں بڑی مشکلات کا مقابلہ کرکے کامیابی حاصل کی ہے ⁂

قسطنطنیہ

قسطنطنیہ[1] دار السلطنت ٹرکی کا دریائے باز فرس پر قدرتی خوبصورتی کے ساتھ

---

[1] تاریخ تحفۃ الستنیہ قسطنطنیہ مطبوعہ ۱۳۰۶ھ میں درج ہے کہ قسطنطنیہ کا قدیم رومی نام **بوزن طینا** تھا جسکو انگریزی زبان میں **بزن تین** کہتے تھے ÷ اس زمانہ میں **استنبول یا اسلام بول** اور **استانۃ العالیہ** مشہور ہے۔ اس کی بنیاد ۶۵۶ برس قبل حضرت عیسٰے کے بادشاہ بزنس نے ڈالی تھی بعد ۳۲۳ء میں قسطنطین نے دوبارہ تعمیر کیا۔ یہ شہر آج تک ۵ ف دوبار مفتوح ہوا یعنی ایکمرتبہ ۱۲۰۴ء میں صلیبیوں نے اس کو فتح کیا۔ بارِ دوم ۱۴۵۳ء میں **محمد ثانی** نے فتح کیا ÷

زمانہ قدیم میں بزن تین یعنی قسطنطنیہ ایک تخت حصہ سلطنت رومیہ کا تھا یہ مقام یورپی ٹرکی کے مشرقی حد پر واقع ہے جسکو اشبانے کوجاک سے بحیرہ باز فرس جدا کرتا ہے عرض البلد اس مقام کا (۴۱) درجہ اور (۱۶) ثانیہ شمال ہے اور طول البلد ۲۸ درجہ ۵۹ دقیقہ ۱۴ ثانیہ مشرق ہے۔ یہ شہر جو باز فرس اور گولڈن ہارن کے بیچ میں واقع ہے شمال مغرب سے جنوب مشرق تک ساڑھے تین میل طول میں اور ایک میل سے ۴ میل تک عریض ہے۔ تین دیوارِ کی شہر پناہ ساڑھے بارہ میل دور میں ہے اور فی الحال ۲۸ پھاٹک ہیں ÷

تمام شہر میں کثرت سے فوارے ہیں۔ اور دس میل پٹی ہوئی نہر سے تمام شہر میں پانی پہنچتا ہے۔ برف اور پالا بھی کبھی کبھی گرتا ہے۔ اس تخت گاہ مع جوار میں ۱۴ شاہی مسجدیں ۳۴۲ معمولی مساجد ہیں۔ ۴۰ اسلامی کالج ۱۸۳ شفا خانے ۳۶ عیسائی گرجے اور کئی یہودیوں کے معبد ۱۳۰ غسلخانے ۱۸۰ سرائے ہیں شہر کے مشرق جانب سرا گلیوری جو پہلے حضرت سلطان المعظم کا صرف خاص تھا۔ اس کی چوحدی وہی خیال کی جاتی ہے جو قدیم زمانہ میں بزن تین کی تھی۔ رقبہ اس کا ۳ میل مدور مختلف مقامات پر فصیل سے گھرا ہوا ہے۔

اس پر واقع ہے کہ دنیا میں کوئی اور شہر اس فطرتی منظروں اور دلفریب فضاؤں میں اس کے ہم پلہ نہیں۔ اس شہر کی فراخ تعمیر میں قدرت کے بے بہا عطیے ایسے موجود ہیں۔ کہ سیاحوں کی نظروں کو خیرہ کر دیا ہے ٭

اس شہر کے ایک کنارہ پر دریائے مارمورا دوسرے کنارہ پر بحر آسود درمیان میں دریائے باز فرس تخمیناً (۱۵) میل طول اور عرض تین میل سے کچھ زیادہ اور بعض جگہ نصف میل کے قریب بہتا ہے جس کے دونو جانب شہر قسطنطنیہ لب دریا سے

بقیہ حاشیہ اور بحر مارمورا تک وسیع ہے۔ یہ تمام بھی مسجدوں میناروں گنبدوں غسلخانوں باغات اور سرو کے درختوں کے جھنڈ سے خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ اندرونی احاطہ میں حضرت سلطان روم کا حرم رہتا ہے۔ دوسرے احاطہ میں خزانہ شاہی باورچیخانہ اصطبل دیوان خانہ۔ عدالت۔ سلح خانہ ہے جس عمارت میں کہ اسلحہ خانہ ہے وہ پہلے سینٹ آئرین کا گرجا تھا۔ بیرونی حصہ میں ٹکسال۔ سرکاری محکمے اور کمزور ضعیف پنشن خوار لوگوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ شہر سے جب اس احاطہ میں آتے ہیں تو ایک بڑا اور بلند پھاٹک ملتا ہے جس کو آستانہ باب عالی اور انگریزی میں سبلائم پورٹ کہتے ہیں۔ رفتہ رفتہ یہی پھاٹک گورنمنٹ عثمانیہ کا دوسرا نام قرار پایا یعنی اس وقت بجائے سلطنت عثمانیہ کے صرف باب عالی کہا جاتا ہے۔ ۱۸۶۳ء میں اس عظیم الشان عمارت میں آگ لگ گئی اور تباہ ہوئی حضرت سلطان عبدالمجید نے جو نئے محل تعمیر کرائے وہ شمالی کنارہ باز فرس پر ۲ - ۳ میل سراگلیو سے اس جانب ہے۔ ۱۸۶۰ء میں ایک سخت آتش زدگی سے پیرا کا بڑا حصہ جل گیا ٭

بندرگاہ گولڈن ہارن یا شاخ زرین جو قدیم سلطنت بزنطین کے ایک مرتفع مقام پر واقع ہے جنوب مشرق سے لیکر شمال غرب تک ساڑھے چار میل درمیان شہر اور جوار شہر گلاٹا و پیرا وغیرہ کے واقع ہے۔ عرض میں کہیں ایک فرلانگ کہیں چار فرلانگ ہے۔ یہاں خاص قسم کی ہلکی خوشنما کشتیاں ہوتی ہیں جس کو کیک کہتے ہیں۔ یہ کشتیاں اسباب اور آدمیوں کے اُتارنے اور چڑھانے کے کام آتی ہیں ۱۸۷۳ء میں ۴۹۹۴ ۲۰ جہاز وزنی ۳ ۲ لاکھ ۴ ہزار ۹۷ ٹن کے اس بندر سے گذرے کشتیوں کے دو پل گلاٹا اور استنبول کے درمیان اور ایک پل ہیکو سے ملا ہوا موجود ہے ٭

موزون بلندی تک مسلسل عمارتوں اور عالیشان مسجدوں میں واقع ہے۔ اور اس در کا عمق بڑے سے بڑا جہاز جانے کے لئے کافی ہے۔ اس میں جزر مد نہیں ہوتا۔ لاکن درمیان میں ایک پانی کی دھار بعض وقت ایسی زور سے پیدا ہوتی ہے کہ چھوٹی چھوٹی دخانی کشتئیں پار نہیں ہوسکتیں۔ وکلاء دول خارجہ کے جنگی جہازات مناسب موقع پر لنگر کیے ہوئے ہیں۔ سوا اس کے بیس ہزار کشتی اور کئی سو دخانی کشتئیں کرایہ پر چلنے والی موجود ہیں۔ مگر مجموعی نظر اس دریا پر ڈالیئے تو معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑے پانی کی جھیل ہے ورنہ تمام دریا ۵ میل کے فاصلہ میں مختلف قسم کے جہازوں اور کشتیوں سے لبریز ہے۔ اور جب کسی تقریب میں پھریرے اور جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں تو گل لالہ کھلا ہؤا دکھلائی دیتا ہے *

شہر قسطنطنیہ تین حصوں پر منقسم ہے۔ پہلا وہ قدیم حصہ ہے جو کہ اس وقت اسلامبول کہلایا جاتا ہے۔ گولڈن ہارن اور دریاے مارمورا کے بیچ میں واقع ہے۔ جہاں کہ عالیشان مسجدیں اور خاص مسجد ایا صوفیہ قدیم عمارتیں مشہور بازار اور باب عالی ہے دوسرا حصہ **کالاٹا یا گالٹس** جہاں کہ یونانی کثرت سے رہتے ہیں یہ حصہ کسی قدر زیادہ اونچائی میں آباد ہے۔ جس پر ایک مینار بنا ہؤا ہے یہاں سے شہر کی مدنظر خوب ہوتی ہے۔ اور اس کے نیچے[1] سے ایک میل کے فاصلہ میں ہر منٹ کو ٹرین مسافروں کو ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ پر چھوڑتی ہے۔ اس ٹرین کی گاڑیوں کے ساتھ انجن نہیں رہتا۔ بلکہ دونو کناروں پر مشین کے ذریعہ سے ایک حد سے دوسری حد کیطرف کھینچی جاتی ہے اور اس مشین میں اور ان گاڑیوں میں ایسی رسی بندھی رہتی ہے اور رفتار میں وہی تیزی ہے۔ جیسے دخانی گاڑیوں میں ہؤا کرتی ہے اور بعد اس کے پیرا ہے۔ جہانکہ یورپ کے مختلف لوگ رہا کرتے ہیں اور تمام یوروپین شاپیں اور ہوٹلیں سفیروں کے مکانات ہیں۔ اور یہ حصہ شہر کا مہذب حصہ سمجھا جاتا ہے اور اسی سلسلہ میں سلطان حال اور اخیر سلطان مرحوم

---

[1] گلاٹا سے پیرا تک بیچ نیچے ایک ریل گاڑی ہے اس تحت الارض ریل کا فاصلہ صرف ایک میل کا ہے یہ ریل بھی اس کمپنی کے ماتحت ہے جس نے استنبول میں کئی میل تک ٹرامویے گاڑی جاری کیا ہے صرف ۱۸۸۲ء میں ۷۵ لاکھ مسافر اس ریل پر سوار ہوئے تھے *

کی مشہور حویلی ولیہ بغچہ ہے۔ اور اُسی آبادی سے ملتی جلتی دریا کے کنارہ کنارہ ایک ..
طول آبادی ہے۔ ترا قبیا تک چلی گئی ہے۔ جس میں باغات اور عالیشان مکانات
ہیں۔ تیسرا حصہ شہر کا دوسرے کنارہ پر دریاے باسفرس کے مقابل میں اسلامبول اور
گلاٹا کے ہے۔ جس کو سکوتر[۵] کہتے ہیں اور اخیر حصہ ایشیا میں واقع ہے ✤

شہر کی مردم شماری[۶] نو لاکھ سے کچھ کم ہے۔ اس میں نصف سے زیادہ مسلمان اور
اکثر مسلمان اسلامبول اور سکوتر میں رہتے ہیں۔ باقی تمام عیسائی یونان۔ آرمینیا
بلغیریا کی قومیں زیادہ ہیں۔ آرمنیں ان سب میں تجار اور مالدار ہیں۔ سوا ان معمولی
باشندوں کے اکثر سیاح۔ اٹلی جرمنی۔ ہنگرین۔ رشین۔ پولش۔ فرینچ اور
انگریز وغیرہ آتے ہیں۔ کوچوں میں یہ تمام قومیں پھرتی نظر آتی ہیں۔ اور کسی گلی میں سے
گذرتے وقت چھ سات قسم کی زبانیں بولتے ہوئے سنے جاتے ہیں۔ یہاں اس کثرت
سے سیاحوں کی آمد و رفت رہتی ہے کہ بعض محلہ میں آپ مختلف ملکوں اور
شہروں کے لوگ پائینگے۔ میرے زمانہ سفر میں ایک معزز دوست کے یہاں پیرا میں
دعوت میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ قریب بتیس آدمیوں کے مہمان تھے۔ معزز میزبان
صاحب اسی حیرت انگیز مشاہدہ کے لئے کھانے کے اخیر میں اپنے مہمانوں سے کہ

---

۵ جس حصہ میں پیرا محلہ قاسم پاشا۔ تقاتا اور ترکی شاہی خانہ مصر میں ہے اسکوفانہ اور وہ حصہ جو کوہ ... کے شمالی کنارے پر واقع ہے اُس کو سقوطرہ کہتے ہیں ✤

۶ قسطنطنیہ کی آبادی ۱۸۸۵ء میں [illegible] لاکھ آدمی کی تھی اور ۱۸۹۳ء میں نو لاکھ ساٹھ ہزار آدمی کی ہوئی اور ۱۹۰۱ء میں ۱۰۰۰۰۰۰ چودہ لاکھ [illegible] شمار کی گئی اس حساب سے اس وقت اس سے زیادہ ہوگی مگر اس مردم شماری میں پیرا گلاٹا سقوطرہ وغیرہ بھی داخل ہیں ✤

۷ فی الحقیقت قسطنطنیہ [illegible] ایک بازار ہے زبان۔ ترکی و رومی و عربی و [illegible] و فارسی و [illegible] و [illegible] و ہنگاری و پولانڈی و نساوی و [illegible] و [illegible] فرانسیسی و انگریزی [illegible] بولی جاتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سوائے اردو کے تقریباً کل ایشیا اور یورپ کی زبانیں یہاں بولی جاتی ہیں اور تمام ملکوں کے آدمی یہاں موجود ہیں۔ اور اکثر ان میں سے تجارت پیشہ ہیں ✤

کر دو آپ لوگ براہ مہربانی اپنے اپنے نام کے کارڈ پر اپنے وطن کا نام تحریر فرمائیے
اُن کارڈس کو جمع کرنے کے بعد حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ تعداد بالا میں سے
بیس بالکل غیر شہروں اور غیر ملکوں کے رہنے والوں میں سے تھے اور انہیں اقا فیول
میں ایک میں ہندی بھی تھا - ان مختلف اقوام کی ملاقات کا لطف اُن دخانی
کشتیوں میں سوار ہوتے وقت زیادہ آتا ہے جو گولڈن ہارن سے دریا ے
باسفورس میں ہر گھنٹہ کو مسافروں اور کاریاریوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجاتے
ہیں - اور اسی سوار ہونے کے مقام پر ترکی اخبارات ملا کرتے ہیں - کہا جاتا ہے
کہ ان اخباروں میں وہی خبریں شائع ہوتی ہیں جو باب عالی کی خواہش کے مطابق
ہوں - مختلف زبانوں میں جو اخبارات شائع ہوتے ہیں وہ خود گواہی دیتے
ہیں کہ شہر مختلف قوم مختلف مذہب کا مرکز ہے - اب اس دارالسلطنت میں
حسب ذیل اخبارات شائع ہوتے ہیں ٭

زبان فرانسیسی میں روزانہ - دو ٭ زبان انگریزی میں روزانہ ایک ٭ زبان
یونانی میں روزانہ چار ٭ زبان بلگیریا میں تین - ہفتہ واری - چھ آرمینیا کی زبان میں
جس میں دو روزانہ دو ہفتہ واری ہیں ٭ ۳ - آرمنی و روم کی زبان میں جس میں دو
روزانہ ہیں ٭ ایک یونانی و روم کی زبان میں روزانہ ٭ ۹ - خاص روم کی زبان میں
جس میں ۳ روزانہ ہیں - ایک ہفتہ واری بالتصویر چھپتا ہے ٭ مفصل میں ۱۹
اخبار آٹھ روم دو عربی - باقی ۹ اور زبانوں میں - سوا اس کے آٹھ اخبارات
بعض پولٹیکل مصلحت کے باعث باب عالی سے موقوف کر دیئے گئے ٭

یہاں اکثر سڑکیں پتھر سے بنی ہوئی ہیں - گاڑی چلتے وقت ایک کریہہ
آواز آتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ چند ہی منٹ میں گاڑی کا فیصلہ ہو جائیگا -
لیکن وہ ترکی گھوڑوں کو مارتے ہوتے اس زور سے بے خوفی کے ساتھ چلاتے
ہیں کہ الامان - اس موقع پر اُن کتوں کا ذکر کرنا بھی خالی از لطف نہ ہوگا - جو لب
سڑک اس آرام سے سوتے پڑے رہتے ہیں - گویا کوئی بے فکر اور دنیا سے
آزاد اپنے راحت بھرے کمرے میں سرشار سوتا ہے - قسطنطنیہ کے حالات
میں یہ ایک خاص اور ضروری تذکرہ خیال کیا جاتا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے

یہاں کے کُتّے بہت ہٹے کٹے ہیں اور جماعتوں پر منقسم ہیں اور ہر ایک جماعت اپنے کو ہر ایک کوچہ کا مالک سمجھتی ہے۔ کسی دوسری جماعت کا کُتّا اگر اُن کی گلی میں آجاوے تو اس زور شور سے مقابلہ ہوتا ہے کہ پیدل گار راستہ چند دقیقہ کے لئے بند ہوجاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اُن کتوں کو مارے یا چمکائے تو راستہ چلنے والا بھی اُن کا ہمدرد ہو کے لڑنے کو مستعد ہوجاتا ہے۔ اور اُن کا کوچہ میں پڑا رہنا موجب برکت سمجھا جاتا ہے ✤

یہاں کے مکانات کی وضع بمبئی کے عمدہ مکانات سے ملتی ہوئی ہے لاکن یہاں کے اکثر مکانات کُل لکڑی کے بنے ہوئے ہیں۔ اس لئے آگ لگنے کا بڑا اندیشہ رہتا ہے۔ چنانچہ ۱۸۶۵ء میں ڈیبور کاپو کی طرف آگ شعلہ زن ہوئی تھی جس نے پانچویں حصہ شہر کو خاکستر کردیا تھا۔ آٹھ ہزار مکانات میں مسجدیں دو چرچ ایک بڑا حصہ حماموں کا اور بہت سی عالیشان عمارتیں جل بھنکر ستیاناس ہوگئی تھیں۔ اس کا نقصان کئی لاکھ پونڈ کا تصوّر کیا جاتا ہے آگ معلوم کرنے کے لئے مختلف جگہ پر بلند بلند مینارے بنی ہوئی ہیں۔ اور ان میناروں پر صبح سے شام۔ شام سے صبح تک آدمی گھومتے رہتے ہیں۔ اور جس سمت اور مکان میں آگ لگی اُس کے قریب کے فیر اسٹیشن (آگ بجھانے کا اسٹیشن) کو ایک گولہ کے ذریعہ سے اطلاع دیجاتی ہے اور سُرخ جھنڈی سے پتا بتلایا جاتا ہے۔ تب آگ بجھانے والی فوج نہایت سُرعت سے سیڑھیں اور کلہاڑی۔ انجن لئے ہوئے زرہ بکتر پہنے ہوئے اور سر پر خود رکھے ہوئے فی الفور جائے نشان وادہ پر دوڑتی ہیں۔ اور اُن کے پاؤں اس زور سے زمین پر پڑتے ہیں کہ کوچہ گونج جاتے ہیں۔ اور اس پھُرتی کے ساتھ اُس آگ کے بجھانے میں مشغول ہوتے ہیں گویا آگ میں حرارت اور سوزش نہیں۔ کسی مکان کو آگ لگ جانا قیامت کا نمونہ ہے۔ پیرا کے جس ہوٹل میں ہم اُترے تھے اُس کے متصل مکان کے اوپر کے حصہ میں کچھ دھواں معلوم ہوا تھوڑے ہی عرصہ میں محلہ بھر میں خبر ہوگئی کہ فلاں گھر کو آگ لگی ہے میں بھی دیکھنے کے لئے دوڑا گیا دیکھتا کیا ہوں کہ ایک گھر میں آگ لگی ہے تمام محلہ میں رونا پیٹنا ہو رہا ہے۔ مکان کے ہر درجے سے بچوں۔ جوانوں۔ بوڑھوں کے سر دریچوں

سے نکلتے ہوئے ہیں۔ اور جس گھر کو آگ روشن کر رہی ہے اُس کی طرف نظرِ نفرت سے دیکھتے ہیں اور جیسے جیسے شعلے بھڑکتے ہیں ویسا ہی اُن کا رونا اور دھونا بھی زیادہ ہوتا ہے ۞

یہاں کے مسلمان اور عیسائیوں کے لباس میں کوئی فرق نہیں ہے سب کے سب ایک ہی قسم کا لباس اور ترکی ٹوپی پہنتے ہیں۔ جو غریب لوگ ہیں نیگوں کوٹ اور پائے جامہ پہنے رہتے ہیں۔ نظر کبھی فرق نہیں کر سکتی کہ فلاں مسلمان اور فلاں عیسائی ہے۔ اُنکی معاشرت بالکل آزادانہ ہے۔ مسجدوں میں اُسی کوٹ پتلون جوتے سے جاتے ہیں نماز پڑھتے ہیں۔ مسلمان جو پابند نماز ہیں وہ اپنے جوتے پر ایک اور قسم کا جوتا مثل سلیپر کے پہنے رہتے ہیں۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت وہ سلیپر نکال دیتے ہیں۔ اور نہ بھی وضو کرتے ہیں۔ سیاح عموماً مسجد کو اُسی آزادی کے ساتھ دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن بوٹ پر اُسی قسم کا جوتا محافظ مسجد پہنا دیتے ہیں۔ ترکے[1] کئی جوڑے مشہور مسجدوں میں رہتے ہیں۔ فوجی افسر ہمیشہ ملٹری ڈریس میں اور تلوار لٹکائے رہتے ہیں۔ یہ بات وہاں معیوب سمجھی جاتی ہے کہ فوجی آدمی ہو اور تلوار نہ لگائے۔ ترکی بیگمات کا لباس نہایت پُر تکلف ہوتا ہے۔ جو فیشن ایبل بیگمات ہیں وہ شام کو ٹہلنے کے لیے گروہ گروہ نکلتی ہیں۔ ان کے لباس پر ایک لانبا گردن سے لیکر جوتے تک ریشمی برقعہ رہتا ہے۔ اور جس رنگ کا برقعہ رہتا ہے دستانہ چھتری جوتا اکثر اُسی رنگ کا ہوتا ہے۔ مُنہ پر ایک مہین سفید جالی کا نقاب۔ اتنا باریک ہوتا ہے کہ چہرہ کی وضع بخوبی معلوم ہو سکتی ہے۔ اس نقاب کو یشماق کہتے ہیں آنکھیں بالکل کھُلی رہتی ہیں۔ یہاں کی مستورات نہ ہندوستان کی عورتوں کے موافق اپنے لبوں کو پان سے اور آنکھوں بھوؤں کو کاجل سے سیاہ نہ بعض یورپین عورتوں کے مطابق گالوں کو گلابی اور چہرہ پر سفیدی پھیرتی ہیں۔ یہ وہ حُسن ہے جو دنیاوی تکلفوں سے خالی ہے۔ اُن کے فطرتی بوٹی۔ سادے لباس۔ سادی وضع میں جو بانکپن ہے اُس کو ہماری صنعتوں کے زیور یا ہماری دستکاری آراستہ نہیں کر سکتی۔

[1] یہ غلاف ہے جو جوتے کے اوپر پہنایا جاتا ہے ۞

چھتری جو ان پری تمثالوں کے ہاتھ میں ہے دھوپ اور پانی کے روکنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اُن نظروں کو روکنے کے لئے ہے جو اُن کے جذبات کے سبب کبری ہو کے پڑتی ہیں۔ بیبیاں شام کو کشتیوں میں بھی بیٹھ کے (ان کشتیوں کو حقائق کہتے ہیں۔ دو یا چار سے زیادہ نہیں بیٹھ سکتیں اور دو یا چار ترکی چلاتے ہیں) دریاے باز فرس پر نکلتی ہیں۔ شام کا وقت شفق کا کھلنا دریاے باز فرس کا قسطنطنیہ کے بیچ میں سے آہستہ لہروں کے ساتھ بہنا اور ان بیگمات کا اس طرح نکلنا قدرتی نمائش معلوم ہوتا ہے۔ بعض اعلےٰ درجہ کی بیگمات سے ملاقات کا موقع ملا۔ ان کی لیاقتیں۔ تہذیب دیکھنے سے تعجب ہوا۔ فرنچ۔ انگریزی عربی اس طرح بولتی ہیں جیسے اُن کی مادری زبان ہے۔ بعض بیگمات کو تمغہ مجیدیہ بھی سلطان سے مرحمت ہوا ہے۔ جو بڑی بڑی تقریبوں میں زیب گلو کرتی ہیں ؏

جو لوگ قسطنطنیہ میں سیاحت کی نظر سے جاتے ہیں۔ سب سے پہلے حضرت سلطان المعظم کے دیدار سے مشرف ہونا چاہتے ہیں اور وہ دیدار جمعہ کو نصیب ہوتا ہے جس وقت سلطان نماز کو جاتے ہیں۔ یہ بڑا ہی پر اثر سماں ہے بعض وقت سلطان اپنی حویلی سے بذریعہ کشتی مسجد ایا صوفیہ میں تشریف لے جاتے ہیں۔ یہ خاصہ کی کشتی سو فیٹ لانبی سپید رنگت اور طلائی حاشیہ کی ہے۔ جس کو چھتیس ترکی چلاتے ہیں اور مصاحبین وغیرہ دوسری کشتیوں میں ہمراہ رہتے ہیں۔ بنادر کے تمام جنگی جہازات سے شاہی سلامی سر ہوتی ہے۔ مگر اکثر اوقات اپنے محلسرا کے متصل مسجد میں نماز ادا فرماتے ہیں جو معزز مسافر سواری کو دیکھنا چاہتے ہیں اُن کے لئے اُس مسجد اور حویلی کے درمیان میں ایک بنگلہ بنایا گیا ہے۔ اجازت حاصل ہونے کے بعد وہاں سے ورنہ گاڑیوں پر سے دیکھا کرتے ہیں۔ شائقین دس ہی بجے گاڑیاں کرایہ کرکے آموجود ہوتے ہیں۔ ورنہ تھوڑی دیر میں جگہ کا ملنا دشوار ہو جاتا ہے ۱۱ بجے سے فوج آنی شروع ہوتی ہے ۱۲ بجے تک حویلی اور مسجد کا پورا گھیر کرتی ہے۔ یہ پیدل و سوار تقریباً دس ہزار ہوتے ہیں۔ ان کی وردی ہتھیار سب

سب اول قسم کے ہیں۔ ۱۲ بجے مؤذن نے مینار پر چڑھ کر عربی لہجہ میں گھومتے
ہوئے اذان دینی شروع کی۔ ہزارہا مشتاق آنکھیں محلسرا کے دروازہ
پر جمع ہوئی ہیں۔ لوگ اپنی اپنی گاڑیوں سے نکل کر کوچ باکس پر چھتریں لئے
ہوئے چڑھ گئے ہیں کیونکہ سواروں کی قطار نظر کو روک رہی ہے۔ اُس
بنگلہ پر سے بھی بڑے بڑے ڈیوک اور شہزادیوں کی گردنیں دریچوں سے
نکلی ہوئیں سلطانی محل کی طرف موڑی ہوئی ہیں سب سے پہلے بند گاڑی جس میں دو
زبردست مشکی گھوڑے جتے ہوئے ہیں اور جن کی باگیں ایک قوی ہیکل
ترکی کے ہاتھ میں ہے۔ جس کے بازو پر ایک دیو کے موافق خواجہ سرا لیل و
نہار بتلاتا ہو بیٹھا ہے اور دو حبشی گھوڑے تھامے ہوئے ہیں نکلی اور مسجد
میں داخل ہوئی۔ معلوم ہوا کہ حضرت کی والدہ ماجدہ ہیں۔ دو منٹ ہوئے
اُسی طرح دوسری گاڑی برآمد ہوئی تمام فوج نے ازدیاد عمر کی دعا نعرہ کے ساتھ
دی معلوم ہوا کہ حرم محترم اور ولیعہد ہیں۔ اُتنے ہی فاصلہ کے بعد ایک
کھلی گاڑی نہایت شان و شوکت سے بہت آہستہ آہستہ جس میں
سلطان المعظم خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ رونق افروز
ہیں چلی آتی ہے۔ آپ دبلے پتلے میانہ قد مختصر موش و ریش رکھتے ہیں۔
سیاہ کوٹ پتلون زیب تن ہے۔ بائیں بازو پر ایک نقرئی تمغہ مجیدیہ جو کلدار
روپے کے برابر ہے آویزاں ہے معمولی تلوار کمر میں پڑی ہے۔ سر پر سیاہ
کلاہ رومی ہے چہرہ پر بشاشت ہے سلطانی خلاق کے ساتھ (ترکی قاعدہ
سلام کا دو رسے یہ ہے کہ اپنے بوسہ دیکے پیشانی پر لگاتے ہیں) ہر سلام کا
جواب دیتے ہوئے۔ ہزارہا زبانوں سے دعاء سلامتی پکاری جاتی ہے
اس حشمت و جلال سے لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ آپ کے
سامنے اُسی گاڑی میں دو افسر ہیں کہ جن کی زرق برق فوجی وردیں آفتاب
کی شعاعوں کو دھندلا کر رہی ہیں متعدد تمغہ اُن کی فتحمندی شجاعت اور بہادری
بتلاتے ہیں ایک اُن میں جنرل عثمان پاشا ہیں ۱۸۷۷ء کی جنگ روس میں جنکے
کارنمایاں استقلال و دلیری مثل روز روشن کے سب پر عیاں ہے۔ دوسرے

محمد علیشاہ ہیں۔ اسی گاڑی کے دونو بازؤں پر اپڈیکانگ اور دوسرے اعلےٰ درجہ کے فوجی افسر فل ڈریس میں جو ایک سَو سے زیادہ ہو نگے ہمراہ ہیں اور گاڑی کے ساتھ نرم نرم قدموں میں نہایت ادب کے ساتھ گردنیں جھکائے ہوئے چل رہے ہیں اسی طرح سے گاڑی مسجد میں داخل ہوئی۔ سلطان المعظم گاڑی سے اُترتے ہیں علماو فضلا و شیخ الاعظم نے جو مسجد میں پہلے سے موجود تھے استقبال کیا اور دست انور کو بوسہ دیا۔ ایک بجا نماز سے فراغت حاصل ہوئی۔ فوج مجتمع داخلہ کے لئے بڑھنی شروع ہوئی۔ سلطان ایک کمرہ میں جو مسجد سے ملا ہوُا ہے۔ تشریف لائے فوج کا ملاحظہ شروع ہوُا۔ اڑھائی بجے تک یہ تمام فوج نظر انور سے گذری۔ اب برخاست ہوئے۔ ایک مختصر گاڑی میں جو بیل فٹن کی قسم میں سے ہے سلطان تن تنہا سوار ہوئے اور خود ہانکتے ہوئے داخل محلسرا ہوئے۔ کاش ہماری ریاستیں بھی اس کی تقلید کرتیں۔ یہ ہی روز ہے جبکہ سفرا ے دول یورپ یا اعلےٰ درجہ کے لوگوں کو شرف ملازمت حاصل کرنے کی اجازت ہوتی ہے

سلطان کا اسم گرامی **عبد الحمید خاں** ہے ۱۸۴۲ء میں پیدا ہوئے۔ اور سلطان مراد کی (جو عبد العزیز خاں کے جانشین ہوئے تھے) خلع خلافت کے بعد ۱۸۷۶ء میں جلوہ افروز تخت عثمانیہ ہوئے[1]۔ ظاہرا آپ کی تندرستی نازک معلوم ہوتی ہے اور قوا آپ کے اتنے قوی نہیں ہیں۔ جتنا کہ آپ اُن سے کام لینا چاہتے ہیں۔ مُلک کی بہبودی اور اصلاح کا بہت کچھ خیال ہے۔ عہدہ دار افسر۔ رعایا آپ سے بہُت خوش معلوم ہوتے ہیں۔ ایشیائی خیالات کے مطابق یہاں کا ولیعہد اور شاہی خاندان کے اکثر لوگ بطور حراست کے رہتے ہیں۔ اُن کی تعلیم ایسی نہیں ہوتی کہ وہ سلطنت کے فرائض اور ذمہ واریوں کو پورے طول سے اُٹھانے کے قابل۔ لاکن اُن کی طبعی تیز یاں فطرتی جودت

[1] سلاطین روم کا یہی طریقہ ہے۔ کہ ایک سلطان کے معزول یا انتقال کے بعد ان کا جانشین ان کا بھائی ہوُا کرتا ہے جو موجودہ بھائیوں میں کلاں ہو چنانچہ اس وقت محمد رشید آفندی ولیعہد سلطنت ہیں جو ۳ نومبر ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ولیعہد نہایت لائق ہیں ؂

و قوت تھوڑے سے ہی سہارے پر بہت کچھ اُبھر جاتی ہے اور سلطنت کے کام چلانے میں پورے قابل قدر سمجھے جاتے ہیں۔ سلطان کے روبرو کسی عورت کو نقاب سے آنا جائز نہیں اور کوئی عورت یا حرم سلطان سے پردہ نہیں کر سکتی۔ خواجہ سراؤں کا بندوبست ڈیوڑھی پر رہتا ہے۔ خانگی انتظام کو یہی لوگ انجام دیتے ہیں اور بہت مُنہ چڑھے ہیں۔ یہاں کے امراؤں کی سواری اور مکانات میں ایشیائی شان و شوکت نہیں ہے بالکل مغربی بوباس ہے۔ ہر سال ۲۶ رمضان یعنی شب قدر کو سلطانی حویلی میں ایک رسم ادا ہوتی ہے۔ غالباً وہ رسم نئی نظروں میں مذموم معلوم ہو۔ لاکن قسطنطنیہ میں معمولی سالانہ جشن ہے۔ حویلی دولہ بغچہ میں جو ایک بڑا شاندار اونچا گنبد ہے جس میں تمام سُنہری کام اور سنگ مرمر کا فرش اور دو منزلہ نشست کی جائے ہے جس کے ایک کوٹھا دو منزلہ پر ترکی عورتوں کا بیانڈ بجتا ہے۔ دوشیزہ لڑکیاں نہایت حسین و جمیل مختلف ملکوں کی جمع ہوتی ہیں۔ ان میں اکثر سرکشیا۔ ہنگریا۔ بلگیریا۔ ترکش۔ مصری پر یوشوں کا جھرمٹ ہوتا ہے۔ دنیا میں یہ وہ شہر ہے جہاں قدرت کے بناؤ سنگار نے کوئی کسر نہیں رکھی۔ اس کی ادنےٰ سی کاریگری اپنی سادگی کا تماشا دکھا کر ہماری صنعتوں کو چاہیں جس قدر کرشمے دکھائیں سب کو خاک میں ملا دیتی ہے یہ قدرت کے نمونہ دور کی شکل سے بھلائے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان اس تماشگاہ حسیناں میں چکر لگاتے ہیں اور جس پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں وہ حرم میں داخل ہوتی ہے۔ صبح کو تمام دن اس مسرت میں قلعہ اور جنگی جہازوں سے برابر سلامی سر ہوتی ہے ؛

اسلامبول جو پہلا حصّہ شہر کا ہے۔ اُس میں زیادہ اسلامیت معلوم ہوتی ہے قدیم طرح کا لباس۔ قدیم وضع کے مدرسے۔ نماز روزہ کی پابندی۔ حدود شرع کا خیال۔ قدیم ایشیا کی دوکانیں۔ ٹرکش حمام۔ غلاموں کا بازار۔ مقبرہ۔ مسجدیں راستہ و صفائی میں بھی مشرقی طرز اسی حصّے میں باقی ہے اور حصے یورپ کے طریقہ پر ہیں۔ یہاں سے چند میل کے فاصلہ پر ایک جزیرہ ہے جس کو پرنس آئیلنڈ کہتے ہیں۔ یہ نہایت پُر فضا دلچسپ مقام ہے۔ اکثر تفریحاً لوگ جایا کرتے ہیں

اور دعوتیں ہوا کرتی ہیں - اسی جزیرہ کے قریب ۱۸۵۴ء میں انگریزوں کے جہازوں نے روس کو قسطنطنیہ کا محاصرہ کرنے سے روکا تھا جب کہ روسی فوج خشکی کے راستہ سے قسطنطنیہ کی دیوار کے پیچھے پہنچ گئی تھی - اگرچہ ترک انگلستان کی اس معاونت سے ممنون ہیں - لاکن یہ ضرور سمجھتے ہیں - کہ انگلستان نے مدد کرنے میں بہت دیری کی اور وعدہ کو وقت پر پورا نہیں کیا - کیونکہ یہ وقت اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ عثمان پاشا گرفتار ہو گئے - عثمان پادشاہ کو ایشیا کے کوچک میں ترک ملی قلعہ قرص چھن گیا - ارض روم کا محاصرہ ہوا - اُس وقت جنگی بیڑہ جہازات بحر اسود میں پہنچا - روس کی فوج اس قدر قریب آنے پر بھی ترکوں کا یہ عقیدہ تھا - کہ ہم بغیر کسی بیرونی طاقت کی مدد کے لئے بھی فوج دشمن کو شہر میں داخل نہ ہونے دینگے - یہ درست ہے کہ جس استقلال اور ثابت قدمی - بہادری - جفاکشی - وفاداری سے ترکی سپاہیوں نے اپنے دشمن کا مقابلہ کیا اور اگر پہلے اپنے صوبوں سے ان کو جنگ نہ کرنی پڑتی - اور سلطانوں کا عدل و نصب نہ ہوتا اور اندرونی انتظامات اطمینان کے قابل ہوتے - اور بعض افسروں کی غفلت اور بے پروائی نہ ہوتی تو یہ نوبت ہرگز نہ پہنچتی - مگر اس وقت مشکل تھا کہ بغیر بحری معاونت کے دشمن رُک سکتا جب کہ زیر دیوار پہنچ گیا ہو - دنیا کی تاریخ میں ترکوں کا یوروپی قیام اپنا آپ ہی نظیر ہے - یہ اسلامی سلطنت یورپ میں بتیس دانتوں میں بمنزلہ زبان کے ہے - اگر ان میں دلیری اور بے حد شجاعت بغیر آب و دانہ کے لڑنے کا مادہ نہ ہوتا کبھی کی یہ زبان دانتوں میں پس جاتی - اب بھی کسی ترک سے لڑائی کا ذکر کیجئے - اور جب کبھی قسطنطنیہ میں ایسے تذکرہ کا اتفاق ہوتا ہے تو دیکھئے اُن کے جوشوں اور اُمنگوں کو اور ولولوں کو حالانکہ اخیر لڑائی کو زیادہ زمانہ نہیں گذرا - لاکن اُن کی پُرجوش طبیعتیں اُسی قسم کی ہیں اور ہر وقت اپنے روسی دشمن کے خون کے پیاسے ہیں - انگلستان میں بہت سی کتابیں بہت سے خیال ایسے بھی پائینگے کہ جن سُرخی "ترکش ان یورپ" ہے (ترکوں کا قیام یوروپ کے حصہ میں) کہ جنہوں نے اپنی کتابوں میں انصاف کی حد سے تجاوز کر کے دل کے پھپولے

پھوڑ رہے ہیں اور شیخ چلی کے سے خیالات باندھے ہیں۔ وہ ہرگز پسند نہیں کرتے کہ اسلامی سلطنت کسی یورپی حصہ میں رہے۔ مگر یہ نرا خیال ہے نہ وہ خیال پورے ہونگے نہ اسلام کا اخراج یورپ سے ہوگا۔ اس چار سو برس میں جب سے کہ مسلمانوں نے قسطنطنیہ کو بزور شمشیر فتح کیا ہے کتنے حملے ہوئے کتنی دفعہ لڑائی رہی کیا کیا کوششیں اسکے چھیننے میں کی گئیں۔ کن کن سے مقابلہ رہا۔ مگر آفرین ہے اُس قوم پر جنہوں نے اپنے ملک اپنے مالک اپنے اسلام کے بچاؤ کے لئے اپنی جانیں مال و متاع جورو بچوں کو نثار کیا۔ شاباش ہے اُن کی شجاعت پر جنہوں نے بادلوں سے اُمنڈتی ہوئی فوجوں کو تہ تیغ کرتے ہوئے ۱۷۱۱ء میں پایۂ تخت روس تک پہنچ گئے۔ جب کبھی کوئی طاقت ترک کی مدد بھی کی ہے تو وہ ایسی جیسے آٹے میں نمک ۱۸۵۶ء میں کریمیا کی جنگ ہوئی تھی جس میں انگلستان اور فرانس نے مدد دی تھی۔ فوج کا شمار ملاحظہ کریجئے کہ کیا نسبت تھی۔ کانگریس برلن جو اخیر لڑائی کے بعد بہ میر مجلسی پرنس بسمارک ہوئی اور اس سے ترکوں کو جو نقصان اٹھانا پڑا یہ توقع نہ تھی کہ یہ حکومت اب سنبھلیگی مگر سلطان کی روشن دماغی بیدار مغزی مستقل انتظام سے اس صدمہ کا اثر پورے طور پر نہیں ہوا۔ انہی سلطان نے قسطنطنیہ کے اطراف اور بعض دریائی مقامات میں عمدہ اور مناسب موقعوں پر قلعہ تیار کرائے ہیں۔ اور بہت سے پہلے قلعوں کی مرمت کرائی ہے فوج اور توپخانہ رکھتے ہیں وقت معینہ کے بعد کسی جہاز کو اُس دریا پر سے گذرنے کی مجال نہیں۔ چنانچہ جس وقت ہمارا جہاز دریائے ڈارڈنیلز پر پہنچا۔ یہاں ایک قلعہ ہے جہاں سے قسطنطنیہ رات بھر کا راستہ تھا۔ جہاز کے لنگر کرتے ہی ترکی آفیسر نے موافق قاعدہ کے جہاز کو دیکھنے کے بعد آگے جانے کی اجازت دی یہ وقت شام کا تھا قلعہ سے توپ چلی جہاز کے کپتان نے کہا کہ اگر اس توپ کے چلنے کے بعد ہم پہنچتے تو ہمارا جہاز کل صبح تک یہیں لنگر کئے ہوئے ہوتا۔ یہ توپ علامت اس کی ہے کہ اب کوئی جہاز گذر نہیں سکتا ✢

عام ترقی اور شائستگی ٹرکی

از پروفیسر ویمبری

یہ لیکچر لندن کے ایک بہت باوقعت مجمع کے روبرو دیا گیا جس میں کثیر التعداد
سول و ملٹری افسروں اور پارلیمنٹ کے ممبروں کے علاوہ تقریباً تمام دُنیا کے
سفیر موجود تھے

تمدن وطرز معاشرت

انیسویں صدی کے اخیر میں جو عظیم الشان تغیرات و تبدیلیاں ترکوں کے طرز تمدن اور معاشرت میں ہوئی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان تعجب انگیز خصائل واقعات کو بیان کروں جس سے ہم سب لوگوں کو تعجب ہوگا کہ ترکوں نے کہاں سے کہاں تک ترقی کی اور اُن کے بھائی جو وسط ایشیا میں ہیں بمقابلہ کیسے نیدنی حالت شائستگی میں ہیں باستثناء سادگی اور غیر شگفتگی کے جو رومیوں کے چہروں سے عیاں ہے۔ اور جو غالباً تقدیر پر بالکل بھروسہ کرنے یا مسائل صوفیہ پر چلنے کا نتیجہ ہے۔ ترک عثمانیہ بالکل ہم لوگوں کی طرح یوروپین ہیں۔ پوشاک کے لحاظ سے وہ لوگ بجز ٹوپی کے مثل ہمارے ہوگئے۔ اعلےٰ طبقہ کے لوگوں کی غذا بھی یوروپین اعلےٰ طبقہ والوں کی سی ہے۔ سیر و تفرج میں تو مجھے افسوس ہے کہ رومیوں کا ہم سے بھی نمبر بڑھا چڑھا ہے۔ کیونکہ بعض وقت ایسے تفریحی مشاغل میں مصروف ہوتے ہیں جن کی اجازت قرآن مجید سے نہیں ہے اور وہ وہی ہیں جو انسانی زندگی اور صحت کو مضر ہیں۔ زمانہ حال کے ترک ایسے تماشاؤں کو پسند کرتے ہیں جو فرانسیسی یا ترکی زبان میں ہوا کرتے ہیں۔ وہ بہت شوق سے ہمارے

تھیٹروں کو دیکھنے سُننے ہیں اور جس شائستگی اور ضروری تربیت اور تکمیل کو وہ لوگ عورتوں کی
سوسائٹی میں ظاہر کرتے ہیں اُس کے دیکھنے سے آپ لوگوں کو مشکل سے یقین ہوگا کہ یہ
لوگ ایشیائی ہیں اور اُس کو تو آپ اور بھی مشکل سے مانینگے کہ یہ وہی ترک کی اولاد ہیں
جن کے روبرو عیسائی یا یورپین کا نام لینا ہی غضب تھا۔ یہاں تک کہ حرم میں
جو فی الواقع ایشیائی طرز معاشرت میں نہایت مذموم شئے ہے بہت تبدیلی ہوئی
اور ہو رہی ہے۔ بیشک یہ بہت اچھا ہوتا۔ اگر اس خراب طریقہ کا بالکل قلع قمع ہو جاتا
لیکن تعلیم نسواں جو ترقی پذیر ہے اس کی اصلی اصلاح کریگی۔ اور اس خوفناک قفل کی
کنجی صرف لڑکیوں کے عمدہ مدرسہ میں تیار ہو سکتی ہے۔ لیکن صدہا ایسے آثار پائے
جاتے ہیں جو خود بڑی تبدیلی بتلا رہے ہیں۔ چنانچہ ترکی لیڈیوں نے اپنے
پوشاک میں ایک جدت پیدا کی ہے۔ میرے سامنے جو لباس ترکی لیڈیوں کے
تھے وہ ایسے بدشکل تھے کہ مثل ایک بوڑھے کی بالکل بدنما معلوم ہوتی تھیں۔ اب بجائے
اس کے **فیشن ٹیلا** کا استعمال کرتی ہیں جس سے کمر کا اندازہ ہوتا ہے اور خوبصورتی
معلوم ہوتی ہے۔ برقع ناک سے تھوڑے سی تک ہوتا ہے اور بجائے زرد نیٹو قل اور
بوٹوں کے اب یورپین شوز (جوتا) استعمال کیا جاتا ہے۔ اب ٹرکش لیڈیاں اس
طرح شرمیلی نظروں اور جھجکتے ہوئے قدموں سے عام مجمعوں میں نہیں آتیں۔
جس طرح پہلے زمانہ میں آتی تھیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ پوری آزادی کے دن جو
بہت جلد آنے والے ہیں۔ اُس کا یہ آغاز ہے۔ ہم لوگ یوروپین اسی خیال باطل
کی پیروی کر رہے ہیں کہ اسلام میں حرم کا حکم قرآن سے ہے۔ اور اسلام ہی نے
دونوں فرقوں میں سخت امتیاز قائم کیا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ سخت غلطی تھی۔
قرآن میں کہیں حقوق عورات پر سختی نہیں کی گئی۔ چنانچہ اس ملک میں جب ضرورت
حفاظت نسواں ثابت ہوئی۔ جس کو چند ہی سال گذرے تو ایک قانون موسومہ
حفاظت جائداد عورات (وومنس پراپرٹی ایکٹ) نافذ ہوا۔ حالانکہ اسلام نے
ہزار برس پہلے یہ ضرورت رفع کردی۔ کئی سو برس گزرے کہ مسلمانوں کی عورتوں
کو اپنے مکانوں میں پوری پردہ داری کے ساتھ کامل آزادی رہی ہے۔
نہیں نہیں بلکہ تاریخ سے ثابت ہوا ہے کہ اسپین اور دوسرے مقامات میں

عرب کی عورتوں نے طارق کی ماتحتی میں فتوحات میں شریک ہیں۔ حرم رکھنا صرف مسلمانوں کی ایجاد نہیں ہے یہ کیفیت برہمنوں اور بدھوں میں بھی ہے۔ بلکہ مشرقی عیسائیوں میں بھی رواج ہے جس کو وہ اُسی قدر مضبوطی سے چلا تا ہے جنہے جس طرح مسلمان۔ یہ صرف حرم ہی نہیں ہے۔ جس میں اس قدر تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ بلکہ ان کے سبب سے معاملات خانگی میں اصلاح ہوئی ہے۔ جو مغربی تہذیب کا اقتضا ہے۔ مکانات۔ اسباب آرائشی وغیرہ اور پوشاک اور آپس کا میل جول اعلے درجہ کے عثمانیوں نے ایسا رکھا ہے کہ مشکل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی مشرقی لوگ ہیں جن کے بھائی بند ایران اور ہندوستان میں پائے جاتے ہیں اور جن میں کوئی نشان اس تہذیب و شائستگی کا نہیں پایا جاتا۔ اگرچہ ہندوستان میں آپ کے تعلیم سے اس سے بھی زیادہ عمدہ نتیجہ پیدا ہوسکتا ہے۔ لیکن یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ اس مہذبانہ رفتار میں بارہا بڑی بڑی روکیں ڈالدی گئیں اور جو اسباب قوت ترقی آلات تہذیب تربیت کے ساتھ ان کا استعمال جنگ اور جنگی ہتھیار میں ہو گیا اعلے طبقہ میں جو مغربی علم و تہذیب میں ترقی ہوئی ہے اُس کا اثر روز افزوں ترقی کے ساتھ متوسط اور ادنے طبقہ میں ہوتا جاتا ہے اور اگر صلح اور امن قائم رہا تو سلطان روم علوم کی ترقی میں بہت متوجہ ہونگے جس کی جانب اب تک افسوسناک بے پروائی رہی ؎

عام تعلیم

سلطنت ترکی کی تعلیمات کا ذکر کرتے ہوئے مجھ کو سب سے پہلے یہ ریمارک کرنا ہے کہ وہاں اب تک تعلیم اسلامی طریقہ طرز خواندگی جاری تھا جو غالب درجہ مذہبی لباس میں ملبوس تھا اور جو کیفیت کچھ کچھ ہماری مڈل انگلینڈ یعنی وسطا ایام میں تھی۔ چونکہ تعلیم کا سلسلہ طالب علم کے سولھویں برس تک رہتا تھا تاکہ وہ قابلیت سے پڑھ سکے اس لئے پڑھے لکھے کی تعداد بہت کم ہوتی تھی۔ اور عورتوں میں تو بجز چند عالی خاندانوں کے بہت کم رواج تھا۔ تیس برس کا زمانہ گذرا کہ یوروپین علوم و فنون کی تحصیل برائے نام تھی اور جو لوگ کچھ بھی فرانسیسی بول سکتے تھے وہ تاریخ جغرافیہ اور دوسرے علوم طبعی سے محض نابلد تھے ؎

اب ٹرکی میں تین قسم کے مدارس جاری ہیں :-

اوّل مدرسہ صبیان یعنی مدارس تعلیم ابتدائی جس میں لکھنا پڑھنا۔ کچھ دینیات حساب اور جغرافیہ بتلایا جاتا ہے۔ اس قسم کے بہت سے مدارس سلطنت کے مختلف مقامات میں فی الحال کھولے گئے ہیں۔ ان میں سے بہت مشہور واقع بشکنک۔ حسن المعارف واقع استنبول۔ خرلفت واقع سقوطری اور اسی طرح سمرنا۔ تراخی اور سلونیکا وغیرہ میں متعدد مدارس ہیں۔ اس کے بعد اعلےٰ مدارس آداویہ ہیں جن کو انگریزی میں کالج اور جرمنی میں جمنازیم کہ سکتے ہیں۔ یہاں ترکی۔ عربی۔ فارسی جغرافیہ۔ تاریخ۔ علوم طبعی اور فرانسیسی پڑھائی جاتی ہے صرف قسطنطنیہ میں ایسے کالج بیس ہیں اور متصلات میں سو سے زائد اس کے علاوہ ایک قسم کے اور کالج ہوتے ہیں۔ جہاں طلبا فوجی کالجوں میں داخل ہونے کے لئے تیار کئے جاتے ہیں۔ اس قسم کے مدارس قسطنطنیہ میں دس ہیں اور چھ سو سے زائد طلبا تعلیم پاتے ہیں۔ متصلات میں ان مدارس کی تعداد زیادہ ہے۔ حال میں بلکہ خاص کر موجودہ سلطان کے عہد میں تعلیمات کی بہت ترقی ہوئی ہے اور قاسم پاشا کے مدرسہ میں ان طالب علموں کے لئے جو بحری خدمت لینا چاہیں انگریزی بھی پڑھائی جاتی ہے۔ وہاں کے نئی اسکول فرانسیسی لیسیہ کے مقابل ہیں۔ ان میں سے نمبر اول گلاٹا سرائے کا کالج ہے۔ جس میں ایک ہزار سے زائد طلبا زیر تعلیم ہیں زبان فرانس لازمی ہے اور لاطینی۔ انگریزی۔ یونانی۔ اٹالی۔ جرمنی ارمنی زبانیں سکھلائی جاتی ہیں اس کے علاوہ علوم جدیدہ کی بڑے زور شور سے تعلیم ہوتی ہے۔ مثلاً طبعیات۔ نیچرل۔ فلاسفہ۔ کیمسٹری۔ جیالوجی۔ (علم طبقات الارض) وغیرہ اس قسم کے کالج مختلف صوبوں کے اعلےٰ شہروں میں کھولے گئے ہیں۔ گلاٹا سرا ے کالج کے بعد ملکیہ مدرسہ ہے جس میں خدمات ملکی اور نظم و نسق کے لئے طلبا کو سول سروس کی تعلیم دیجاتی ہے۔ اس مدرسہ میں ملکی اور انتظامی یعنی جس قدر پولٹیکل عہدہ داروں کو اندرون بیرون سلطنت مختلف قسم کا تعلق رکھنا پڑتا ہے تعلیم ہوتی ہے۔ اور چونکہ اس مدرسہ کے تعلیم یافتہ متصلات میں اعلےٰ خدمات پر لازمی طور سے مامور ہوتے رہینگے۔

ہیں بلکہ وہاں کے حسن انتظام سے بھی ترقی ضرور ہوتی رہیگی۔ سول سروس کے مدرسہ میں پانچ صیغے ہیں اور چھ سو طالب علم داخل ہیں۔ فوجی کالج زیر اہتمام وان ڈی گولٹز پاشا اور تہی پاشا تمام یورپ میں سب سے افضل ہے۔ اس میں روسی زبان لازمی کردی گئی ہے۔ اس کے سوا کالج آف لا یعنی قانونی مدرسہ ہے جس میں علاوہ فرانسیسی اور علوم جدیدہ کے دیوانی فوجداری۔ تجارتی۔ بحری (جہازی) اور ملکوں کے باہمی قوانین سکھلائے جاتے ہیں۔ میعاد تعلیم چار سال ہے اور تعداد طلبا ۳ سو سے زائد۔ سول انجینیر۔ بحری عہدہ داروں اور ڈاکٹروں کے مخصوص مدارس ہیں۔ مدارس طبی سے تمام فوج اور صوبوں میں فارغ التحصیل اطبا بھیجے جاتے ہیں۔ ایک مدرسہ صنعتی بھی ہے جس میں تصویر کا کام سکھلایا جاتا ہے۔ دیکھو یہ وہی ملک ہے جس میں چند سال پہلے تصویر کشی گناہ کبیرہ سمجھا جاتا تھا۔ لڑکیوں کے مدرسے اس وقت تک بہت کثرت سے نہیں ہیں مگر اس خیال سے کہ جہاں عام مدارس میں لڑکیوں کا بھیجنا نہایت درجہ مذموم خیال کیا جاتا تھا وہاں اس وقت کئی سو لڑکیوں کا مختلف ابتدائی اور اعلے مدارس میں زیر تعلیم ہونا بہت بڑی کامیابی سمجھی جاتی ہے اور ابھی چند روز ہوئے کہ سلطان نے ایک عمدہ معلمہ کو تمغہ سے سرفراز فرمایا۔ الغرض تمام سلطنت میں تعلیم قریب قریب لازمی کے ہوگئی ہے۔ اور وہ وقت دور نہیں ہے کہ وہاں کے تعلیم یافتہ کی تعداد یورپ کے اور ممالک کے برابر ہو جائیگی۔ یہ ایک قدرتی بات تھی کہ عام تعلیم کی جدید طرز کا اثر قوم کے دلوں پر اچھی طرح پڑے اور زباندانی و ادب میں تبدیلی پیدا کرے ٭

زباندانی اور ادب

جب کہ یورپین کے نزدیک بیان اظہار خیالات با تقریر و تعلیم کا آلہ سمجھا جاتا ہے۔ مشرقیوں میں اپنے مطلب کو بڑی پیچیدہ عبارت اور باریک نکات سے بیان کرتے ہیں اور اس لئے زباندانی اور ادب میں فرق ہے، ایسی عبارت کا لکھنا جو عام اور زود فہم ہو۔ اہل مشرق بازاری اور قابل نفرت سمجھتے ہیں اور اس لئے ایک مطلب کے لئے چار چار فقرے بیان ہوتے ہیں۔ اور

اور بیجا استعارات کل وغیرہ مستعمل ہوتے رہتے ہیں۔ تاکہ فقرہ خوبصورت اور مرصع ہو۔ ترکوں کا دستور رہے کہ لاکھوں عربی فارسی الفاظ اپنے زبان میں بھرتی کرتے ہیں۔ بلکہ جس مقام پر خاص اپنے زبان کا لفظ صحیح طور سے لکھا سکتے ہیں وہاں بھی غیر زبان کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عثمانیہ ترکوں کی زبان تین بالکل مختلف زبانوں کی مرکز ہو گئی اور کسی صورت سے ان پڑھ یا ادنےٰ درجہ کے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی *

بارہا مجھ کو اتفاق ہوا ہے کہ میں نے اپنے ترکی نوکروں سے ترکی زبان میں باتیں کیں مگر اُن لوگوں نے بالکل سمجھا ہی نہیں۔ اور کسی قدر عمدہ زبان تو عام لوگوں کی سمجھ سے باہر ہے۔ کتابیں لکھی گئیں مگر طبع نہیں ہوئیں اور وجود ایسی کتابوں کا کالعدم ہے۔ پس اس معاملہ میں ایسی عمدہ اصلاح ہوئی ہے کہ مجھ کو سخت تعجب ہوا ہے بجائے اس کے کہ بڑے بڑے فقرے لکھے جائیں جو بعض اوقات دو دو صفحوں تک پہنچ جاتے تھے اب چھوٹے چھوٹے جملوں میں لکھتے ہیں اور الفاظ عربی و فارسی کی جگہ پر موزوں ترکی الفاظ اس ترتیب و تصریف سے آتے ہیں کہ غالب تعداد عوام الناس کی بخوبی سمجھتی ہے۔ اس صدت اور آسان طریقہ رائج پا جانے سے اخبارات نے بعجلت عجیبہ ترقی کی ہے۔ اور جب کہ میرے وقت میں صرف ایک اخبار جریدۂ حوادث نامی چھپتا تھا۔ جس کو چند منتخب آدمی پڑھ سکتے تھے اب ترکوں نے کئی روزانہ اخبارات نکالے ہیں۔ جن کے ناظرین اسی قدر زیادتی کے ساتھ ہیں جس طرح یورپ کے ممالک جنوب مشرق میں اخبار پڑھنے والے ہیں ہفتہ وار اور ماہوار اخبارات اور رسالہ بھی جاری ہیں اور ہر دلعزیز لٹریچر روز افزوں ترقی کے ساتھ ادنےٰ درجہ کے لوگوں میں پھیلتا جاتا ہے۔ آپ لوگوں کو صاف طور سے معلوم ہو سکتا ہے کہ علوم اسلامیہ میں خاصکر مذہبی جز و تھا جس میں دینیات تفسیر۔ بیان۔ منطق کی تعلیم تھی۔ یہ سلسلہ تعلیم بجنسہ ہمارے یہاں مڈل ایجز (زمانہ وسطیٰ) میں مروج تھا۔ ہمارے علوم مغربی یعنی موجودہ علوم جدیدہ جس سے جدید شائستگی مراد ہے اُس زمانہ میں صرف بے توجہی سے نہیں دیکھے جاتے تھے بلکہ ان پر نفرت کی نگاہیں اُٹھتی ہیں۔ یہ بات نہایت خوشی کی ہے کہ ترکوں نے کامیابی کے ساتھ اپنے

قدیم تعصب اور خیالات کو کھو دیا جس کی بنیاد سہو یا غلطی سے قسمت آن کی طرف منسوب کرتے تھے موجودہ سلطان کے عہد سلطنت میں ہمارے علوم جدیدہ کی کل شاخوں کی ٹرکی میں خوب ترقی ہوئی۔ اور میں اس بات کے کہنے میں مطلق مبالغہ نہیں کرتا۔ کہ جس طرح ٹرکی میں علوم جدیدہ اور علوم دینیہ کی ساتھ ساتھ تعلیم ہوتی ہے اس کی نظیر یورپ کے کسی مقام میں نہیں پائی جاتی۔ پس آپ کو موجودہ علم ادب کی کتابیں عمدہ اور موزوں زبان ٹرکی میں ترجمہ شدہ ملینگی جا بجا اصلی کتابوں کا حوالہ دیا جائیگا جو بات قابل لحاظ ہے۔ کیونکہ اہل مشرق اس طرح اپنی معلومات سے اہل یورپ کا مقابلہ کر سکینگے ✤

بوعلی سینا۔ ابن بطوطہ۔ حاجی خلیفہ وابن خلدون وغیرہ کی کتابیں اور محنتیں ہنوز اہل مشرق کے دلوں سے جاتی نہیں رہیں۔ اگر ان کو اعانت۔ مہلت اور امن نصیب ہو تو وہ بجائے خود بہت ترقی کر سکتے ہیں ✤

جس شے نے مجھے زیادہ متعجب کیا وہ یہ ہے کہ موجودہ ترکی لٹریچر اس امر میں کوشش کر رہا ہے کہ ہم لوگوں میں سے نامور لوگوں کی پبلک لائف کو جانچے اور ہمارے علما و فضلاء کے حالات کو قلمبند کرے۔ چنانچہ مشاہیر نامی مجموعہ میں انگریزوں کے نامور سلاطین۔ مدبرین۔ فوجی جنرل۔ حکما۔ صناع۔ سیاح۔ انجنیئر۔ تماشا گر وغیرہ کے تذکرے ملتے ہیں۔ اور امامیا یا دیار بکر کے ترکوں کو شکسپیر۔ کیرک۔ ڈارون۔ جیمس واٹ۔ ہربرٹ اسپنسر کی کتابیں اور ان کے تذکرے پڑھتے ہوئے دیکھ کر مجبورًا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ان کی حالت غیر معمولی اور بالکل عجیب ہے گذشتہ زمانے میں کسی مسلمان کے لئے یہ بات ممکن نہ تھی کہ وہ اپنا کچھ وقت کسی غیر مسلم بے ایمان کے حالات پڑھنے میں صرف کرے۔ جس کے لئے اس کا نام ہی سخت حرارت کا باعث ہوتا تھا جس طرح دیندار عیسائی۔ مکریزی۔ بخاری۔ بیضاوی۔ جلال الدین رومی وغیرہ وغیرہ کا نام تک سننا گوارا نہیں کرتے۔ لیکن اب عجیب تغیر۔ تبدل پیدا ہو گیا ہے۔ سخت تعصب اور بے ایمانی تو ہمیشہ خطرناک ثابت ہوئی ہے۔ لیکن اب خود غیر مذہبوں نے اپنے مداح ملاؤں کو پایا ہے۔ چنانچہ آپ کے مشہور کپتان سیلر کے اہل اسلام بہت کچھ معترف ہیں۔ میری رائے میں یہ بہت اچھی بات ہے کہ ایکدوسرے

کی قدر دانی کرے اور باہمی تعاون کی نتیجہ جانبین کا فائدہ ہے۔ ترکی کے جدید لٹریچر میں جو تبدیلی کی گئی ہے اُس کا ذکر کرتے ہوئے یہ بیان ضروری ہے کہ جو تبدیلیاں حال میں کی گئی ہیں۔ ان کا اثر صرف زبان تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ اسی طرز تحریر اور عبارت میں اعلےٰ درجہ کی انشا پردازی اور مختلف علوم و فنون میں بحث کی جاتی ہے۔ پُرانی ترکی شاعری میں جو بانسبت عربی اور فارسی سے لکھی۔ ہر ہر موقع پہ بلبلِ شیدا کا نالہ۔ بادِ صبا سے سرِ چمن کا جھومنا عشاق سوختہ دل کے سینہ سے دھواں نکلنا۔ اِس ناپائدار زندگی پر تمنت ملامت اور بہت سی اسی طرح کی فضول اور بے سروپا مبالغہ آمیز باتیں جو ایشیائیوں کے خمیر میں داخل ہو گئی ہیں لکھی جاتی ہیں۔ یہ باتیں ترکوں کے سامنے آتی رہتی تھیں جب تک وہ ایشیائی طرز و طریقہ سے لپٹے ہوئے تھے۔ اور جب تک گذشتہ نقشِ قدم پر چلنا لازمی سمجھا تھا۔ جب اُن کو معلوم ہوا کہ علم و شائستگی کا آفتاب پورب سے نہیں نکلتا بلکہ پچھم میں۔ تو فوراً اُدھر ہی جانب جھک گئے۔ اور اپنی زندگی نئی طرز پر ڈالی۔ جدید سامان تفریح و دلچسپی کے سب نئے چھپے ہوئے لٹریچر نے ایشیائی لباس کی جگہ پر یورپین سادہ اور کارآمد پوشاک اختیار کی۔ صرف کسی قدر تعجب کی یہ بات ہے کہ فرانسیسیوں کے جواب تک وہاں معقول استاد تھے قدم بقدم پیروی کی ہے۔ لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ فرانس کا جدید ترقی یافتہ لٹریچر ایسی قوم پر اثر نہ کرے جو مغربی تہذیب کی جانب بہت کچھ جھک چلا ہے ۔

بیشک یہ بہتر ہوگا اگر ترکی علمی ریفارمر انگریزی مفید علم ادب کی طرف خیال رجوع کریں اور نمونتاً اپنے یہاں جاری کریں۔ اور پولیٹکس سے اپنے علم ادب کو خلط ملط نہ کریں لیکن ہم لوگوں کو اس معاملہ میں زیادہ زور دینا نہیں چاہئے۔ کیونکہ خود اُنہوں نے ایک جدید روش میں بہت کچھ ترقی کی ہے۔ حال کے ترکی مصنفین مثلاً کمال بے شناسا افندی ضیا پاشا۔ حامد بے سکرٹری سفارت عثمانیہ لندن وغیرہ وغیرہ پر پورا پورا جدید روش کا اثر پہنچا ہے اور اُنہوں نے اس معاملہ میں بہت کچھ ترقی کی ہے۔ اُن کو اپنے ملک کی اعلےٰ خدمت کرنے کا جوش ہوا ہے اور بعض ان میں ایسے عمیق لیاقت والے ہیں کہ نہایت افضل اور اعلےٰ یورپین قوم کے فخر ہو سکتے ہیں۔ نہایت درجہ نگرانی

اور غور کرنے اور بارہا پیچیدہ مجلسوں کے منعقد کرنے سے بالآخر وہ اس قدر کامیاب ہوئے کہ ملک کی خیر خواہی اور خود اعزازی خیالات کو بھڑکایا ہے جس کی ترکوں میں مثل جملہ مسلمانوں کے سخت ضرورت تھی۔ لیکن اگر اس خیال کی اچھی طرح پرورش ہوئی اور ہدایت معقول ذریعہ اور طریقہ سے ہوئی تو ایسے عمدہ نتائج پیدا ہونگے کہ علم عقلائے یورپ دنگ ہو جائینگے۔ خاصکر مدبروں کا وہ گروہ جو گمان کرتا ہے کہ ہم لوگوں کو صرف ترکوں کی لاشوں کو یورپ اور ایشیا سے باہر پھینکدینا باقی ہے۔ اس امر کے بیان کی بہت کم ضرورت ہے کہ موجودہ ترقی یافتہ جدید لٹریچر کی اشاعت سے مسلمانوں کو عیسائیوں کے ساتھ نفرت کم ہو گئی اور آئندہ اور بھی کم ہو جائیگی اس تعصب اور اختلاف کی وجہ قرآن میں نہیں ہے جیسا کہ علے العموم سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ ہم لوگوں کا سلطنت روم کے ساتھ پولیٹکل برتاؤ ہے۔ جو ہمیشہ جائز طور سے نہیں ہوتا۔ اور جسکی وجہ یہی ہے کہ تمام سلاطین کی بالاتفاق یہی خواہش ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سلطنت عثمانیہ کے شاہی اقتدار کو صدمہ پہنچائیے۔ جب ترکوں کو معلوم ہے کہ ہم عیسائی ان کو نظر محبّت و التفات سے نہیں دیکھتے تو اُن سے اس قسم کی امید رکھنی فضول ہے۔ اگر ہم اس امر کے خواہشمند ہیں کہ ہماری اصلاح دنیا میں کارگر ہو تو ہم کو ترکوں کے دلوں پر منقش کر دینا چاہئے۔ کہ ہم ان مدبرین کے ہمراہی نہیں ہیں۔ جو مسلمانوں سے مخالف رائے رکھتے ہیں۔ بلکہ اُن کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں ✣

خاتمہ

اے میرے معزز لیڈیو اور جنٹلمینو۔ ٹرکی میں جو نمایاں طور سے عام ترقی ہوئی ہے اُس کا یہ خوش کن خلاصہ ہے جو میں نے ابھی پیش کیا۔ اور ان واقعات کے روبرو جس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ ہم لوگ اپنے دل میں خیال کرتے ہونگے کہ اس عام ترقی نے کیوں ملک کی حالت میں ساتھ ہی ساتھ بہتری پیدا نہیں کی۔ اور سب سے بڑھکر یہ بات ہے کہ ان باتوں کے ہوتے ہوئے۔ پھر سلطنت میں بظاہر انحطاط اور تعصّب اور جکڑبندی کیوں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مشرق میں ظاہری حالت سے حقیقت میں اصلی کیفیت نہیں معلوم ہوتی۔ صرف وہی شخص نہیں جو سرسری طور سے ملک کی

سیاحت کرے بلکہ مدت دراز تک ایک یورپین کو ٹرکی میں قیام کرنے سے بھی اکثر اوقات حقیقت حال سمجھنے میں غلطی ہو جاتی ہے۔ علاوہ بریں ایشیا اور یورپ کی اصلاح اور جدت پسندی میں بڑا فرق ہے۔ جب ہم لوگوں نے اپنی جدید مہذب عمارت تعمیر کی تو زمین ہموار صاف اور بالکل خالی پائی۔ برخلاف ایشیائیوں کے کہ ان کو اپنی جدید کوشش میں قدیم ترقی یافتہ اور نہایت وسیع و مضبوط مشرقی تہذیب کو ڈھا کر نئی عمارت کھڑی کرنی ہوتی ہے۔ ان کو ایسے کھنڈرات اور آلودگیوں کو دور کرنا ہوتا ہے۔ جو محبوب قلوب ہو رہے ہیں۔ جب یہ مشکل مرحلہ طے ہو جاتا ہے اور اُن کے قدیم نقش جو دلوں پر مرتسم ہیں رفتہ رفتہ مٹ جاتے ہیں۔ تب نئی زندگی کی بنیاد پڑتی ہے اور ایسے خیالات کی کچھ گنجائش ہوتی ہے جو پہلے نفرت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اب آپ لوگوں کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ ایشیا میں کس بے سلیقگی اور بیدلی سے تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں اور یورپ کی تعجیلی کارروائیوں سے کس قدر فرق ہے۔ آپ لوگ (انگریز) جو ہمارے جدید تہذیب کے سرتاج ہیں اگر ذرا غور سے اپنی پڑوسی عیسائی اقوام کو ملاحظہ کریں۔ تو بہت ہی بڑا فرق خاص ملک یورپ میں پائینگے اگرچہ آرٹ اور سائنس کی بہت کچھ ترقی ہو گئی ہے۔ مگر اب بھی ایک سے زیادہ عیسائی اقوام کو اُسی تاریک سوسائٹی اور تدابیر ملکی میں پائینگے جو گذشتہ زمانہ میں ان کا حال تھا۔ اور اس لئے اب تک وہ ایشیائی کہلائے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ میری رائے میں یوروپین سویلزیشن کی شان شوکت بڑی فوج رکھنے میں نہیں ہے۔ بلکہ آزادی عطا کرنے اور بے روک ٹوک علمی اور دماغی جوہر کے آزادانہ اظہار میں ہے۔

پس اگر بہت سے ہمارے ہمقوم اہل مذہب (عیسائی) انیسویں صدی کے برکات سے مستفید نہیں ہو سکے تو آپ کیوں امید رکھتے ہیں کہ ترک اس قدر جلد ان پر قادر ہو جائیں اور کیوں اُن سے کہا جائے کہ وہ یکبارگی مشرق سے اچھلکر مغرب میں چلے آویں اور سینکڑوں برس کی مسافت یکبارگی طے کریں۔ آپ لوگوں کی یہ کہنے کی عادت ہو گئی ہے کہ ہم انتظار ہی کرتے کرتے اور اپنے تہذیب آموز کوششوں کے نتیجہ کی راہ تکتے تکتے تھک گئے۔ لیکن یہ آپ کی غلطی ہے آپ ان نتائج سے ناواقف ہیں۔ جو اس وقت سردست اپنی کمالیت کو پہنچ گئے جو تخم چند عشر پیشتر بو گیا تھا۔

اُس سے جو نازک کونسل نکلی ہے آپ نے اُس کی پوری طور سے قدر نہیں کی میری رائے میں سب سے بہتر یہی ہے کہ صبر اور انتظار کریں۔ اور مجھ کو کامل یقین ہے کہ ہماری موجودہ تہذیب ضرور بالضرور مشرق میں ترقی کریگی۔ اور بحیثیت نیشن ترک باستثنائے مسلمانان ہندوستان کے سب سے پہلے مسلمان ہونگے جو ہماری ترقی کے قدم بہ قدم چلینگے اور انہیں سے یوروپین علوم و فنون تہذیب و شائستگی کی اشاعت دور و دراز اہل مشرق میں ہوگی ؛

یہ میرا ایمان اور وثوق کامل ہے کہ بجائے اس کے کہ اہل اسلام کو حوصلہ دیا جائے اور اُن کی اعانت کی جائے میں کسی طرح مسلسل الزام دہی اور بدنامی کو جو مسلمانوں کے لئے کی جاتی ہے ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اور اس سے زیادہ میں اس گروہ مدبرین سے مخالف رائے رکھتا ہوں جن کا سرمایۂ ناز صرف یہی ہے کہ وہ ہر طرح کی دقتیں جانفشان ترکوں کی راہ میں ڈالنا چاہتے ہیں اور ایسی قوم کے لعنت ملامت کرنے کو مستعد ہو جاتے ہیں جن کا حال بہت ہی کم جانتے ہیں۔ اس غیر منصفانہ برتاؤ سے صرف ہماری تہذیب آمیز کوششوں کو وہ جھوٹا ہی نہیں سمجھتے اور ہماری اعزاز ہی میں بٹہ نہیں لگتا۔ بلکہ ہم کو اپنی عام ترقی اور تہذیب کا اس سے سخت خطرہ ہو گیا ہے۔ روس روم کے آخری جنگ کے بعد سے یورپ کی افواج سہ گنا ہو گئی ہے یہاں تک کہ انگلستان کے محصول ادا کرنے والے جن کو مخصوص طور سے کبھی یہ کہنے کا فخر نہیں ہوا کہ " ہماری تمام قوم مسلح ہے " بہت کچھ اپنے شاہی مفاد کی محافظت کے لئے روپیہ دینے پر مجبور کئے گئے ہیں اور بجائے معمولی اشاعت تہذیب و شائستگی کے جس کے لئے وہ ہم چشم اقوام میں ممتاز تھے۔ اب اہل انگلستان کو جنگ اور خونریزی کے سامان بہم پہنچانے میں قوت صرف کرنا پڑیگا۔ اے معزز لیڈیو اور جنٹلمینو یہ نہایت ہی مناسب وقت ہے کہ ہم ان تعصب انگیز اور غلط کاریوں سے جو اب تک معاملات مشرق کی نسبت ہماری رہنما تھیں خیرباد کہیں۔ انہیں اسباب سے انگلستان جس کو پہلے تمام مسلمانان ایشیا دوست اور محافظ مسلمانان کہتے تھے اب رفتہ رفتہ وہ روش اختیار کرنا چاہتا ہے اور اس سلطنت کے مطابق کارروائی کر رہا ہے جس کو تباہ کنندہ اسلام کہتے ہیں۔ آپ کی مشہور اور شاندار

اُس سے جو نازک کونپل نکلی ہے آپ نے اُس کی پوری طور سے قدر نہیں کی میری رائے میں سب سے بہتر یہی ہے کہ صبر اور انتظار کریں ۔ اور مجھ کو کامل یقین ہے کہ ہماری موجودہ تہذیب ضرور بالضرور مشرق میں ترقی کریگی ۔ اور بحیثیت نیز ترک باستثنائے مسلمانانِ ہندوستان کے سب سے پہلے مسلمان ہونگے جو ہماری ترقی کے قدم بہ قدم چلینگے اور اُنہیں سے یوروپ میں علوم و فنون تہذیب و شائستگی کی اشاعت دور و دراز اہل مشرق میں ہوگی ۔

یہ میرا ایمان اور وثوق کامل ہے کہ بجائے اس کے کہ اہل اسلام کو حوصلہ دیا جائے اور اُن کی اعانت کی جائے میں کسی طرح مسلسل الزام دہی اور بدنامی کو جو مسلمانوں کے لئے کی جاتی ہے ہرگز پسند نہیں کرتا ۔ اور اس سے زیادہ میں اس گروہ مدبرین سے مخالف رائے رکھتا ہوں جن کا سرمایۂ ناز صرف یہی ہے کہ وہ ہر طرح کی دقتیں جانفشان ترکوں کی راہ میں ڈالنا چاہتے ہیں اور ایسی قوم کے لعنت ملامت کرنے کو مستعد ہو جاتے ہیں جن کا حال بہت ہی کم جانتے ہیں ۔ اس غیر منصفانہ برتاؤ سے صرف ہماری تہذیب آمیز کوششوں کو وہ جھوٹا ہی نہیں سمجھتے اور ہماری اغراض ہی میں بٹہ نہیں لگتا ۔ بلکہ ہم کو اپنی عام ترقی اور تہذیب کا اس سے سخت خطرہ ہو گیا ہے ۔ روس روم کے آخری جنگ کے بعد سے یورپ کی افواج سہ گنا ہو گئی ہے یہاں تک کہ انگلستان کے محصول ادا کرنے والے جن کو مخصوص طور سے کبھی یہ کہنے کا فخر نہیں ہوا کہ " ہماری تمام قوم مسلح ہے " بہت کچھ اپنے شاہی مفاد کی محافظت کے لئے روپیہ دینے پر مجبور کئے گئے ہیں اور بجائے معمولی اشاعت تہذیب و شائستگی کے جس کے لئے وہ ہم چشم اقوام میں ممتاز تھے اب اہل انگلستان کو جنگ اور خونریزی کے سامان بہم پہنچانے میں قوت صرف کرنا پڑیگا ۔ اے معزز لیڈیو اور جنٹلمینو یہ نہایت ہی مناسب وقت ہے کہ ہم ان تعصب انگیز اور غلط کاریوں سے جو اب تک معاملات مشرق کی نسبت ہماری رہنما تھیں خیرباد کہیں ۔ انہیں اسباب سے انگلستان جس کو پہلے تمام مسلمانان ایشیا دوست اور محافظ مسلمانان کہتے تھے اب رفتہ رفتہ وہ روش اختیار کرنا چاہتا ہے اور اس سلطنت کے مطابق کارروائی کر رہا ہے جس کو تباہ کنندہ اسلام کہتے ہیں ۔ آپ کی مشہور اور شاندار